پہلی مرتبہ تقریباً 350 نادر ونایاب رسائل وکتب کی یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ ۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون.... مظاہر علوم سہارن پور.... دار العلوم کراچی
ودیگر مراکز علم سے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے
دستیاب شدہ نادر و نایاب رسائل کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت 78

مجموعہ تالیفات

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

الحمدللہ! عرصہ دراز کی جستجو کے بعد تقریباً 325 رسائل
اس مجموعہ میں شائع کیے جا رہے ہیں۔

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی)

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

تاثرات

حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی زید مجدہٗ
(صدر مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور، ہندوستان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ

امابعد! ہندوپاک میں دینی کتب کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں "ادارہ تالیفات اشرفیہ" ملتان کا نام محتاج تعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے خطبات وملفوظات اور دیگر تالیفات کی نشرواشاعت کیلئے ہمارے ممدوح حضرت حافظ محمد اسحٰق صاحب زید مجدہٗ کو ایسی توفیق سے نوازا جو دیگر ناشران کتب کیلئے بھی قابل رشک ہے۔ اس عظیم اشاعتی کام کی بنیاد ان کے شیخ حضرت الشاہ الحاج محمد شریف صاحب رحمہ اللہ (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کی کمال سرپرستی اور دُعاؤں کا فیضان ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ اپنی تحریر میں فرماتے ہیں:

"مجھے دلی خوشی ہے کہ عزیز القدر حافظ محمد اسحٰق صاحب مجدد الملّت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات شائع کرنے کے حریص ہیں۔ انہیں حضرت رحمہ اللہ سے صرف محبت ہی نہیں محبت کا نشہ ہے۔ حضرت کے مسلک اور مذاق کی تبلیغ کے بہت خواہش مند ہیں اور زرِ کثیر خرچ کر کے حضرت کی کتابیں جو نایاب ہیں

چھپواتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرما کر ناظرین کیلئے نافعیت اور ہدایت اوراُن کے لیے سرمایۂ آخرت بنائیں۔“　　دُعاگو:احقر محمد شریف عفی عنہ

آج سے چند سال قبل جبکہ شائقین علوم رومی حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی عالمانہ وعارفانہ شرح ”کلید مثنوی“ کو یکجا دیکھنے کیلئے ترستے اورتڑپتے تھے۔

حضرت قاری صاحب نے اس عظیم شرح کے ہندوپاک سے منتشر دفاتر کو جمع کر کے دس ضخیم جلدوں میں شائع کیا تو اکابروقت نے خوب دُعاؤں سے نوازا۔ حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی صاحب رحمہ اللہ نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ یہ بادشاہوں کا کام تھا جو اللہ پاک نے ایک فقیر سے لے لیا ہے۔اسی طرح ہندوپاک کے جملہ اکابر بالخصوص سلسلہ اشرفیہ کے حضرات نے وقتاً فوقتاً ادارہ کے حق میں اپنی مستجاب دُعائیں فرمائیں۔ بلاشبہ ادارہ کا اشاعتی فیضان انہی اللہ والوں کی دُعاؤں ہی کا ثمرہ ہے۔

الحمدللہ! ادارہ نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تالیفات وتعلیمات پر تجدیدی کام کیے ہیں جن میں مختصر رسائل کے علاوہ ضخیم جلدوں کے مجموعے بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ادارہ کی جدید تجدیدی خدمات میں ”مقالات حجۃ الاسلام“ (مشتمل برتالیفات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ) اور ”مقالات حکیم الامت“ زیورطباعت سے آراستہ ہورہے ہیں۔

”مقالات حکیم الامت“ کے متعلق یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی کہ اس میں قدیم وجدید 300 سے زائد رسائل کو جمع کر کے ترتیب دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں تالیفات کو شرف قبول نصیب فرمائیں اور ہمارے دونوں اکابر جو دینی اُصول وفروع کی افہام وتفہیم کیلئے امام الاصول اور جامع الاصول والفروع کی حیثیت رکھتے ہیں اور دینی بصیرت کے حوالے سے ہمارے لیے بمنزلہ ”دونوں آنکھوں“ کے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کی کتب ورسائل خواص (بلکہ

اخص الخواص) کے لیے نافع اور مفید ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کے بقول حضرت نانوتوی رحمہ اللہ امام الاصول تھے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ امام الفروع اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ (اپنے اُستاد خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے فیض صحبت کی برکت سے) جامع الاصول والفروع تھے۔

اس لیے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات و مواعظ اور کتب و رسائل سے عوام و خواص دونوں ہی مستفید و منتفع ہو سکتے ہیں۔

آج کے پُرفتن دور میں جبکہ افراط و تفریط عام ہے اور دین کی تشریح کے نام سے نت نئے فتنے سر اُٹھا رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے ان اَکابر کی تعلیمات ہی ہیں جن کے متعلق سو فیصد یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب مدظلہ کو اکابر وقت کی مزید در مزید دُعاؤں سے اپنے دامن کو سجانے کی توفیق سے نوازیں اور ایسے نایاب علمی موتی منصہ شہود پر لانے کی توفیق اور ہمت عطا فرماتے رہیں۔ آمین یا رب العالمین

والسلام مجد القدوس خبیب رومی عفا اللہ عنہ

دار الافتاء جامع مسجد آگرہ انڈیا.... ۲۲ شوال المکرم ۱۴۴۱ ہجری

تاثرات

حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی دامت برکاتہم العالیہ
(موجودہ منتظم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

امابعد! صاحب تصانیف کثیرہ جناب حافظ محمد اسحٰق صاحب ملتانی کا تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ ومجاز حضرت حاجی محمد شریف صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے تھا اور عرصہ دراز تک ان کی خدمت اور فیض صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا اور حضرت حاجی صاحب سے ہی ان کو اجازت وخلافت بھی حاصل ہے۔

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی ہدایات اور توجہات کے طفیل قاری صاحب کو حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے علوم ومعارف سے استفادہ کا چسکا لگا اور پھر ان کی اشاعت کی فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے توکلاً علی اللہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ اور ملفوظات کی جمع و ترتیب اور نشر واشاعت کا کام شروع کیا۔ خطبات حکیم الامت 32 جلدوں میں اور ملفوظات حکیم الامت 32 جلدوں کے گراں قدر مجموعوں کے علاوہ دیگر عظیم وضخیم

تالیفات ''بیان القرآن''، ''تسہیل بیان القرآن''، ''خلاصہ تفسیر بیان القرآن'' ''بیان القرآن کا قلمی مخطوطہ'' کے علاوہ ''کلید مثنوی'' ''التکشف عن مہمات التصوف''، ''التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف'' جیسی دیگر اہم تالیفات کو اپنے ادارہ سے اعلیٰ معیار میں شائع کرنے کا موقع ملا اور اُمت کے ایک عظیم طبقہ نے ادارہ کی جدید کتب سے اپنی علمی و اصلاحی تشنگی کو دور کیا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے مختصر و مطول بیش بہا رسائل اور قیمتی مضامین و مقالات جو مختلف جرائد میں شائع ہوئے تھے اور تقسیم ہند کے بعد مخصوص لائبریریوں یا دور دراز کے قصبات کے کتب خانوں کی زینت بن کر رہ گئے تھے۔

دورِ حاضر کا جدید ذوق اور نئی نسل اس گراں قدر علمی ذخیرہ سے استفادہ سے محروم تھی۔ ان کو ان رسائل کی فراہمی جوئے شیر لانے کے مترادف تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ایک مدت کی کاوش اور باذوق حضرات کے تعاون سے جس حد تک یہ علمی ذخیرہ دستیاب ہوسکا اسے ''مقالات حکیم الامت'' کے نام سے متعدد جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا جارہا ہے۔ اُمید ہے کہ علمی حلقوں میں ان مقالات کو پذیرائی حاصل ہوگی۔ ویسے بھی جس کو جتنی زیادہ علم سے مناسبت ہوگی اتنا ہی وہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا قدردان ہوگا۔

حق تعالیٰ حضرت قاری صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کی جملہ مساعی حسنہ کو شرف قبول عطا فرمائیں اور اُمت کو زیادہ سے زیادہ استفادہ و قدردانی کی توفیق مرحمت فرمائیں آمین۔

نجم الحسن تھانوی

عشرہ آخر شوال المکرم ۱۴۴۱ھ

تاثرات

از مفتی ابن مفتی
حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ
(مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا)

باسْمِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی

''ادارہ تالیفاتِ اَشرفیہ'' ملتان کے سربراہ جناب حافظ قاری محمد اسحاق صاحب زید مجدہم سے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ حضرت اقدس حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے انتہائی مفید اور قیمتی ''رسائل، مضامین، مقالات'' کو یکجا کر کے ''رسائل حکیم الامت'' کے نام سے ''پچیس'' ضخیم جلدوں میں منصۂ شہود پر لا رہے ہیں۔

عرصہ دراز سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے وہ مضامین جو آج سے پون صدی قبل اس دور میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''القاسم، الرشید، الامداد، النور، الہادی'' وغیرہ میں شائع ہوئے، یا الگ طبع ہو کر نایاب ہو گئے، یا وہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی ضخیم تالیفات کا حصہ بن کر ان تالیفات ہی میں شائع ہو رہے ہیں انہیں یکجا کر کے الگ مجموعہ کی صورت میں شائع کر دیا جائے تا کہ ان سے کماحقہ استفادہ کیا جا سکے۔

یہ عظیم خدمت حق تعالیٰ شانہ نے ہمارے مخدوم ومکرم ''ناشرِ علوم ومعارف حکیم الامت تھانوی، جناب حافظ قاری محمد اسحاق صاحب زید مجدہم سے لی، انہوں نے ان ''لآلی نَضِیْدَہ اور جواھرِ فریدہ منتشرہ'' کوایک خوب صورت سلسلہ میں منسلک کر کے اُمتِ مرحومہ کے فائدہ کے لئے شائع کردیا ہے۔ جزاھم اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے ''مقالات عالیہ، مضامین غالیہ اور رسائل مبتکرہ'' کے بارے میں کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے،

ع: فِیْ طَلْعَةِ الشَمْسِ مَا یُغْنِیْکَ عَنْ زُحَل.

وَلَقَدْ صَدَقَ مَنْ قَالَ: ۔ مشک آں است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔

اُمید ہے کہ اہل علم وفضل اس عظیم علمی، فقہی، تاریخی تحفہ ''حکیم الامت انسائیکلوپیڈیا'' کی قدر کریں گے، اورانہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے، حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ جناب حافظ محمد اسحاق صاحب کی اس سعی کو مشکور فرمادیں، اور حسنِ قبول سے نوازیں، حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کی علمی تحقیقات اور بیش بہا قیمتی افادات سے اُمتِ مسلمہ کو استفادہ کی توفیق دیں، اور حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے درجات عالیہ میں پیہم اضافہ فرمادیں۔ آمین

فقط　　احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ
جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۲۹،۱۰،۱۴۴۱ھ / ۱۱رجون ۲۰۲۰ء

اِجمالی فہرست

درجۃُ الحسّام من اِشاعۃِ الاِسلام

یعنی

تحقیق اشاعت الاسلام بہ شمشیر

حضرت حکیمُ الاُمت مُجدِدِ المِلت جامعِ الکمالات منبعِ الحسنات ماہرِ العُلوم القرآنیۃ، واقفِ الاَسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاُسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَولانا مُحمّد اَشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں یہ تحقیق درج ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا۔
یہ ایک تقریظ ہے جو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کی تصنیف ''اشاعت اسلام'' پر حضرت رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی تھی۔

درجۃ الحسّام من اِشاعۃِ الاِسلام
یعنی
تحقیق اشاعت الاسلام بہ شمشیر

سوال: یعنی تقریظ بر رسالہ اشاعت اسلام مولفہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی دام فیوضہم **الجواب:** بعد الحمد والصلوٰۃ مخالفین اسلام کے اس شبہ کا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ اُصولی جواب تو خود اسلام کے قانون سے ظاہر ہے جس کے بعض ضروری دفعات یہ ہیں:

۱...قتال میں عورت اور اپاہج اور شیخ فانی اور اندھے کا قتل باوجود ان کے بقاء علی الکفر کے جائز نہیں اگر سیف اکراہ علی الاسلام کے لئے ہوتی تو ان کو ان کی حالت پر کیسے چھوڑا جاتا ہے۔.....۲...جزیہ مشروع کیا گیا اگر سیف جزاء کفر ہوتی تو باوجود بقاء علی الکفر کے جزیہ کیسے مشروع ہوتا۔.....۳..پھر جزیہ یہ بھی سب کفار پر نہیں چنانچہ عورت پر نہیں، اپاہج اور نابینا پر نہیں، رہبان پر نہیں اس سے معلوم ہوا ہے کہ مثل سیف کے جزیہ بھی جزاء کفر نہیں ورنہ سب کفار کو عام ہوتا جب جزیہ کہ سیف سے اخف ہے جزائے کفر نہیں تو سیف جو کہ اشد ہے کیسے جزاء کفر ہوگی۔

۴...اگر کسی وقت مسلمانوں کی مصلحت ہو تو کفار سے صلح بلاشرط مال بھی جائز ہے۔

۵...اگر حالت وقتیہ مقتضی ہوں تو خود مال دے کر بھی صلح جائز ہے ان اخیر کی دونوں دفعات سے معلوم ہوا کہ جزیہ جس طرح جزائے کفر نہیں۔

جیسا دفعہ نمبر۳ سے معلوم ہوا، اسی طرح وہ مقصود بالذات بھی نہیں ورنہ صلح بلا مال یا بدل مال جائز نہ ہوتی پس جب سیف یا جزیہ نہ جزاء کفر ہیں نہ مقصود بالذات ورنہ دفعات مذکورہ مشروع نہ ہوتے تو ضرور اسکی کوئی ایسی علت ہے جو ان دفعات کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے اور وہ حسب تصریح حکماء امت (کمافی الہدایہ وغیرہا) سیف کی غرض اعزاز دین ودفع فساد ہے اور جزیہ کی غرض یہ ہے کہ جب ہم ہر طرح ان کی حفاظت کرتے ہیں اور اس حفاظت میں اپنی جان ومال صَرف کرتے ہیں تو اس کا صلہ یہ تھا کہ وہ بھی حاجت کے وقت ہماری نصرت بالنفس بھی کرتے مگر ہم نے ان کو قانوناً اس سے بھی سبکدوش کردیا اس لئے کم ازکم ان کو کچھ مختصر ٹیکس ہی ادا کرنا چاہئے تاکہ یہ نصرت بالمال اس نصرت بالنفس کا من وجہ بدل ہوجائے۔

یہ اغراض ہیں سیف اور جزیہ کے اور یہی وجہ ہے کہ جب اعداء دین سے احتمال فساد کا نہیں رہتا سیف مرتفع ہوجاتی ہے جس کے تحقق کی ایک صورت قبول جزیہ ہے ایک صورت صلح ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ نصرت بالنفس پر جو کہ ان پر عقلاً واجب تھی قادر نہیں ان سے نصرت بالمال بھی معاف کردی گئی ہے۔ البتہ چونکہ احتمال فساد کا موثوق بہ انتفاء عادۃً موقوف ہے حکومت وسلطنت پر چنانچہ تمام ملوک وسلاطین کا گو وہ اہل ملل بھی نہ ہوں یہ اجماعی مسئلہ ہے اس لئے ایسی صورت کو بحالت اختیار گوارا نہیں کیا گیا جس میں اسلام کی قوت وشوکت کو صدمہ پہنچے اس مختصر تقریر سے اصولی طور پر شبہ مذکورہ کا بالکلیہ قلع وقمع ہوجاتا ہے اور اس کا وسوسہ بھی باقی نہیں رہتا کہ شمشیر اشاعت اسلام کے لئے وضع کی گئی ہے۔

الحمدللہ کہ اس اعتراض کا بالکلیہ استیصال ہوگیا۔ رہا مرتد کا قتل اسلام کی طرف عود نہ کرنے کی حالت میں سو اس کی حقیقت اکراہ علی قبول الاسلام نہیں ہے بلکہ اکراہ علی بقاء الاسلام بعد قبولہ ہے سو وہ ایک مستقل مسئلہ ہے جو مسئلہ مبحوث عنہا سے بالکل مغائر ہے اور اسکی بناء بھی وہی دفع فساد ہے جو اصل مسئلہ سیف کی بناء ہے اتنا فرق ہے کہ کفر

قبل الاسلام کا شر اور ضرر اخف ہے اس لئے اس کا تدارک جزیہ یا صلح سے جائز رکھا گیا اور کفر بعد الاسلام یعنی ارتداد کا ثمر اور ضرر اغلظ ہے کہ ایسا شخص طبعًا بھی زیادہ مخالف و محارب ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کی یہ حالت دیکھ کر حق میں تذبذب و تردد (من قوله تعالٰی امنوا بالذی انزل علی الذین امنوا وجه النهار واکفروا اٰخره لعلهم یرجعون) بھی ہوتا ہے۔ نیز اس میں ملت کا ہتک (من حجۃ اللہ البالغہ ۱۲) حرمت بھی ہے اس لئے اس کا تدارک صرف سیف سے تجویز کیا گیا اور مرتدہ چونکہ عادۃً محارب نہیں ہوتی صرف تذبذب و ہتک کا ضرر اس کے حبس دائم سے دفع کر دیا گیا کہ عقوبت میں فطرۃً خاصہ زجر کا ہے، بہرحال قانون اسلام کا (مع رفع تمامی شبہات کے) اعتراض اشاعت اسلام بالسیف کے لئے دافع ہونا ظاہر ہو گیا جو کہ حقیقت شناسان اہل انصاف کی شفاء کے لئے کافی ہے۔

مگر چونکہ اس وقت عام طور سے مادیت و اخباریت کا اکثر طبائع پر رنگ غالب ہے اس لئے اس شبہ کے جواب میں سخت ضرورت اس کی بھی تھی کہ خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے نائبان ذوی الاحترام یعنی ذمہ داران اسلام کے واقعات جزئیہ بھی ان اصول مذکورہ کی تائید و موافقت میں دکھلائے جاویں چنانچہ اس ضرورت کو محسوس کر کے متعدد حضرات نے اس موضوع پر توجہ کی ہے لیکن علوم دینیہ میں مہارت نہ ہونے کے سبب اکثر کے کلام میں خود وہ اُصول و حدود جن کی تائید مقصود تھی متروک و فائت ہو گئے ہیں جس سے وہ تائید بالکل اس مثل کے مصداق ہو گئی۔

یکے برسرِ شاخ وبن مے برید

تو اس طرح سے پھر وہ ضرورت باقی کی باقی رہی حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمادے مکرمی معظمی نبراس العلماء راس الفضلاء تاج الادباء سراج البلغاء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ناظم مدرسہ دارالعلوم دیوبند دام دوامت بالفیوض والبرکات والمواہب کو جنہوں نے اپنے رسالہ اشاعت اسلام ملقب بہ "دنیا میں اسلام

کیونکر پھیلا'' میں جس کے چند اجزاء اس وقت میرے سامنے ہیں۔ اس ضرورت کا حق بوجہ اکمل ادا فرمایا جس میں اولاً تمہید میں بقدر ضرورت اصول کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے اور ثانیاً واقعات صحیحہ کو ایسی خوبی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ دلالت علی المقصود کے ساتھ انطباق علی الاصول کا پورا لحاظ رکھا ہے جس سے شائقان فروع وعاشقان اصول دونوں کو مستفید کرتا ہوا اس شعر کا مصداق ہو گیا ہے۔

بہار عالم حسنش دل وجان تازہ میدارد   برنگ اصحاب صورت رابو ارباب معنی را

یہ تو اس کے معنوں اور معانی کی کیفیت ہے پھر عنوان اور الفاظ میں سادگی اور حسن کو ایسے طور پر جمع کیا ہے کہ عبارت میں نہ فرسودہ قدامت ہے نہ تکلف آمودہ جدت جس سے وہ اس شعر کا مصداق ہو گیا۔

دلفریبان بنائی ہمہ زیور بستند   دلبر ماست کہ باحسن خدا داد آمد

چونکہ میں ثنا سے زیادہ دعا کو اپنا وظیفہ سمجھتا ہوں اس لئے بجائے ثنا کے اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اے اللہ اس رسالہ کو نافع فرما اور شبہات کے لئے دافع فرما اسی وقت ختم پر مجھ کو یاد آیا کہ القاسم دورِ جدید کے کسی پرچہ میں مولانا اعزاز علی صاحب مدرس مدرسہ موصوف نے ایک مضمون شروع کیا تھا جس کا عنوان ہے ''اسلام سے لوگوں کو کس کس طرح روکا گیا'' مناسبت تقابل کے سبب جس کی مسلمہ خاصیت ہے وبضدہا تتبین الاشیاء۔ اس مقام پر اس کا ذکر کرنے کو بھی دل چاہا اس کو تلاش کر رہا تھا کہ القاسم بابت ماہ رمضان ۱۳۴۵ھ میں وہ بھی مل گیا۔

اور اسی دوران میں القاسم ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں ایک مضمون مولانا ہی کا بعنوان اشاعۃ اسلام کا تاریخی سلسلہ ملا جس میں مضمون بالا یعنی مانعیت عن الاسلام کی تکمیل کا وعدہ اور ساتھ ہی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا کی تتمیم کا وعدہ ذکر فرمایا ہے اس کے دیکھنے سے میرے سامنے تین نور جمع ہو گئے۔ یعنی مولانا الممدوح سابقاً کا اصل مضمون۔

(۲) مولانا الممدوح لاحقاً کا مضمون اشاعت جس کو اصل مضمون کا تتمہ کہنا

مناسب ہے۔(۳) ان ہی مولانا کا مضمون مانعیت کو اصل مضمون کا ضمیمہ کہنا مناسب ہے اور ہر نور نے ایک سرور پیدا کر کے یہ شعر صادق کر دیا۔

سرورٌ فی سرور فی سرور ونورٌ فوق نور فوق نور

اور در حقیقت یہ مضمون مانعیت کا اصل مضمون کی شوکت وصولت کا جلی اور قوی کرنے والا ہے جس کی تعبیر یہ ہے کہ اسلام میں وہ دلکشی ہے کہ باوجود مخالفین کے استنے مکائد وشدائد کے اس کے اثر میں کمی نہیں ہوئی پس اصل مضمون سے اسلام کی شان جیسی (یعنی محبوبیت) نمایاں ہیں اور عجب اتفاق ہے کہ وہ اسی شان کے مظہر یعنی حبیب العلماء کے قلم سے شروع ہوا اور مضمون مانعیت سے اسلام کی شان اعزاز (یعنی عظمت) کہ اتنے مخالفین کو مغلوب کرتا رہا روشن ہے۔

اور عجب اتفاق ہے کہ وہ اسی شان کے مظہر یعنی اعزاز الفضلاء کے قلم سے شروع ہوا اگر یہ مضمون بھی مثل اصل مضمون کے ایک معتد بہ مقدار میں مدون ہو جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس موضوع میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہے گی۔ اب مولانا المدرس دام فیضہم کی خدمت میں دونوں وعدوں کے ایفاء کی سفارش اور اللہ تعالیٰ سے ان کی تکمیل میں اعانت کی دعا کر کے دوبارہ مضمون کو ختم کرتا ہوں والسلام۔

(تتمہ خامسہ ص:۵۴۰)

کتبہ اشرف علی التھانوی ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ

کَلِمَۃُ الْقَوْمِ فِیْ حِکْمَۃِ الصَّوْمِ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِی التَّھَانَوِی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

یہ رسالہ روزہ کے متعلق ایک مسئلہ پر مشتمل ہے
جو امداد الفتاویٰ میں درج ہے

کلمۃُ القومِ فِی حکمۃِ الصَّوْمِ

تمہید

ایک صاحب نے اپنے خط کے ساتھ ایک مولوی صاحب کا ایک مضمون دیکھنے کیلئے بھیجا اُس کے متعلق یہاں ایک تحقیق لکھی گئی ذیل میں دونوں منقول ہیں۔

مضمون، صوم رمضان کے متعلق ایک نہایت ضروری اصلاح کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے آپ نے اب تک اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں فرمائی ہے۔ یہ مسلم ہے کہ رمضان کے روزوں کا اصلی مقصد قوت بہیمیہ کو مغلوب اور قوت ملکیہ کو غالب کرنا ہے اسی لئے شارع نے ان مہیجات و محرکات سے چند دنوں کیلئے روکا ہے جن سے قوت بہیمیہ میں ہیجان پیدا ہوتا ہے یعنی کھانا، پینا عورتوں سے متمتع ہونا اوران تینوں چیزوں کے چھوڑ دینے کے بعد مادی حیثیت سے روزے کی حقیقت مکمل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ علم اسرار الدین کے ماہرین نے روزے کی تکمیل کیلئے جو باتیں ضروری قرار دی ہیں اُن میں ایک ہے کہ غذا میں جہاں تک ممکن ہو کمی کی جائے چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ روزے کی تکمیل کی پانچویں شرط یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال کھانا بھی اس قدر نہ کھایا جائے کہ پیٹ میں امتلاء پیدا ہو جائے کیونکہ خدا کے نزدیک کوئی ظرف اُس پیٹ سے زیادہ مبغوض نہیں جو حلال کھانے سے بھر لیا جائے۔

درحقیقت روزے سے خدا کے دشمن کی شکست اور خواہش نفسانی کی مغلوبیت کیونکر ممکن ہے جب کہ روزہ دار اپنے افطار کے وقت اس کمی کی تلافی کرے جو دن میں کی گئی ہے بلکہ بسا اوقات طرح طرح کے کھانوں سے وہ اس پر اضافہ کرلیتا ہے۔

یہاں تک یہ ایک مستقل عادت ہوگئی ہے کہ رمضان کے لئے ہر قسم کے کھانے مہیا کئے جاتے ہیں اور اس میں وہ وہ کھانے کھائے جاتے ہیں جو اور مہینوں میں نہیں کھائے جاتے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ روزے کا مقصد بھوکا رہنا اور خواہش نفسانی کو شکست دینا ہے تاکہ نفس کو تقویٰ حاصل کرنے کی قوت حاصل ہو لیکن جب معدے کو صبح سے شام تک خالی رکھا جائے یہاں تک کہ اُس کی خواہش طعام میں ہیجان پیدا ہو جائے اور اُس کی رغبت غذا کی طرف بہت زیادہ ہوجائے پھر اُس کو لذیذ کھانے کھلا کر آسودہ و سیر کردیا جائے تو اس کی لذت طلبی بڑھ جائے گی۔ اس کی قوت دگنی ہوجائے گی اور وہ خواہشیں اُبھر جائیں گی جو تقریباً دبی ہوئی تھیں غرض روزے کی روح اُن قوتوں کو ضعیف کرنا ہے جو برائی کی طرف میلان پیدا کرانے میں شیطان کا آلہ ہیں۔ اور یہ غرض صرف تقلیل غذا سے حاصل ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ روزہ دار صرف وہ ہی کھانا کھائے جو رمضان کے علاوہ معمولاً کھاتا تھا لیکن اگر صبح و شام دونوں وقت کا کھانا ملا کر کھائے تو اُس کو روزہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا بلکہ آداب صوم میں یہ ہے کہ روزہ دار دن کو بہت نہ سوئے تاکہ اُس کو بھوک اور پیاس کا احساس ہو اور اپنی قوت کا ضعف معلوم ہونے لگے۔ (احیاء العلوم ج ا مطبوعہ مجتبائی پریس صفحہ ۱۴۷)

احادیث کے مطالعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ عہد نبوت اور عہد صحابہ میں رمضان میں کھانے کا کوئی مزید اہتمام نہیں کیا جاتا تھا بلکہ معمولی غذا رمضان میں بھی کھائی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کھجور یا پانی سے افطار کرتے تھے۔ سحر میں بھی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف کھجوریں کھائیں بعد کو

بعض صحابہ ستو گھول کر لائے تو ستو پی لیا اس سے زیادہ مجھے اس مبارک عہد میں غذاؤں کی رنگینی اور بوقلمونی نظر نہیں آئی لیکن اس وقت مسلمانوں کی حالت کیا ہے رمضان نے ایک تہوار یا تقریب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ معمولی آدمی کیلئے بھی افطار کے وقت گھنگنی اور پھلوڑی (پھلکی) تو لازمی ہے۔ سحر کے لئے دودھ بھی ایک اہم چیز فرض کر لی گئی ہے۔ کھانے میں جو شخص دال روٹی کھاتا تھا وہ کم از کم ترکاری کا اضافہ کر ہی لیتا ہے۔ اہل مقدرت کے دستر خوان تو رمضان میں گویا رنگینی غذاؤں کا گلدستہ بن جاتے ہیں۔ دعوتوں کا ہنگامہ گرم ہو جاتا ہے۔ روزہ کشائی کی رسم تو خالص شادی کی تقریب بن جاتی ہے۔ یہ حالت معمولی دنیا داروں کی نہیں ہے تو علما وصوفیہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ رمضان میں بجائے اس کے حدیث وقرآن کا درس دیا جائے راحت طلبی کیلئے ہمارے عربی مدارس میں تعطیل ہو جاتی ہے۔

میں نے ایک خالص تصوف کے مرکز کے متعلق ایک مضمون پڑھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مغرب سے سحر کے وقت تک تمام لوگ جو اس مرکز سے روحانی فیض اٹھاتے ہیں بیدار رہتے ہیں اور زیادہ تر عمدہ غذاؤں کا لطف حاصل کرتے ہیں۔ تراویح سے پہلے تراویح کے بیچ میں اور تراویح کے بعد تین بار چائے کا دور چلتا ہے چونکہ آپ نے زیادہ تر علماء وصوفیہ کا فیض صحبت اُٹھایا ہے اس لئے براہ کرم مجھ کو اور ناظرین سچ کو اس معاملہ میں اپنی معلومات سے فائدہ پہنچایئے اور یہ بتایا جائے کہ اس کی سند کیا ہے۔

تحقیق

بعد الحمد و الصلوٰۃ: تحقیق مقصود کے قبل بعض مبادی کی ضرورت ہے۔

(۱) احکام باعتبار ثبوت کے تین قسم ہیں، منصوص، اجتہادی، ذوقی، اجتہادی میں اجتہاد سے مراد وہ ہے جس کو فقہاء اجتہاد کہتے ہیں اور ایسے اجتہاد سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں وہ واقع میں نص ہی سے ثابت ہوتے ہیں اجتہاد سے صرف ظاہر ہو جاتے

ہیں۔اس لئے کہا جاتا ہے کہ **القیاس مظهر لا مثبت** اور ذوقی وہ احکام ہیں جو نص کا مدلول نہیں نہ بلا واسطہ جو منصوص کی شان ہوتی ہے نہ بواسطہ جیسے اجتہادیات کی شان ہوتی ہے بلکہ وہ احکام محض وجدانی ہوتے ہیں اور اس ذوق واجتہاد میں فرق یہ ہے کہ احکام اجتہادیہ تو مدلول نص ہیں اور یہ مدلول نص نہیں اسی واسطے مجتہدین سے ایسے احکام منقول نہیں نہ کسی پر ان احکام کا ماننا واجب ہے محض اہل ذوق کا وجدان ان احکام کا مبنی ہوتا ہے البتہ ان میں بعض احکام ایسے ہوتے ہیں کہ اشارات کتاب سنت سے ان کی تائید ہو جاتی ہے تو اس صورت میں ان کا قائل ہونا جائز ہے اور اگر کتاب و سنت کے خلاف ہو تو اُس کا رد واجب ہے اور اگر کتاب وسنت سے نہ متأید ہوں نہ اُس کے خلاف ہوں تو اُس میں جانبین میں گنجائش ہے۔اسی طرح اگر ایک صاحب ذوق کو متأید معلوم ہوں دوسرے کو خلاف تب بھی اس میں جانبین میں گنجائش ہے اور اجتہادیات جزو ہیں اور ذوقیات جزو تصوف۔

(۲) احکام اجتہادیہ کا مبنی علت ہوتی ہے جس سے حکم کا تعدیہ کیا جاتا ہے اور ذوقیات کا مبنی محض حکمت اور وہ بھی غیر منصوص جس سے حکم متعدی نہیں ہوتا نہ حکم کا وجود وعدم اُس کے ساتھ دائر ہوتا ہے اور یہ عدم دوران حکمت منصوصہ میں بھی عام ہے جیسے طواف میں رمل کہ اُس کی بناء ایک حکمت تھی مگر وہ مدار حکم نہیں رہی۔مگر تمام مسائل تصوف کو اس شان کا نہ سمجھا جاوے اُن میں بھی بعض اجتہادی ہیں اور بعض منصوص بھی ہیں مقصود یہ ہے کہ اُن میں جو ذوقیات ہیں اُن کی یہ شان ہے جو مذکور ہوئی۔

(۳) ایک دوسرے اعتبار سے احکام کی اور دو قسمیں ہیں۔مقاصد اور مقدمات یہ احکام ذوقیہ صرف مقدمات ہوتے ہیں مقاصد نہیں ہوتے مقاصد صرف منصوص ہوتے ہیں یا اجتہادی۔

(۴) احکام منصوصہ واجتہادیہ شریعت ہے احکام ذوقیہ شریعت نہیں۔البتہ اسرار

شریعت اُن کو کہا جاسکتا ہے اور یہ سب مبادی ماہر قواعد شرعیہ کے نزدیک ظاہر ہیں۔

اب مقصود عرض کرتا ہوں کہ مسئلہ زیر بحث نہ منصوص ہے نہ اجتہادی صرف ذوقی ہے اور ذوقی بھی مختلف فیہ چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی ذوق ہے اور جو کچھ اس باب میں احیاء العلوم میں فرمایا ہے وہ اسی ذوق پر مبنی ہے اور اُن کے نزدیک کچھ رمضان کی تخصیص نہیں مطلق جوع کے باب میں وہ اسی کے قائل ہیں اور بعض کا ذوق اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شمائل ترمذی میں ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔

ومن جهلة الصوفية تقليل المطعم و اكل الدسم حتى ييبس بدنه و يعذب نفسه بلبس الصوف ويمتنع من الماء البارد وما هذه طريقة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ولا طريقة صحابته واتباعهم وانما كانوا يجوعون اذا لم يجد و اشياء فاذا وجدوا كلوا الخ (من حاشیۃ تقلیل الطعام بصورۃ الصیام) اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ ابواب الصوم میں فرماتے ہیں۔ **ثم ان تقليل الاكل والشرب له طريقان احدهما ان لا يتناول منها الاقدرا يسيرا و الثانى ان تكون المدة المتخاللة بين الاكلات زائدة على القدر المعتاد و المعتبر فى الشرع هو الثانى لانه يخفف وينقه ويذيق بالفعل مذاق الجوع والعطش ويلحق البهيمية خيرة ودهشة وياتى عليها اتيانا محسوسا والاول انما يضعف ضعفا يمربه ولا يجد بالا حتى يد فنه وايضا فان الاول لا ياتى تحت التشريع العام الابجهد فان الناس على منازل مختلفة جدا الخ.**

اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ مسئلہ متکلم فیہا میں ذوق مختلف ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسا ذوق اقرب الی الکتاب والسنۃ ہے اس کا موازنہ ذوق کے مویدات میں غور

کرنے سے ہوسکتا ہے سوذوق اول کے یہ مویدات ہوسکتے ہیں۔

(الف) کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ای کی تحذروا المعاصی فان الصوم یعقم الشھوہ التی ھی امھا او یکسرھا........(ب) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یامعشر الشباب من استطاع منکم الباء ۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وعاء رواہ الشیخان احادیث فضیلت جوع و ذم شبع مگران سب استدلالات میں شبہات ہیں۔

الف میں یہ کہ یہ تفسیر متعین نہیں دوسری تفسیر بھی محتمل ہے چنانچہ ابن جریر نے سدی سے نقل کیا ہے۔فتتقون من الطعام والشرب والنساء مثل ما اتقوا قبلکم اورتفسیر نیسا پوری میں ہے لعلکم تتقون بالمحافظۃ علیھا تقدمھا و بعد اسطر او لعلکم تنتظمون فی سلک اھل التقوی فان الصوم شعارھم اوراگر وہی تفسیر مان لی جاوے تب بھی دلالت علی المقصود میں یہ شبہ ہے کہ کسر قوت بہیمیہ تقلیل طعام پر موقوف نہیں کمامر قریبا عن حجۃ اللہ البالغۃ وسیاتی ایضاً اور ب میں یہ کہ اس میں صوم کی خاصیت بیان کی گئی ہے تشریع صوم کی حکمت بیان نہیں کی گئی اور یہ خاصیت موقوف نہیں ہے تقلیل اکل پر کیونکہ تجربہ ہے کہ باوجود شبع من اللذات کے رمضان میں ضعف معتد بہ ہوجاتا ہےاورراز اس کا یہ ہے کہ عادت تھی دووقت رغبت کے ساتھ کھانے کی اوراب رغبت کے ساتھ صرف ایک وقت کھایا جاتا ہے یعنی شام کو۔اورسحر کے وقت عادت نہ ہونے کے سبب رغبت سے نہیں کھایا جاتا اس لئے وہ جزو بدن اور بدل ما یتحلل نہیں بنتا پھر جب وقت معتاد آتا ہے عادت کے سبب طبیعت کو اشتیاق ہوتا ہےاور باوجود اشتیاق کے کھانا نہیں ملتا اس لئے طبیعت ضعیف ہوجاتی ہے۔چنانچہ یہ ضعف عشرہ وسطی میں کمی کے ساتھ اور

عشرہ اخیرہ میں زیادتی کے ساتھ بین طور پر محسوس ہوتا ہے۔

البتہ اگر کئی مہینے کے روزے ہوتے تو چند روز میں کھانے کے اوقات معتادہ بدل جاتے پھر رغبت سے دونوں وقت کھانا کھایا جاتا اور جز وبدن بنتا اور ضعف نہ ہوتا اور قوت شہویہ میں انکسار نہ ہوتا اور اسی راز سے صوم دہر پسند نہیں کیا گیا اور صوم داؤدی میں عادت قدیمہ نہیں بدلتی اس لئے اُس کی اجازت مع بیان الفضیلت دی گئی اور یہی تقریر الف میں بھی ہوسکتی ہے کہ اگر اُس تفسیر کو متعین بھی مان لیا جاوے تب بھی صوم ہر حالت میں قوت شہویہ کا کاسر ہے۔ وھذا ھو الذی وعدناہ قریباً فی قولنا و سیاتی ایضاً اور ج میں یہ کہ احادیث فضل جوع وذم شبع میں احتمال ہے کہ جوع سے مراد جوع اضطراری ہو یعنی اگر میسر نہ ہو تو اُس کی فضیلت کو یاد کر کے صبر کرے جیسے نصوص میں بیماری کے فضائل بیان کئے گئے ہیں تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ عمداً بیمار ہو جایا کرے چنانچہ آیت ولنبلونکم الخ میں جوع کو مصائب میں شمار فرمایا ہے اور سب مصائب مذکورہ آیت غیر اختیاری ہیں تو جوع سے بھی مراد وہی ہوگا جو غیر اختیاری ہو اسی طرح شبع مذموم میں یہ احتمال ہے کہ شبع مفرط یعنی فوق الشبع مراد ہو۔

چنانچہ ایک حدیث میں اکثرھم شبعاً فرمایا ہے من شبع منھم نہیں فرمایا۔

سو ایسے شبع کو فقہاء نے بھی حرام فرمایا کذا فی الدر المختار و رد المحتار کتاب الکراھۃ ۔ یہ تو ذوق اول کے مویدات پر کلام تھا اب ذوق ثانی کے مؤیدات عرض کرتا ہوں۔ حدیث میں ہے شھر یزاد فیہ رزق المومن کذا فی المشکوٰۃ عن البیھقی تو کیا یہ امر معقول ہے کہ رزق زائد تو رمضان میں دیا جائے اور اُس سے منتفع ہونے کے لئے شوال کے انتظار کا حکم دیا جائے۔

افطار کے وقت حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے یہ منقول ہے ذھب الظما وابتلت العروق و ثبت الاجر رواہ ابوداؤد ان شاء اللہ تعالیٰ. ظاہر ہے

کہ ذہاب ظما وابتلال عروق بدون سیراب ہو کر پانی پینے کے نہیں ہو سکتا اور باوجود اس کے وہ منقص اجر نہیں ہوا چنانچہ ثبت الاجر اس میں نص ہے اور کھانے اور پانی میں کوئی معقول فرق نہیں کہ ایک سے میری پسندیدہ ہو اور دوسرے سے ناپسندیدہ ہو۔ حدیث میں اشباع صائم کی فضیلت اور ثواب وارد ہے۔ (مشکوٰۃ عن البیہقی)

اگر شبع ناپسندیدہ ہوتا تو اشباع جو کہ اُس کا سبب اور معین ہے وہ بھی ناپسندیدہ ہوتا لان مقدمة الشیء ملحق به نہ کہ موجب اجر ہوتا۔ ز۔شبع اور ری تو مقدمات شہوت سے ہیں اور جماع خود قضاء شہوت ہے اگر شبع اور ری مفوت روح صوم ہے تو جماع بدرجہ اولی اُس کا مفوت ہے اگر اس کی تقلیل کی کسی نے ترغیب نہیں دی بلکہ اس کی اجازت وسیعہ کو موقع امتنان میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

فالأن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم اور اس کے ساتھ **كلوا وشربوا** کو بھی مقرون فرمایا۔ اور سب کے لئے غارت فرمائی **حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر**۔ح۔ اگر تقلیل طعام فی رمضان کوئی امر مقصود ہے تو فضائل صوم کے ساتھ اس کی فضیلت اور منکرات صوم کے ساتھ شبع کی مذمت نصوص میں یا مجتہدین کے کلام میں کیوں نہیں وارد ہوئی۔ کیا اس سے **اكملت لكم دينكم** میں اشکال نہیں وارد ہوتا۔

یہ پانچ مؤیدات ہیں ذوق ثانی کے جو اس وقت ذہن میں حاضر ہو گئے اگر اہل ذوق اول ان تائیدات میں بھی کوئی خدشہ نکالیں ہم کو مضر نہیں کیونکہ احکام مختلفہ فیہا میں جانبین میں گنجائش ہوتی ہے اس لئے اس کا بھی مطالبہ کیا جاوے گا کہ اہل ذوق اول بھی اہل ذوق ثانی پر طعن و تشنیع اور ان کی تحقیر و تقبیح نہ فرماویں کیونکہ ذوقیات میں ایسا اختلاف کوئی امر منکر نہیں چنانچہ قوم میں دعا و ترک دعا کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور مباشرت اسباب و ترک اسباب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت سے مسائل ایسے ہی

ہیں۔اسی طرح یہ مسئلہ فقہی نہیں جس کا اتنا اہتمام کیا جاوے۔

چنانچہ فقہاء نے باوجود یہ کہ مستحبات تک کی تدوین فرمائی مگر اس سے کہیں تعرض نہیں فرمایا اور اگر فقہی بھی ہوتا تو مختلف فیہ ہونے کی صورت میں پھر بھی یہی حکم ہوتا۔ اس تقریر سے امید ہے کہ اصل اجزاء مسئول عنہا کا جواب ہو گیا ہو گا باقی بعض زوائد کے متعلق بھی کچھ مختصر عرض کیے دیتا ہوں۔

(۱) صحابہ کے وقت میں اہتمام نہ ہونا حجت نہیں کیونکہ اُن کے یہاں ہر چیز میں سادگی تھی اسی عادت کے موافق بھی عمل تھا۔ نیز جب صحابہ کو رمضان کے لئے تکثیر اطعمہ کا اہتمام نہ تھا اسی طرح رمضان کی خصوصیت سے تقلیل کا بھی اہتمام نہ تھا پھر اس سے مدعا یعنی حکمت خاصہ کی بنا پر اہتمام جوع بھی کیسے ثابت ہوا۔

(۲) اور اس کو تقریب بنا لینا اگر حدود کے اندر ہو تو کیا حرج ہے خود حدیث میں ہے کہ رمضان کے لیے جنت کی زینت سال بھر تک ہوتی رہتی ہے۔ (مشکوٰۃ عن البیہقی)

سو اگر اُس کی تقلید میں یہاں بھی کچھ اہتمام ہو تو کیا حرج ہے۔ (۳) دعوتوں کا ہنگامہ یہ فرد ہے مواسات کی حدیث میں اس کو شہر المواساۃ فرمایا گیا۔ (مشکوٰۃ عن البیہقی)

(۴) روزہ کشائی کی تقریب بھی ایک فرد ہے فرحت عند الفطر کی اولاد کی توفیق دین سے فرح کیوں مذموم ہو قرآن مجید میں اس کو قرۃ العین فرمایا گیا ہے۔

(۵) تعطیل مدارس کی راحت اور اعمال رمضان کے لئے کیوں منکر ہے اور وہ درس کے ساتھ عادۃً جمع نہیں ہو سکتے۔ (۶) صوفیہ کی طرف سے جواب دینا خود صوفیہ کے مذاق کے خلاف ہے وہ بیچارے خود ہی اپنے کو سب سے اخس اور ادون سمجھتے ہیں اپنی نصرت سے خود اس طرح منع کرتے ہیں:

با مدعی بگوئید اسرار عشق و مستی ‌ ‌ ‌ بگذار تا بمیر د در رنج خود پرستی

اس احقر کو صوفیہ کے اعمال میں تو اُن کی تقلید کی توفیق نہیں ہوئی مگر یہ رسم سن کر جو

اب تک نہ سنی تھی ضرور حرص ہوئی کہ واقعی چائے کا دور جاگنے کی تو اچھی تدبیر ہے مگر حرص ہی ہو کر رہ گئی کہ اس لئے کہ پھر نیند سے محرومی ہو جاویگی جس کا میں اُس سے زیادہ حریص ہوں اور جس طرح تقلیل طعام میں وہ ذوق پسند آیا جس میں شبع بھی ہاتھ آوے اسی طرح تقلیل منام میں وہ مسلک پسند ہے جو مخل نوم نہ ہو وہ مسلک یہ ہے:

حدیث: من صلی العشاء فی جماعة فكانما قام نصف الليل ومن صلی الصبح فی جماعة فكانما صلى الليل كله لمالک و مسلم . تفسیر . عن انس تتجا فی جنوبهم عن المضاجع قال ما بين المغرب و العشاء و عنه ايضا نزلت فی انتظار الصلاة التی تدعى العتمة و عنه ايضا فی قوله تعالیٰ كانوا قليلا من الليل ما يهجعون. قال يتيقظون يصلون ما بين ها تين الصلاتين ما بين المغرب والعشاء عن محمد بن علی قال لا ينامون حتى يصلوا العتمة وعن ابی العالية قال لاينا مون بين المغرب و العشاء. (تفسیر ابن جریر)

وفی الدر المنثور كانوا ينامون الليل كله اه فالقليل لا يقابل الكثير بل يقابل الجميع فهو فی معنی البعض. (کذا فی بیان القرآن)

اثر قال سعيد بن المسيب من شهد العشاء من ليلة القدر فقد اخذ بحظ منها (موطا امام مالک) قلت وكانه تفسير للمرفوع من حرم خيرها فقد حرم فالذی شهد فی جماعة لم يحرم خيرها.

اس نوم کی پسندیدگی سے وہ چائے کی حرص بھی جاتی رہی اور اپنے جی کو یوں سمجھا لیا کہ اللہ تعالیٰ ناکاروں کو بھی بخش ہی دینگے اس اُمید مغفرت پر کلام کو ختم کرتا ہوں اور چونکہ اس کی مقدار معتد بہ ہو گئی اس لئے اس کا ایک لقب بھی بمناسبت مضمون کے تجویز کئے دیتا ہوں یعنی كلمة القوم فی حكمة الصوم۔

ضمیمہ: یہ بھی محتمل ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کو اختلاف ذوق پر محمول نہ کیا جاوے بلکہ اپنے زمانہ کے قوی کو دیکھ کر بطور مجاہدہ اس طریق کو تجویز فرمایا اور مجاہدہ زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتا ہے اب قوی ایسے ضعیف ہیں کہ اتنی تقلیل یقیناً طاعات مقصودہ میں مخل ہو جاوے گی۔

باقی یہ کہ حضرت امام نے عنوان تاکید سے کیوں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صوفیہ پر بعض حالات کا یا بعض اصلاحات کا غلبہ ہوتا ہے اُس میں اس قسم کے عنوان بیساختہ صادر ہو جاتے ہیں اور اس مقام پر ایک اور نکتہ قابل سمجھنے کے ہے۔ گویا قواعد طریقت سے وہ روح ہے مسئلہ کی وہ یہ کہ مقصود سالک کا حسب تصریح ائمہ تشبہ ہے ملائکہ کے ساتھ اور یہ تشبہ جس طرح شبع مفرط سے فوت ہوتا ہے۔

اُسی طرح جوع مشوش سے بھی کیونکہ ملائکہ دونوں سے منزہ ہیں اور یہ سب تحقیق اُس تقدیر پر ضروری ہے کہ صوم میں حکمت کسرہ قوۃ شہوۃ کو مان لیا جاوے ورنہ اگر وہ امر تعبدی ہو جیسا خود روزہ کا عدد کہ اس میں کوئی حکمت معلوم نہیں تو اس تمام تر سوال و جواب ہی کی گنجائش نہیں اور بعض الفاظ حدیث سے یہ احتمال تعبد کا ظاہر اور قوی معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

من صام رمضان ايمانا و احتسابا رواه الشيخان حيث جعل الباعث عليه الايمان وطلب الثواب لاشياء من الحكمة والمصلحة وهذا هو التعبدو الله اعلم. ۲۵ شعبان ۱۳۵۲ ہجری

❀❀❀

تنظیم المسلمین

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیة، واقف الاسرار الفرقانیة، راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعة والطریقة، بحر المعرفة والحقیقة کاشف الاسرار الخفی منهار الجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنة مثواہ

مسلمانوں کیلئے تنظیم کی ضرورت اوراس کی شرائط وآداب پر مشتمل یہ رسالہ ۹ ذوالحجہ ۱۳۵۶ھ میں شائع ہوا۔

تنظیم المسلمین

سوال متعلق کانگریس و مسلم لیگ

سوال: سیدی ومولائی دام مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج کل ہندوستان میں دو سیاسی جماعتیں ہیں ایک کانگریس اور دوسری مسلم لیگ۔ کانگریس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ملک کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور ہر شخص کو بلا تفریق مذہب وملت اس جماعت کا ممبر ہونا چاہیے اور اس جماعت کے ہوتے ہوئے کسی دوسری سیاسی جماعت میں شریک نہیں ہونا چاہیے اور سب یک جا ہوکر ملک کو آزاد کرائیں۔ مسلم لیگ خالص مسلمانوں کی جماعت ہے اور اس کا نصب العین بھی ملک کو آزاد کرانا ہے مگر اس کا یہ دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کے کچھ خاص ایسے حقوق ہیں کہ جن کے تحفظ کے لیے اس جماعت کا علیحدہ نظام وقیام ضروری ہے اور واقعہ یہ ہے کہ دونوں جماعتیں سیاسی ترقی میں تو ایک دوسرے کی شرکت میں کام کرسکتی ہیں مگر کانگریس میں مدغم ہوکہ وہ خاص حقوق محفوظ نہیں رہ سکتے، کانگریس کا شروع سے مسلمانوں کے ساتھ کیا رویہ رہا، اس کے متعلق تو مفصل بحث کتاب موسومہ آزادی کی مؤلفہ عبدالوحید خان صاحب میں درج ہے جو غالباً حضرت والا کی نظر سے بھی گزری ہے، بعد کے بھی کچھ واقعات یہ ظاہر کررہے ہیں کہ کانگریس میں چونکہ ہنود کی کثرت ہے، وہ رام راج قائم کرنا چاہتے ہیں اور کانگریس کی اصل غرض یہ ہے کہ ہندوستان کا محافظ انگریز رہے اور زیر سایہ برطانیہ دفتری حکومت ہندو کے ہاتھ میں آجاوے اور ان کو یہ خوف ہے کہ ایشیا کی اسلامی سلطنت حملہ آور ہوکر اسلامی حکومت قائم کرلے

گی، اس کے متعلق مسلمان کتنا ہی اطمینان دلا دیں مگران کا یہ خوف دور نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ ہندی زبان ولباس کے رواج دینے میں بے حد کوشاں ہیں اور اپنا ہی اقتدار حاصل کرنے کی فکر میں ہیں، ملک میں اس وقت آئینی لڑائی ہے جس میں جملہ معاملات کثرت رائے پر طے ہوتے ہیں اور اس وقت کانگریس کی مرکزی جماعت و مجلس انتظامیہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی قلیل ہے، ان کانگریسی مسلمانوں کی یہ کیفیت ہے کہ مسلمانوں کے خاص حقوق کے تحفظ کے سوال کو فرقہ پرستی سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے احتجاج پر یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ اگر مسلمان کثرت کے ساتھ کانگریس میں شریک ہو جاویں تو ہنود کی ذہنیت میں تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں اور دوسری چیز جو پیش کرتے ہیں وہ مخلوط انتخاب ہے، ان کی یہ حجت ہے کہ جب تک جداگانہ انتخاب ہے ایک مذہب والا دوسرے مذہب والے سے بے نیاز ہے جس میں اتحاد کی اُمید نہیں، اگر انتخاب مخلوط ہو جاوے تو ہندو و مسلمان ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنے پر مجبور ہوں گے لیکن اس کی تردید میں چند واقعات ہیں ہندو و مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ایسا ہے کہ مسلمان تو مجبور ہوسکتا ہے مگر ہندو کو ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ دو چار جگہ ڈسٹرکٹ بورڈ و میونسپلٹی کے انتخاب مخلوط ہوئے اور مسلمان ان نشستوں سے کہ جن پر پہلے سے منتخب ہوتے تھے محروم ہوئے۔ بعض جگہ تو اس خیال سے کہ کہیں مسلمان نہ ہو جاوے سرکاری آدمی کو منتخب کیا۔ علاوہ ازیں خود کانگریس میں مسلمان انتخاب میں نہیں آسکے اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ہندو کی کثرت ہے اور مخلوط انتخاب میں مسلمانوں کا صحیح نمائندہ کبھی منتخب نہیں ہوسکتا اور کثرت کی بناء پر ایسے قوانین بھی پاس ہوسکتے ہیں جو مسلمانوں کے حقوق کے منافی ہوں مگر موجودہ شکل میں گورنر و گورنر جنرل کو ایسا قانون مسترد کرنے کا حق ہے۔

مسلم لیگ کی قیادت اس وقت مسٹر محمد علی جناح کے ہاتھ میں ہے۔ گو مسٹر محمد علی جناح آبائی شیعی ہیں مگر غیر متعصب ہیں اور گو کوئی متقی نہیں لیکن سیاست میں بہترین

مخلص سمجھے جاتے ہیں، اس کے کانگریس والے بھی معترف ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ سرکاری آدمی نہیں ہیں، ملک اور قوم کی آزادی کے لیے ان کے دل میں درد ہے۔ اسی لیے گورنمنٹ کے مقابلہ میں بھی اور کانگریس میں بھی انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے لیے آواز بلند کی۔ مسٹر محمد علی جناح موصوف کے خلاف یہ بھی غلط پروپیگنڈہ ہے کہ وہ جاہ پسندی کے لیے یہ سب کام کررہے ہیں، اگر وہ جاہ پسند ہوتے تو کبھی کسی خطاب یا کسی عہدہ کی اپنے لیے کوشش کرتے جس کا ملنا بہت سہل تھا مگر انہوں نے کبھی بھی اس کی کوشش نہیں کی۔ بہرحال کلمہ گو ہیں، برعکس اس کے جو مسلمان کانگریسی یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ وہ شیعی ہیں تو کانگریس کا صدر تو غیر مسلم ہے۔

نیز صدارت مسٹر محمد علی جناح کی مِلک نہیں ہے بلکہ وہ اس بات پر آمادہ ہیں کہ عامۃ المسلمین اپنا دوسرا صدر منتخب کرلیں۔ اہم سوال اس وقت علماء کی رائے کا ہے۔ بعض حضرات کانگریس کی شرکت کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسرے حضرات مسلم لیگ میں شریک ہونے پر زور دیتے ہیں اور جو حضرات کانگریس کو ترجیح دیتے ہیں بجز ایک دو صاحب کے وہ سب بھی اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے نظام کی ضرورت یقینی ہے مگر کچھ شرائط کے ماتحت کانگریس میں شریک ہونا چاہیے۔ مسٹر محمد علی موصوف بھی کانگریس سے تصفیہ کرنے پر آمادہ ہیں۔ ان کی صرف اس قدر خواہش ہے کہ مسلمان اپنی جگہ پر منظّم رہیں اور حکومت و آزادی کے لیے کانگریس کے دوش بدوش کام کریں اور یہ اس وجہ سے کہ اگر حسب سابق آئندہ کانگریس کی کثیر جماعت مسلمانوں سے بدعہدی کرے تو مسلمانوں کو اس وقت دوبارہ تنظیم کی ضرورت نہ پیش آوے۔

حضرات علماء کی اس اختلاف رائے کی وجہ سے عوام کو رائے قائم کرنا مشکل ہے، اس لیے دریافت طلب ہے کہ حضرت اقدس کے نزدیک دونوں مذکورہ بالا جماعتوں میں سے مسلمانوں کو کس جماعت میں شرکت اختیار کرنا چاہیے۔

یہ ظاہر کردینا بھی ضروری ہے کہ مسلم لیگ میں گو مذہبی حالت کے اعتبار سے کچھ

کمی ہے، مگر اِصلاح کی بہت قریب توقع ہے اور یہ اِصلاح عوام کے ہاتھ میں ہے اور عوام کی اِصلاح حضرات علماء کی جدو جہد پر منحصر ہے، تو اس ترتیب سے مسلم لیگ کی اِصلاح گویا علماء کے ہاتھ میں ہے۔

خادم منفعت علی ممبر مسلم لیگ سہارن پور، معروضہ ۵ر فروری ۱۹۳۸ء

الجواب: مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! چونکہ اس کے متعلق دوسرے مقامات سے بھی سوالات آتے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ یہ جواب بعنوان کھلی لکھ دیا جاوے تاکہ دوسرے جزئی سوالات پر بھی منطبق ہوسکے اور تمام سوالات کا جامع جواب ہو جاوے اور اسی لیے اس جواب کا ایک مستقل و مناسب لقب بھی تجویز کر دیا گیا، اب وہ جواب عرض کرتا ہوں۔

الجواب ومنه الصدق والصواب و لقبتهٗ بتنظیم المسلمین

"قال اللّٰه تعالٰی واعتصموا بحبل اللّٰه جمیعاً ولا تفرقوا الآیة"

بعد الحمد والصلوٰۃ! احقر اشرف علی مدعاء نگار ہے کہ سب کو معلوم ہے کہ آج کل ہندوستان میں مفادِ ملکی کے نام سے ایسی سیاسی جماعتیں جو تنظیم و تعمیم کی جامع ہوں دو ہیں، ایک کانگریس دوسری مسلم لیگ اور دونوں اپنی اپنی طرف شرکت کی دعوت دیتی ہیں اور نافعیت میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں اہل الرائے اختلاف رکھتے ہیں اور اسی کی تحقیق کے لیے مدت سے متردین کی طرف سے شرکت کے متعلق مختلف عنوانات سے سوالات کا سلسلہ جاری ہے۔ اب تک چونکہ دونوں کے واقعات کا کافی علم نہ تھا، اس لیے جواب کی بناء زیادہ تر سائلین کے بیان پر ہوتی تھی اور احیاناً جواب کے کچھ حصہ میں ثقات کی روایات کا بھی کچھ دخل ہوتا تھا اور بعض اوقات بغرض مزید تحقیق خود سائل سے بھی واقعات کی تنقیح کی جاتی تھی اور ان بناؤں کے اختلاف سے مختتم جواب نہ ہو سکتا تھا جس سے ممکن ہے کہ سائل کو شفائے تام نہ ہوتی ہو اور اس صورت میں یقیناً ایسے جوابوں سے طریق عمل کا اخذ کرنا جو سوال سے اصل مقصود تھا،

دشواری سے خالی نہ تھا۔ اس لیے سخت ضرورت تھی کہ واقعات کو مزید تعیین و تبیین کی جاوے جس کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے گئے جس میں خاص اہتمام کے بعد بحمداللہ تعالیٰ اتنی ضروری کامیابی ہوگئی جس سے ان شاءاللہ تعالیٰ شافی جواب پیش کرنا ممکن ہوگیا اور آج آپ کا خط اس جواب کے پیش کرنے کا محرک ہوگیا۔

یہ چند سطریں اسی جواب کی حکایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں تو کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ فضاء حاضر میں مسلمانوں کو شدید استحکام کے ساتھ منظم ہونے کی سخت ضرورت ہے اور ان کے تمام منافع ومصالح کی حفاظت اور تمام مضارہ مفاسد سے مبانت اسی تنظیم پر موقوف ہے مگر اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان پر یہ بھی واجب التسلیم والعمل ہے کہ وہ تنظیم حسب قدرت بالکل احکام شرعیہ کی موافق ہو (جو آیت پیشانی میں اعتصام بحبل کی لاتفرقوا پر تقدیم سے بھی ظاہر ہے)۔

سو اگر اس وقت ملک میں اس صفت کی کوئی منظم جماعت موجود ہوتی یا اس کا ہونا متوقع قریب ہوتا تو جواب واضح تھا لیکن موجودہ حالت میں افسوس اور نہایت افسوس ہے کہ ایسی جماعت کا نہ تحقق ہے نہ قریب توقع اس لیے بجز اس کے چارہ کار نہیں کہ موجودہ جماعتوں میں سے کسی جماعت میں داخل ہوں اور اس میں قواعد شرعیہ کی رُو سے جو نقص ہو اس کی اِصلاح کریں اور اگر ان میں ایک کی اِصلاح آسان اور دوسری کی دُشوار ہو تو بقاعدہ عقلیہ ونقلیہ "من ابتلیٰ ببلتیین فیلختر اھونھما"

جس کی ماخذ کثیرہ میں سے ایک ماخذ حدیث بریرہ میں یہ ارشاد نبوی ہے:

"اعتقیھا واشترطی لھم الولاء علی ماقررہ النووی فی شرحہ لصحیح مسلم" اس میں داخل ہوجائیں جس کی اِصلاح آسان ہو، سو اس کے متعلق جہاں تک تفحص بلیغ کے ساتھ تحقیق کیا گیا، مذکورہ ومسئولہ دونوں جماعتوں میں ان کا موجودہ حالت پر نظر کرکے مسلم لیگ کے نقائص کا رفع کرنا سہل ہے اور کانگریس کی اِصلاح متعسر بلکہ متعذر ہے جس کے وجوہ کا خلاصہ وہی ہے جو آپ نے

لکھا ہے کہ مسلم لیگ خالص کلمہ گویوں کی جماعت ہے اور کانگریس میں عنصر غالب غیر مسلمین کا ہے اور جو شخص اسلام کو حق جانتا ہو اس کو شریعت کے قریب لانا بہ نسبت اس شخص کے جو اسلام کو حق نہیں جانتا۔ ظاہر ہے کہ سہل ہے، نیز مسلم لیگ کے اعلانات جیسے لیگ کا مینوفسٹو وغیرہ اور کانگریس کے معاملات اس کے شاہد ہیں، رسالہ آزادی کی جنگ کو جس کا آپ نے سوال میں حوالہ دیا ہے میں نے بھی دیکھا ہے۔

واقعی! اس میں ان معاملات کی تفصیل اچھی طرح کی گئی ہے۔ منصف مزاج کے لیے اس کا مطالعہ میرے خیال میں کافی ہے۔ پس اس اصل کی بناء پر شرح صدر کے ساتھ میری یہ رائے قائم ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اطمینان وتوکل کے ساتھ مسلم لیگ میں داخل ہو جانا چاہیے، پھر ان میں جو اہل قوت واہل اثر ہیں ان کو اپنی قوت واثر سے اس کی اِصلاح کی کوشش کرنا چاہیے اور جو اہل قوت نہیں وہ اہل قوت کو وقتاً فوقتاً یاددہانی کر کے تقاضے کے ساتھ ان سے اِصلاح مطلوب کی درخواست کرتے رہیں اور اِصلاح کے طریقوں میں علماء محققین سے مدد لیتے رہیں جو علماء اس میں شریک ہوں ان سے تو علمی و عملی دونوں قسم کی امداد حاصل کریں اور جو اس میں کسی مصلحت یا عذر سے باضابطہ شریک نہ ہوں ان سے صرف علمی مدد لیں یعنی ان سے واقعات ظاہر کر کے احکام شرعیہ معلوم کرتے رہیں اور ان کے موافق مسلم لیگ کی حالت کو درست کرتے رہیں اور مسلم لیگ میں جو معاملات پیش آویں اُن کے متعلق اگر علماء میں اختلاف ہو تو جو علماء کسی جماعت میں باضابطہ شریک نہ ہوں ان سے استفتاء کیا جائے اور ان میں بھی اگر اختلاف ہو تو شرعاً دونوں شقوں میں گنجائش سمجھی جاوے اور دونوں شقوں میں سے مدبروں کے نزدیک جو مصلحت ہو اس پر عمل کیا جاوے۔

اور جو علماء باضابطہ کسی جماعت میں شریک نہ ہوں وہ بھی بیکار نہ رہیں بلکہ وہ اس سے اہم خدمت میں مشغول رہیں اور وہ خدمت بندگانِ خدا کو احکام شرعیہ کی تعلیم و ترغیب دینے کی ہے جو مشترک طریقہ ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا،

بلکہ پہلی قسم کے علماء کو بھی جتنا وقت مسلم لیگ کی خدمت سے بچے اس اشاعت احکام میں حصہ لینا ضروری ہے۔ پس اس تفصیل سے بقاعدۂ تقسیم عمل (جو آیت "وما کان المؤمنون لینفروا کافة فلولا نفر من کل فوقة منهم طائفة لیتفقهو فی الدین" سے بھی ماخوذ ہے) سب کو اپنے کام میں مشغول ہو جانا چاہیے، پھر اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ وعدۂ الٰہیہ "ان اللہ لایضیع اجر المحسنین" (سورۂ ہود) "وانا لا نضیع اجر المصلحین" (سورۂ اعراف) کا ظہور ہوگا۔

اور اس کی بھی ضرورت ہے کہ ہیئت مذکور اس تنظیم کو ہمیشہ ہمیشہ مستقلاً جاری و باقی رکھیں کیونکہ اس کے ثمرہ کی تو ہمیشہ ہی حاجت ہے۔ یہ تو خلاصہ ہے ہمارے انتظام کا باقی دوسروں کے ساتھ معاملہ سو اس انتظام کے بعد اگر کانگریس مسلم لیگ سے صلح کی طرف مائل ہو تو حسب ارشاد "وان جنحوا للمسلم فاجتح لها" اس سے اُصول شرعیہ کے موافق تیقظ و تدبر کے ساتھ اہل تجربہ و اہل علم و اہل فہم کے مشورہ سے صلح رکھیں، مگر اپنی تنظیم مذکور کو اس وقت بھی قوت و استقلال کے ساتھ قائم رکھیں اس کو کمزور نہ کریں اور نہ کانگریس میں مدغم کریں کہ یہ شرع اور تجربہ دونوں کے اعتبار سے نہایت مضر ہے اور بالفرض اگر مسلم لیگ کی اِصلاح کے قبل یا بعد اور کوئی جماعت مسلمہ منتظمہ صاحب قوت صاحب اثر تیار ہو جاوے اس صورت میں مسلم لیگ اور وہ جماعت دونوں اتحاد و اشتراک کے ساتھ کام کریں تاکہ مسلمانوں میں افتراق و تشتت نہ ہو، اور ان سب حالات میں قولاً وفعلاً وحالاً وتقریراً وتحریراً موافق ومخالف ہر ایک کے ساتھ اَخلاق اسلامی کو اپنا شعار رکھیں۔ جیسا ارشاد ہے:

"وقل لعبادی یقولوا التی هی احسن وغیرها من الأیات"

خلاصہ دستور العمل یہ ہے کہ از خود نہ کسی سے آویزش کی ضرورت نہ آمیزش کی ضرورت، رضائے حق کو مطمح نظر رکھ کر اپنے کام میں لگے رہیں اور اس رضا کی شرط یہ ہے کہ ہر کام میں اس کا پورا لحاظ رکھیں کہ کوئی امر خلاف شرع نہ ہونے پاوے، یہی

عبدیت کی روح اور حیات مسلم کی اصل الاصول ہے اور اس استقلال واستقامت کے ساتھ ہی دُعاء وابتہال کو اصل وظیفہ وتدبیر سمجھیں اور پھر نصرتِ حق کے منتظر رہیں، اب اس تحریر کو بزرگوں کی ایک نافع وصیت اور دو جامع دُعاؤں پر ختم کرتا ہوں، یہ دُعائیں بھی وردِ رکھنے کے قابل ہیں خصوص بعد نماز۔

وصیت

کارکن کاربگذر از گفتار کاندریں راہ کار باید کار

دُعائے اوّل

"اللّٰهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه والباطل باطلا وارزقنا اجتنابه"

دُعائے ثانی

"اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلّم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلّم ولا تجعلنا منهم"

نوٹ نمبر ۱: اس جواب میں میں نے اپنے مزید اطمینان کے واسطے احتیاطاً اپنی جماعت کے متعدد محقق علماء سے بھی مشورہ کرلیا ہے، ان سب نے بھی اس سے اپنی موافقت کا اظہار فرمایا۔........ **نمبر۲:** یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالات بدل جائیں تو حکم بھی بدل جائے گا۔

نمبر ۳: جو صاحب اس مضمون کو شائع کرنا چاہیں وہ اس کا خلاصہ شائع نہ کریں بلکہ بجنسہ پورا مضمون شائع کریں، خلاصہ کرنے میں بہت سی فروگذاشتیں اور نیز غلط فہمیاں ہوجاتی ہیں اور اگر کسی کو کسی کے شائع کردہ مضمون میں کچھ کمی بیشی کا شبہ ہو تو تھانہ بھون کے ماہوار رسالہ النور بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ سے مقابلہ کرلیں کہ اس رسالہ میں میرا یہ مضمون بعینہ پورا چھپا ہے۔ والسلام خیر ختام مقام تھانہ بھون

۱۹ ذی الحجہ ۵۶ھ مطابق ۱۰ فروری ۳۸ء (النور ص ۱۳ ذیقعدہ ۵۶ھ)

اَلطَّرِیْقُ الْاُمَمُ فِیْ شَرَائِطِ اِتِّحَادِ الْاُمَمِ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِی التَّھَانَوِیْ

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

کانگریس اور مسلم لیگ میں سے کس جماعت کے ساتھ
اتحاد کرنا مناسب ہے؟ اور اتحاد کی شرائط کیا ہے؟
اس مضمون پر مشتمل یہ رسالہ شوال ۱۳۵۸ھ میں تحریر فرمایا

اَلطَّرِیْقُ الْاُمَمُ فِیْ شَرَائِطِ اِتِّحَادِ الْاُمَمِ

(بالفتح الوسط کذا فی القاموس ای المستقیم ۱۲)

رسالہ متعلق کانگریس

بعد الحمد و الصلوٰۃ! آج کل کانگریس کے ساتھ بعضے مسلمانوں کا اتحاد مسئلہ زیر بحث ہورہا ہے، حالانکہ جس ہیئت سے یہ اتحاد ہورہا ہے وہ محل بحث نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اس کے مفاسد بین اور مشاہد ہیں جن کا اقتضاء شرعی قواعد سے ظاہر ہے، کہ اگر یہ اتحاد فی نفسہٖ جائز بھی ہوتا تب بھی بوجہ لزوم مفاسد کے ناجائز ہوتا۔

جیسا کہ بہت سے فروع اسی اصل پر مرتب ہیں حتیٰ کہ مباح سے بڑھ کر مستحبات تک پر اس عارض لزوم مفاسد بلکہ ایہام مفاسد کے سبب بھی عدم جواز کا حکم کردیا جاتا ہے لیکن یہاں تو اس عارض کے علاوہ بعض ضروری شرائط کے فقدان کے سبب یہ اتحاد فی نفسہٖ بھی ناجائز ہے اوران شرائط میں شرط اعظم یہ ہے کہ اس میں اسلام کا حکم غالب ہو، اور غیر مسلم قوم حکم اسلام کے تابع رہیں، جیسا کہ سیر کبیر وغیرہ کتب مذہب میں یہ شرط مصرح ہے، مگراسمیں بعض اہل علم نے جواس اتحاد کے حامی ہیں ایک نئی ایجاد یہ کی کہ جب احکام فقہ میں اس کی گنجائش نہیں پائی تو بعض روایات حدیثیہ سے استدلال کرنا شروع کیا، اوراس کونئی ایجاد کی وجہ سے کہا گیا۔

ایک اس لئے کہ یہ ایک قسم کا اجتہاد ہے جس کا بوجہ فقدان اوصاف اجتہاد ہم کو حق نہیں۔ دوسرے اس لئے کہ وہ روایات ہنوز محتاج توثیق ہیں جس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ تیسرے اس لئے کہ ان روایات میں خود ایسے قیود ہیں جو مانع استدلال ہیں،

چونکہ دو امر سابق کا بار اثبات مستدلین کے ذمہ ہے اس لئے ہم اس کے تو منتظر ہیں البتہ امر ثالث میں قیود کے ہم مدعی ہیں، اسلئے وہ روایت مع القیود جس کو ایک ثقہ عالم نے سیرت ابن ہشام سے اور اس روایت کے متعلق ایک درایت روض انف سے نقل کر کے میرے پاس بھیجی، بعینہ ان کی عبارت میں ذکر کرتا ہوں۔ وھی ھذہ

یہاں آ کر میں نے سیرت ابن ہشام کی مراجعت کی، اس میں یہ عبارت ہے۔

وان علی الیھود نفقتھم وعلی المسلمین نفقتھم وان بینھم النصر علی من حارب اھل ھذہ الصحیفة الی ان قال وانہ ماکان بین اھل ھذہ الصحیفہ من حدث او اشتجار یخاف فسادہ فان مردہ الی اللہ عزوجل والی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(سیرۃ ابن ہشام علے ہامش الروض الانف، ص ۱۷، ج ۲)

عہد نامہ کے شروع میں یہ الفاظ ہیں۔

ھذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المومنین والمسلمین من قریش ویثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم انھم امة واحدة من دون الناس الخ (ص ۱۷)... درمیان میں ہے۔ **وان المومنین بعضھم موالی بعض دون الناس وانہ من تبعنا من الیھود فان لہ النصر والاسوة غیر مظلومین ولامتناصرین علیھم** (ص ۱۷)

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ معاہدہ کے دو فریق مسلمین اور یہود ہیں، لیکن اول متبوع ثانی بطور تابع (کما دل علیہ من تبعنا من الیھود اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور ایک حاکم مسلمہ فریقین کے ہیں گویا یہ معاہدہ اس نوع کا ہے جو اہل اسلام اور ذمیین میں ہوتا ہے، لیکن اس وقت کے احوال خصوصی کی وجہ سے ذمیین کے ساتھ بالکل ویسا معاملہ نہیں ہوسکتا تھا جو اس کے بعد ان کے حق میں قرار پایا، اس لئے سہیلی نے اس جگہ ابو عبیدہ کا یہ جملہ نقل کیا ہے۔

قال ابو عبیدہ فی کتاب الاموال انما کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھٰذا الکتاب قبل ان تفرض الجزیۃ اذا کان الاسلام ضعیفا قال وکان للیھود اذ ذاک نصیب فی المغنم اذا قاتلوا مع المسلمین کما شرط علیھم فی ھذا الکتاب النفقۃ معھم فی الحروب (الروض ص ۱۴)

اب ملاحظہ فرمالیا جاوے کہ یہ قیود اس اتحاد حاضر میں کہاں ہیں، اس لئے اس اتحاد کا جواز بھی اس روایت سے ثابت نہیں، یہاں تک مقصود کی تقریر تو ہوگئی، اس کے بعد ضمیمہ کے طور پر بمناسبت مقام مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد کا حکم بھی لکھتا ہوں، خصوص اس وجہ سے بھی کہ بعض حضرات کانگریس کے مفاسد کے جواب میں اکثر اہل مسلم لیگ کے بعض اعمال دینیہ کی کوتاہیاں پیش کر کے بطور الزام کے ان کوتاہیوں کو اس کے ساتھ اتحاد کرنے کے جواز سے مانع قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ کہاں اصل ایمان کا فقدان کہاں فروع اعمال کا نقصان۔ تو ایک کا قیاس دوسرے پر محض فاسد اور قیاس مع الفارق ہے، خصوص جبکہ اس دوسرے نقصان کی اصلاح کی توقع بھی قریب ہو، چنانچہ اس کی کوشش شروع بھی ہوگئی ہے۔ (اللہ تعالیٰ سے میں بھی دعا کرتا ہوں اور دوسرے مسلمان بھائیوں سے بھی دعا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو کامیاب فرماوے) پس اس قیاس کے جواب کے لئے اول تو اس کے فساد کا ظہور ہی کافی ہے، کماذکر، مگر تبرعاً اس کے متعلق ایک مذہبی روایت بھی شرح سیر سے نقل کرتا ہوں۔ وہی ہٰذہ

وفی شرح السیر ولا باس بان یقاتل المسلمون من اھل العدل مع الخوارج، المشرکین من اھل الحرب لانھم یقاتلون الاٰن لدفع فتنۃ الکفر فھٰذا قتال علی الوجہ الماموربہ وھو اعلاء کلمۃ اللہ تعالیٰ، بخلاف ماسبق فالقتال ھناک لاظھار ماھو مائل عن طرق الحق وھھنا لاثبات اصل الطریق ۱۵ ص ۲۴۱، ج۳

اور ظاہر ہے کہ اہل مسلم لیگ کی کوتاہیاں خوارج کی بددینی کے درجہ تک تو نہیں،

پھر جب کفار کے مقابلہ کیلئے خوارج کے ساتھ اشتراک عمل جائز ہے تو مسلم لیگ کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ پس اس تحریر سے کانگریس اور مسلم لیگ کی حقیقت اور حکم میں صاف فرق ظاہر ہوگیا، اگر اس پر بھی کوئی شخص اپنے قیاس فاسد پر اصرار کرے تو تفریحاً و تبرکاً اس کے سامنے مولانا رومی کا ارشاد ملخصاً پیش کردیا جاوے۔

بود بقالے مرا ورا طوطئے ۔۔۔ خوش نو اوسبز و گویا طوطئے
خواجہ روزے سوئے خانہ رفتہ بود ۔۔۔ بردکاں طوطی نگہبانی نمود
گربۂ برجست ناگہ از دکاں ۔۔۔ بہر موشے طوطیک از بیم جاں
جست از صدرِ دکاں سوئے گریخت ۔۔۔ شیشہ ہائے روغن بادام ریخت
از سوئے خانہ بیامد خواجہ اش ۔۔۔ بردکاں بنشست فارغ شاد وخوش
دید پر روغن دکاں وجاش چرب ۔۔۔ برسرش زد گشت طوطی کل ز ضرب
روز کے چندے سخن کوتاہ کرد ۔۔۔ مرد بقال از ندامت آہ کرد
بعد سہ روز وسہ شب حیران وزار ۔۔۔ بردکان بنشستہ بدنو میدوار
باہزاراں غصہ و غم گشتہ جفت ۔۔۔ کاے عجب ایں مرغ کے آید بگفت
تاگہانے جو بقے میگذشت ۔۔۔ باسرے موبساں چاوس طشت
طوطی اندر گفت آمد در زماں ۔۔۔ بانگ بروے زد بگفتش ندعیاں
گرچہ اے کل باکلاں آمیختی ۔۔۔ تو مگر از شیشہ روغن ریختی
از قیاسش خندہ آمد خلق را ۔۔۔ کوچو خود پنداشت صاحب دلق را

اُمید کہ باوجود مختصر ہونے کے یہ تحریر ان شاء اللہ تعالیٰ طالب منصف کے لئے کافی ہوجاوے گی۔ ولعلم المحیط عند اللہ، ونسئلہ توفیقہ وھداہ

اشرف علی ۔۔۔ تتمہ شہر شوال ۱۳۵۷ھ النور ص، شوال ۵۷ھ

❁❁❁

اسلام اور ترقی

حضرت حکیمُ الامت مُجدد المِلت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العُلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَولانا مُحمّد اَشرف علی التّھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں اس الزام کا جواب دیا گیا ہے کہ علماء ترقی سے روکتے ہیں؟
اس میں وضاحت فرمائی گئی ہے کہ ہر ترقی مقصود نہیں ہوتی۔
بعض شرعی ترقی مقصود ہوتی ہے۔ نیز غیر مسلموں کی تقلید کرنا عقلمندی نہیں۔

اسلام اور ترقی

بعد الحمد و الصلوٰۃ! لوگ کہتے ہیں کہ علمائے اسلام ترقی سے روکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں بلکہ عام طور پر لوگ تو عقلی طریقہ سے ترقی کو ضروری ثابت کرتے ہیں اور میں اسے شرعی فرض کہتا ہوں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (البقرہ ۱۴۸)

یعنی ہر قوم کیلئے قبلہ کی ایک جہت مقرر ہے جس کی طرف وہ منہ کرتی ہے تو تم ایک دوسرے سے بھلائیوں میں آگے بڑھو۔

ہم کو تو استباق یعنی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا حکم ہے اور یہی ترقی ہے تو ترقی کی ضرورت قرآن شریف سے ثابت ہے بلکہ فاستبقوا امر کا صیغہ ہے جو فرض ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ پس یہ کہا جائے کہ اسلام میں ترقی کرنا فرض ہے اب کس کی مجال ہے کہ ترقی سے روک سکے؟ لہٰذا علماء پر یہ الزام بالکل تہمت ہے۔ قرآنی فرض سے کون روک سکتا ہے؟ پس فرق اس قدر ہے کہ اور لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ دوسری قوموں کے قدم بقدم چل کر ترقی کرو اور علما یہ کہتے ہیں کہ جس طرح قرآن کہے اس طرح ترقی کرو۔

غیر قوموں کی تقلید

میں یہ نہیں کہتا کہ جو تدبیریں یورپ اور غیر قوموں نے اختیار کی ہیں ان کا دنیاوی کامیابی میں کوئی اثر ہی نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمانوں کو ان تدبیروں

سے فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مسلمانوں کیلئے ان تدابیر کے اثر کرنے میں ایک رکاوٹ ہے اور وہ رکاوٹ ان کا گناہ اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے اور یہ رکاوٹ کافروں میں نہیں ہے کیونکہ ان پر جزئی عملوں کی ذمہ داری نہیں۔ ان پر تو ایمان لانے کی ذمہ داری ہے اور ایمان نہ لانے پر اور کفر کرنے پر ہی ایسا سخت عذاب ہوگا جس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ باقی عملوں کی ان سے پوچھ نہ ہوگی' نہ ان کو سزا ملے گی اور مسلمانوں سے الحمدللہ کفر کا عذاب ہٹا ہوا ہے۔ ان سے تو عملوں پر پوچھ ہوگی۔

جب یہ ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہیں تو ان کو کامیابی ہوا نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ ان تدبیروں میں سے اثر کو دور کر دیتے ہیں تا کہ اس مخالفت کی سزا دنیا ہی میں بھگت لیں۔ ہر قوم کی ترقی اور کامیابی کا طریقہ الگ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو فائدہ دے وہ سب کو ہی فائدہ دے اور اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ تدبیریں ہمیں بھی فائدہ دیں گی تب بھی خداوندی احکام کی پیروی فرض ہے اور ان ناجائز تدبیروں کا اختیار کرنا ہرگز روا نہ ہوگا۔

دیکھئے شراب' جوئے اور سود میں بھی نفع ہے۔ خود ارشاد عزوجل ہے:

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. (البقرہ ۲۱۹)

کہہ دیجئے شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو کچھ فائدے بھی ہیں۔

لیکن ایسے فائدے کو لے کر کیا کریں جس میں خدا تعالیٰ کا غضب بھی ملا ہوا ہے۔ لوگ تدبیر بھی کرتے ہیں شریعت کے خلاف اور پھر چاہتے یہ ہیں کہ علما ساتھ دیں اور وہ فائدہ ہی کہاں ہوا جس میں خدا تعالیٰ کا غضب نازل اور دین و دنیا دونوں کی تباہی ہو۔ اس لئے مسلمانوں میں ان تدبیروں سے ترقی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اور تنزل ہوگا اور ہوتا جا رہا ہے۔

ترقی کی قسمیں

ترقی اچھی باتوں میں بھی ہوتی ہے اور بری میں بھی۔ مگر بھلائیوں میں تو ترقی

کوشش کر کے حاصل کرنے کے قابل ہے اور برائیوں میں نہیں۔ ورنہ ایک ڈاکو کو بھی یہ کہنے کا حق ہے کہ مجھے ڈاکہ سے کیوں منع کیا جاتا ہے۔ میں تو ترقی کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ اسی طرح ہر دھوکہ باز کو‘ چور کو‘ گرہ کٹ کو‘ کفن چور کو‘ رشوت لینے والے کو‘ سود خور کو‘ سٹہ باز کو غرض ہر بدمعاش کو یہ کہنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس لئے بھلائیوں میں تو ترقی‘ ترقی ہے اور برائی میں ترقی بری ہے۔ پس اب جس ترقی کو اور لوگ کہتے ہیں یا تو وہ اس کا بھلا ہونا ثابت کر دیں یا جس ترقی کو علمائے اسلام کہتے ہیں ہم اس کا بھلا ہونا ثابت کر دیں خود ترقی کرنا تو ضروری اور فرض ہے مگر ان طریقوں نے ترقی کو برائی میں ترقی کرنا بنا دیا ہے (جو درحقیقت بجائے ترقی کے تنزل ہے)۔

اَسلاف کی ترقی اور موجودہ ترقی

موجودہ ترقی کا حاصل تو حرص ہے اور شریعت نے حرص کی جڑ ہی کاٹ دی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھے۔ کہیں ایسے خیال کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کی تعلیم فرمائی نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں کوئی ایسا واقعہ ہے۔

ان سب کی ترقی تو دین کی ترقی تھی۔ اگرچہ اس کے ساتھ ہی دنیا کی بھی وہ ترقی ملی کہ آج لوگوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں۔ لیکن مقصود صرف دینی ترقی تھی۔

چنانچہ ان کی اس شان کو خود خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (الحج ۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دے دیں تو یہ نماز ادا کرتے رہا کریں‘ زکوٰۃ دیتے رہا کریں اور بھلائیوں کا حکم اور برائیوں سے روک ٹوک کرتے رہا کریں۔

ہے ترقی کے بعد ان کے خیالات کا نقشہ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

مالی ترقی

جس ترقی کو لوگ ترقی کہتے ہیں اس کے تین حصے ہیں۔ مال' عزت' حکومت۔ آج کل دوسری قوموں کے سامان عیش دیکھ کر مسلمانوں کی رال ٹپکتی ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ بھلائی اور سلامتی اسی میں ہے کہ ان کو دنیا زیادہ نہ ملے۔ اگر ہم کو مال زیادہ دیا جاتا تو رات دن دنیا ہی کی فکر میں رہتے۔ آخرت سے بالکل غافل ہو جاتے۔

اس پر شاید یہ شبہ ہو کہ ہماری نیت تو یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم کو سامان زیادہ دیں تو خوب نیک کام کریں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خوب خرچ کریں تو یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ کو کیا خبر ہے کہ اس وقت آپ کے جو جو ارادے اور نیتیں ہیں زیادہ مال ملنے کے بعد بھی یہ باقی رہیں گی یا نہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کون نیک نیت ہوگا مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تمہاری کیا حالت ہوگی؟ جبکہ میرے بعد سلطنتیں اور شہر فتح ہوں گے اور تمہارے پاس زیادتی کے ساتھ مال وسامان' غلام اور نوکر ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: اس وقت ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے واسطے فارغ ہو جائیں گے۔

نتفرغ للعبادة ونكفى المؤنة

ہم عبادت کیلئے فارغ ہو جائیں گے اور مشقت سے بچ جائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری یہی حالت اچھی ہے جو آج کل ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے زیادہ مال پسند نہیں کیا۔ حالانکہ حضرات نے واقعی زیادہ سامان ہونے پر عبادت میں پہلے سے زیادہ ترقی کی ہے اور دنیا میں نہیں گھسے تو اوروں کیلئے کب پسند فرمائیں گے۔ اس لئے مسلمانوں کو دوسری قوموں کا مال دیکھ کر رال نہ ٹپکانا چاہئے۔

اولئک عجلت لهم طیباتهم فی الحیاة الدنیا

یہ لوگ تو وہ ہیں جن کو ان کی نعمتیں دنیاوی زندگی ہی میں دے دی گئی ہیں۔

آخرت میں تو کافروں کیلئے عذاب ہی عذاب ہے اور مسلمانوں کے واسطے تو راحت جنت میں ہے۔ دنیا میں تو مسلمانوں کو اتنی ترقی چاہئے کہ پیٹ بھر کر روٹی مل جائے ستر ڈھانکنے کیلئے کپڑا اور رہنے کو مختصر سا مکان اور اتنا الحمدللہ بہت مسلمانوں کو حاصل ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اتنا بھی حاصل نہ تھا۔ ہم تو بادشاہ ہیں۔

ارشاد نبوی ہے: من اصبح معافی فی جسده امنا فی سربه' عنده قوت یومه فکأنما حیزت له الدنیا بحذا فیرها

یعنی جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ بدن میں صحت ہو' دل میں بے فکری ہو' ایک دن کا کھانا اس کے پاس ہو تو گویا اس کو تمام دنیا مل گئی۔

غرض حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ بعض لوگوں کو غریب رکھتے ہیں۔ ان کو کیا خبر ہے کہ امیر ہونے کے بعد وہ کیسے ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نیک نیت عطا فرما دیتے ہیں۔ یہی ان کے درجے بلند کرنے کیلئے کافی ہے۔

خود ارشاد ہے: قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ (البقرہ ۲۶۳)

اچھی اچھی باتیں اور معافی دے دینا ایسے صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد احسان جتانے کی تکلیف ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے بردبار ہے۔

جس کے پاس مال نہیں وہ نیک نیت اور نیک باتوں سے ثواب حاصل کرسکتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

شاید کوئی یہ کہے کہ قرآن شریف میں ہے وانه لحب الخیر لشدید (العادیات ۸)

بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ (البقرۃ:۱۸۰)

تم پر ضروری کی گئی ہے وصیت جب کسی کو موت آنے لگے اگر وہ مال چھوڑ دے۔

یہاں مال کو "خیر" فرمایا ہے لہٰذا مال کی ترقی بھی خیر اور بھلائی میں ترقی ہوئی اور فاستبقوا الخیرات (یعنی بھلائیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو) میں یہ بھی آ گئی۔

جواب یہ ہے کہ فاستبقوا الخیرات میں مطلق خیر مراد ہے یعنی جو ہر طرح بھلائی ہی بھلائی ہو اور مال ہر طرح بھلائی نہیں۔ اس کی بھلائی ہونے کی بہت سی شرطیں ہیں جن کی رعایت نہیں کی جاتی۔ اس لئے مالی ترقی کو بھلائی میں ترقی نہیں کہہ سکتے اور جس درجہ میں مال بھلائی ہے اس درجہ ترقی کو ہم بھی نہیں روکتے۔ جائز بلکہ فرض کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **كسب الحلال فريضة بعد الفريضة** یعنی حلال مال کمانا اور فرضوں کے بعد فرض ہے۔

عزت کی ترقی

حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون ۸)

یعنی اللہ ہی کیلئے ہے عزت اور اس کے رسول کیلئے اور مسلمانوں کیلئے۔

بھلا جس شخص کا آیت پر ایمان ہوگا وہ عزت حاصل کرنے سے کیسے روکے گا۔ علما صرف طریق ترقی پر اعتراض کرتے ہیں کہ کلکتہ کا ٹکٹ لے کر جانے سے پشاور نہیں پہنچ سکتے۔ جو طریقے لوگ کہتے ہیں وہ غلط ہیں صحیح طریقہ وہ ہے جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے مگر اس طریق کی تحقیق کیلئے پہلے یہ سمجھتے کہ

الف: عزت حاصل کرنے کی غرض کیا ہے؟ ب: اور وہ کیوں ضروری ہے؟

لوگ جو ترقی و عزت چاہتے ہیں اس کی غرض محض بڑا بننا ہے مگر اس کی اصلی وجہ بیان کرتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ عقلی طریقہ پر انسان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے نفع حاصل کرنا اور ضرر سے بچنا، آدمی جو کچھ کرتا ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ یا نفع حاصل کرتا ہے یا ضرر

سے بچنا ہے۔ مثلاً کھانا کھاتا ہے تو اس لئے کہ بھوک کے ضرر سے بچے اور قوت کا فائدہ حاصل کرے۔ دوا کرتا ہے تو اس لئے کہ بیماری کے ضرر سے بچے اور تندرستی کا فائدہ حاصل کرے۔ غرض جو کچھ کرتا ہے یا فائدہ حاصل کرنے کیلئے یا ضرر سے بچنے کیلئے۔

دوسری بات یہ سمجھئے کہ ضروری چیزوں کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہیں اور اس کا طریقہ مال اور عزت کا حاصل ہونا ہے کہ مال تو فائدہ حاصل کرنے کیلئے ہے اور عزت ضرر سے بچانے کیلئے اور اگر عزت کبھی خطرہ کا سبب ہوتی ہے جیسے بڑے آدمیوں کے کچھ دشمن بھی ہو جاتے ہیں تو وہ عزت کی کمی اور کسی نہ کسی حد کے اندر ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے ورنہ عزت تو بچاؤ ہی کی چیز ہے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ کا کوئی کچھ نہیں کرسکتا کیونکہ غلبہ اور عزت بے حد وانتہا ہے تاہم۔ عزت ہی ایسی چیز ہے جو آدمی کو بہت سی مصیبتوں اور خطروں سے بچاتی ہے۔ مثلاً اب ہم اطمینان سے بیٹھے ہیں کوئی ہم کو ذلیل نہیں کرسکتا۔ بیگار میں نہیں پکڑ سکتا۔ غرض عزت کی غرض ضرر سے بچنا ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عزت اور مال دونوں پسندیدہ اور حاصل کرنے کے قابل ہیں بشرطیکہ طریقہ سے ہوں۔ شریعت کی حد میں رہ کر ہوں اور جو لوگ مال اور عزت حاصل کرنے کو برا کہتے ہیں۔ ان کا مطلب مال کی محبت اور عزت کی محبت سے منع کرتا ہے اور محبت بھی اسی جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو کہ ان کی ہوس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے۔

خود ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (التوبۃ۲۴)

فرما دیجئے! اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں کنبے اور وہ مال جن کو تم نے کمایا ہے اور تجارت جس کے رک جانے سے تم ڈرتے ہو اور گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم یعنی عذاب لائیں۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ مال و عزت کی محبت اور وہ بھی اتنی بڑھی ہوئی جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اور ان کے مقابلہ میں شریعت کی پرواہ نہ رہے۔ مال اور آبرو کی اتنی حفاظت کہ دین رہے یا جائے مگر بات نہ جائے یہ برا ہے اور بہت برا ہے۔

حکومت کی ترقی

لوگ علما کو کہتے ہیں کہ تم کو سیاست کی کچھ خبر نہیں۔ یہ وقت جائز و ناجائز کے سوال کا نہیں۔ اب تو جس طرح ہو حکومت کی ترقی ہونا چاہئے یعنی ہم کو جس قدر حکومت حاصل ہے اس میں اور ترقی کرنا چاہئے۔

لیکن افسوس! ان لوگوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ شریعت میں خود حکومت مقصود ہی نہیں بلکہ ملاناپن مقصود ہے اور سلطنت و حکومت سے بھی ملاناپن پھیلانا ہی مقصود ہے کہ جو ایمان سے محروم ہیں۔ ان کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا جائے یا اپنے میں ملا کر رکھا جائے کہ وہ ایمان اور شریعت کے نور کو دیکھیں اور اپنی آنکھیں کھولیں۔ حکومت سے تو صحابہ میں بھی یہ ملاناپن پسند فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج ۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں قبضہ دیدیں تو یہ نماز پڑھتے رہا کریں۔ زکوٰۃ دیتے رہا کریں اور بھلائی کا حکم اور برائی سے روک ٹوک کرتے رہا کریں۔

حاصل یہ ہے کہ مال، عزت، حکومت تینوں کی ترقی میں خود ان ہی کی ترقی تو

زیادہ پسند نہیں، ہاں اگر دینداری کی ترقی مقصود ہو تو یہ سلف کی ترقی کے موافق ہوگی اور اسی سے تینوں ترقیاں شریعت کی حد میں رہ کر ہوں جن سے کسی حکم کے خلاف نہ لازم آئے۔ تب تو بھلائی میں ترقی ہے ورنہ پھر برائی کی ترقی ہے اور بہت بری اور خالص حرص ہے تو یہ سمجھئے کہ لوگوں نے حرص کا نام ترقی رکھ لیا ہے تا کہ یہ عیب چھپا رہے اور پھر اس کی کبھی اصلاح بھی نہ ہو سکے۔

غیر قوموں کی ترقی کا اصلی راز اور ترقی کے اِسلامی اُصول

مسلمانوں کے لیڈر بار بار اس میں غور کرتے ہیں کہ دوسری قوموں کی ترقی کا راز کیا ہے؟ مگر اب تک حقیقت تک کوئی نہیں پہنچا۔ کسی نے یہ کہہ دیا کہ یہ لوگ سود لیتے ہیں اس وجہ سے ان کو ترقی ہو رہی ہے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اگر سود میں ترقی کا اثر ہوتا تو چاہئے تھا کہ مسلمانوں میں سے جو لوگ سود کے گناہ میں مبتلا ہیں ان کو بھی ترقی ہوتی۔ حالانکہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں وہ کچھ بھی ترقی پائے ہوئے نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت میں چونکہ تجارت کی بعض صورتوں کو ناجائز کہا ہے اس لئے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے۔ مگر یہ بھی غلط ہے کیونکہ معاملوں میں شریعت کی حدود کے پابند کتنے تاجر ہیں؟ غالباً دو چار کے سوا کوئی نہ ملے گا تو پھر ان تاجروں کو ایسی ترقی کیوں نہیں ہوئی؟ یہ کون سے ناجائز معاملے چھوڑ دیتے ہیں؟

حاصل یہ ہے کہ دوسری قوموں کی دنیاوی ترقی دیکھ دیکھ کر مسلمانوں کے منہ میں پانی بھر آتا ہے تو وہ ان کی ہر حالت کو ترقی کا سبب سمجھنے لگتے ہیں اور پھر ان کو اختیار بھی کرنے لگتے ہیں۔ دوسروں کو رغبت بھی دلانے لگتے ہیں۔ کبھی ان کی سی صورت اور وضع بناتے ہیں کہ اسی سے ترقی ہوگی، کبھی عورتوں کے پردہ کو اٹھا دینا چاہتے ہیں کہ یہی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ عورتیں آزاد ہوں گی تو علوم اور صنعت و حرفت سیکھیں گی۔ خود بھی ترقی کریں گی اولاد کو بھی ترقی کرائیں گی۔

لیکن یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ مسلمانوں میں بعض قوموں کی عورتیں پردہ نشین نہیں اور زیادہ تعداد ایسی غریب قوموں کی ہے جن میں ہمیشہ سے پردہ کا رواج نہیں تو اگر بے پردگی سے ہی ترقی ہوتی ہے تو ان قوموں نے کیوں نہ کر لی؟

معلوم ہوا کہ ایسی ایسی باتیں غیر قوموں کی ترقی کا سبب نہیں ورنہ اگر ان باتوں میں ترقی کا خاصہ ہوتا تو یہ جہاں جہاں پائی جاتیں وہاں ترقی بھی ہوتی مگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ ان باتوں میں ترقی کا خاصہ نہیں ہے۔ غیر قوموں کی ترقی کا اصلی سبب جو باتیں ہیں وہ دوسری ہیں۔ ان کی ایسی صفتیں ہیں جو انہوں نے آپ ہی کے گھر سے لے لی ہیں۔ جیسے منتظم ہونا' مستقل مزاج ہونا' وقت کا پابند ہونا' بردبار ہونا' انجام سوچ کر کام کرنا' صرف جوش سے کام نہ کرنا' ہوش سے کام لینا' آپس میں اتحاد و اتفاق کرنا اور یہ سب باتیں وہ ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے اور ان سب حکموں کا خاصہ ہے کہ ان کے اختیار کرنے سے ترقی ہوتی اور چھوڑ دینے سے ترقی والوں کی ترقی بھی خاک میں مل جاتی ہے۔ چاہے کوئی اختیار کرے اور کوئی چھوڑے۔

اب مسلمانوں نے تو ان حکموں کو چھوڑ دیا ہے کہ نہ ان میں اتحاد و اتفاق ہے نہ راز داری کا مادہ ہے' نہ انتظام ہے' نہ وقت کی پابندی ہے' نہ انجام سوچ کر کام کرتے ہیں اور جو کام کرتے ہیں جوش سے کرتے ہیں' ہوش سے نہیں کرتے اس لئے ان کی ترقی جو ہو چکی تھی وہ بھی جاتی رہی۔ دوسری قوموں نے ان کے گھر سے چرا کر ان باتوں پر عمل شروع کر دیا تو ان حکموں کا جو خاصہ تھا یعنی ترقی ان میں ظاہر ہو گیا مگر یہ چوری ناتمام چوری ہے جیسے چور کو گھر کی سب چیزیں معلوم نہیں ہوتیں۔ اس کے ہاتھ وہی چیزیں لگتی ہیں جو ظاہر ہوتی ہیں دبے ہوئے خزانے ہاتھ نہیں لگتے۔ اس لئے ان کو بھی اس پارس کی پتھری کی جو آپ کے گھر میں تھی خبر نہیں ہوئی یا ہوئی مگر انہوں نے اسے بے کار سمجھ کر چھوڑ دیا کہ اس کی قدر تو واقف ہی کو ہوتی ہے۔ ناواقف اسے کیا

جان سکتا ہے۔ وہ پارس کی پتھری ایمان' توحید' اعتقاد رسالت' نماز' روزہ وغیرہ ہیں۔
افسوس! آپ کو اپنے گھر کی قدر نہیں' اگر آج آپ میں وہ صفتیں ہوتیں جو دوسری قوموں نے آپ سے لے لی ہیں تو اس پارس کی پتھری کے ساتھ مل کر آپ کو وہ ترقی ہوتی جو غیر قوموں کے خواب میں بھی کبھی نہ آئی ہوگی۔ آپ کو وہ عروج اور بلندی حاصل ہوتی جو آپ کے اسلاف کو حاصل تھی۔ ان سے کوئی آنکھ بھی نہ ملا سکتا تھا۔
افسوس! آج مسلمان یہ بھی نہیں سمجھتے کہ ان سب باتوں کو اور نماز روزہ کو ترقی میں دخل بھی ہے۔ اس صاف ارشاد پر نظر بھی نہیں رہی۔

وَعْدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا. يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا. وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○ (النور ۵۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو تم میں سے ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ ضرور ان کو ملک میں خلیفہ و بادشاہ بنائیں گے۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو بنایا اور ان کے دین کو جس کو ان کے واسطے تم سے پہلے لوگوں کو بنایا اور ان کے دین کو جس کو ان کے واسطے پسند فرمایا ہے قوت والا بنا دیں گے اور خوف کے بعد امن سے بدل دیں گے کہ وہ میری عبادت کریں اور شرک نہ کریں۔
کس قدر صاف طرز سے ان عملوں کا طریقہ بیان کیا ہے اور پھر ترقی کا وعدہ بھی فرمایا ہے کہ جس کے خلاف ہونے کا احتمال بھی نہیں کیا اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر ترقی کی ہوسکتی ہے۔ کہ جس کے ناکام ہونے کا وہم بھی نہ ہو۔ اس میں سو فیصدی کامیابی ہی کامیابی ہے۔
خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے اس کے خلاف نہ ہوگا۔ اس لئے اس تدبیر میں کامیابی یقینی ہے۔
افسوس! جس خزانہ کو چور نے ناواقف ہو کر یا بے کار سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ آج اس کی

قدر و قیمت سے خود گھر والے بھی واقف نہیں ہیں اور کس قدر بے قدری کر رکھی ہے کہ بعض کا کلمہ بھی درست نہیں' یا نماز ہی غائب' یا نمازی ہے تو سجدہ' رکوع یا قومہ غائب۔

یہ سب بے قدری اس واسطے ہے کہ نماز صرف ثواب کا کام سمجھ رکھا ہے۔ اس کے دنیا کے فائدے ان کو معلوم نہیں۔ بعض جاہل تو نماز روزہ کو ترقی سے روکنے والا سمجھتے ہیں۔

اگر ان کی حقیقت معلوم ہو جاتی اور یہ خبر ہو جاتی کہ ان عملوں کو ترقی میں اور حکومت ملنے میں بڑا دخل ہے تو پھر دیکھتے کہ مسلمان کس ذوق و شوق سے جوق در جوق نماز روزہ وغیرہ سب عملوں کو بجا لاتے گو اس نیت سے عمل کرنا اچھا نہیں' خلوص کے خلاف ہے۔ اصل مقصود خدا تعالیٰ کی رضا مندی ہونی چاہئے' یہ دنیا کے فائدے تو خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ غرض ترقی کے اسباب آپ کے گھر میں موجود ہیں اور آپ ہی کے گھر سے دوسروں نے چرائے ہیں۔ اسلامی تعلیمات جو نہایت زریں تعلیمات ہیں۔ افسوس! ہم مسلمانوں نے ان سب کو چھوڑ رکھا ہے پھر ترقی کس طرح ہو سکتی ہے؟

ایک کاشتکار کی ترقی کاشت کی ترقی سے ہوتی ہے۔ ملازم کی ترقی ملازمت کی ترقی سے ہوتی ہے۔ تاجر کی ترقی تجارت کی ترقی سے' صنعت و حرفت والے کی ترقی صنعت و حرفت کی ترقی سے ہوتی ہے۔ غرض ہر کام والے کی ترقی اس کے کام ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور جس قدر زیادہ ترقی اس کام میں ہوگی۔ اسی قدر وہ بھی ترقی والا' اہل کمال اور ساری دنیا میں عزت والا ہوگا تو پھر کیا مسلمان کی ترقی اسی سے نہ ہوگی کہ اس کے اسلام میں ترقی ہو اور اسلامیات میں اعتقادات عبادات' معاملات' اخلاق سب میں کمال درجہ کی ترقی ہو۔ بس ایک ہی اصول ہے ترقی کا۔

وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (آل عمران ۱۳۹)

تم ہی عالی اور ترقی والے ہو اگر پورے مسلمان بن جاؤ۔

مسلمانوں کو دوسروں میں عزت حاصل کرنے کا طریقہ ان کی ایک صفت کو

ارشاد فرمایا ہے۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (المائدہ ۵۴)

یعنی مسلمان مسلمانوں میں ذلیل اور کافروں پر غلبہ وعزت والے ہیں۔

تو جس قدر مسلمانوں کے ساتھ آپ اپنے آپ کو ذلیل رکھیں گے اسی قدر دوسروں کی نظر میں عزت ہوگی۔ یہ ایک زریں اصول ہے چند ہی روز عمل کر کے نتیجہ دیکھ لیا جائے گا کہ اسی سے کس قدر ترقی حاصل ہوتی ہے۔

حضرات صحابہ و تابعین اور اسلاف کو جس قدر ترقی حاصل ہوئی اس سے دنیا واقف ہے تو کیا ان حضرات نے سودی کاروبار کئے تھے؟ کیا ناجائز خرید وفروخت کی تھی؟ کیا پردہ اٹھایا تھا یا اور کوئی تدبیر جو آج کل کی غیر قوموں میں رواج پا رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی تدبیر کی تھی؟

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی نہ تھی' وہاں فقط وہی ایک تدبیر تھی جو قرآن شریف نے بتائی ہے۔ یعنی کمال ایمان' عقائد' اعمال' معاملات' اخلاق سب میں شریعت مطہرہ کی کامل فرمانبرداری' ہر مسلمان کیلئے ہیچ اور ذلیل بن جانا' جس میں ایثار' اتفاق' اتحاد' بردباری' انتظام' استقلال سب کچھ آ گیا ہے۔ بس یہی وہ نسخہ ہے جس سے مسلمانوں نے ہمیشہ وہم وخیال سے بھی زیادہ ترقیاں کی ہیں۔ یہ ہمیشہ کا تجربہ کیا ہوا دیکھا اور برتا ہوا نسخہ ہے اور پھر اس پر خدا تعالیٰ کا وعدہ بھی ترقی کا ہے۔

افسوس اس اکسیری نسخہ کو چھوڑ کر در بدر کی بھیک مانگی جا رہی ہے اور ناموافق مزاج نسخے استعمال کر کے نقصان اٹھایا جا رہا ہے۔ کاش! قوم کا درد رکھنے والے بزرگ ہر ہر جگہ اس کی انجمنیں اور کمیٹیاں قائم کریں اور لوگوں کو ایمان کامل کی طرف لایا جائے۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (المائدہ ۵۴)

کا درس دیا جائے پھر ترقی مال وعزت کی بلکہ حکومت تک آگے رکھی ہوئی ہے۔

فقط اشرف علی

تحقیقِ تعلیم انگریزی

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں انگریزی تعلیم کے متعلق مضمون ہے کہ
کس شخص کو یہ تعلیم حاصل کرنا درست ہے اور کس کو نہیں۔

تحقیق تعلیم انگریزی

بسم الله الرحمن الرحيم. الحمدلله رب العلمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على رسوله سيدنا محمد واله واصحابه اجمعين

اما بعد! ہمارے زمانے میں انگریزی تعلیم کی جواز و ناجواز کی نسبت اکثر گفتگو ہوتی ہے چونکہ اکثر جانبین کے دلائل ناکافی ہوتے ہیں۔ اس لئے بجائے قول فیصل نکلنے کے روزہ مرہ اختلاف ہی بڑھتا جاتا ہے اور کوئی قول محقق نہیں ہوتا۔

نظر بریں مناسب معلوم ہوا کہ اس میں قول فیصل اپنی رائے کے موافق عرض کیا جائے۔ اُمید ہے کہ منصف کیلئے کافی شافی ہوگا اور متعصب کیلئے تو کوئی تقریر کوئی تحریر کبھی کافی نہیں ہوئی اور نہ ہونے کی امید۔

اب قبل شروع مقصود چند مقدمات میں بطور قواعد کلیہ کے تمہیداً عرض کئے جاتے ہیں کہ تفہم مقصود میں آسانی ہو۔ وعلیہ نتوکل وبہ نستعین۔

مقدمہ اولیٰ

کسی شے کا قبیح ہونا دو طور پر ہوتا ہے۔ ایک قباحت لعینہٖ دوسری قباحت لغیرہٖ قباحت لعینہ کے یہ معنی کہ اس شے کی ذات میں قباحت اور برائی ہو کسی عارض اور خارج کی وجہ سے اس میں قباحت نہ آئی ہو۔ اس کی ذات میں قباحت ہونے کا یہ اثر ہوگا کہ وہ شے کبھی کسی طرح مباح نہ ہو سکے گی۔ جس طرح زنا سرقہ کہ ان کی ذات میں قباحت ہے کسی عارضی چیز کی وجہ سے قباحت نہیں آئی۔ یہاں تک کہ یہ کبھی کسی طرح محل اباحت

نہیں ہوسکتے۔قباحت لغیرہ کے یہ معنی کہ وہ شے اپنے نفس اورذات کے اعتبار سے تو قبیح نہیں ہے مگر اس میں کچھ خارجی عوارض ایسے لاحق ہوگئے ہیں جس سے وہ شے قابل اجازت نہ رہی۔جیسے اذان جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرنا یہاں بیع کے اندر فی نفسہ کچھ خرابی نہیں بلکہ اس میں بعض عوارض ایسے لاحق ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے یہ بیع ناجائز ہوگئی۔وہ عارض یہ ہے کہ اذان سنتے ہی جمعہ کی نماز کیلئے حاضر ہونا واجب ہے۔

بقوله تعالىٰ فاسعوا الى ذكر الله (الجمعۃ ۹) یعنی خدا کے ذکر کی طرف چلو۔

اوراذان جمعہ کے بعد اگر خرید وفروخت کی جائے گی تو حاضری جمعہ میں تاخیر ہوگی۔پس یہاں بیع میں قباحت اس عارض کی وجہ سے لاحق ہوگئی اور بیع قبیح وممنوع ٹھہری ورنہ خود بیع میں کچھ خرابی نہ تھی۔

مقدمہ ثانیہ

جوامر مفاسد کا ذریعہ بنے اگرچہ وہ امر مباح ہولیکن سبب ذریعہ مفاسد بننے کے حرام ہوجاتا ہے۔فقہاء نے تصریح کی ہے کہ غدر کرنے والوں کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا حرام ہے۔اگرچہ یہ بیع خود فعل مباح تھا لیکن چونکہ مفاسد کا ذریعہ بنا اور اس سے ایک فساد لازم آگیا اس لئے اب حرام ہوگیا۔

مقدمہ ثالثہ

دین صرف چند اعمال ظاہری مثل، نماز، روزہ حج، زکوۃ ہی کا نام نہیں بلکہ سب سے بڑھ کر جز عقائد کا ہے جس پر دارومدار نجات کا ہے کہ بغیر اس کے نجات غیر ممکن ہے ایک جز اس کا اخلاق حمیدہ ہیں کہ حسب تصریح محققین وہ بھی مثل نماز روزہ کے فرض ہے، وہ اخلاق یہ ہیں۔صبر وشکر واخلاص وتواضع وسخاوت وغیرہ پس اگر کوئی صرف ان چند اعمال ظاہری کو برتے اور نہ اس کے عقائد ٹھیک ہوں اور نہ اخلاق درست ہوں وہ ہرگز پورا مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔

مقدمہ رابعہ

جس دنیا کی مذمت قرآن مجید واحادیث صحیحہ میں موجود ہے اس کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں ایک حب مال دوسرے حب جاہ یعنی مال اور شان کا ایسا محبوب ہونا کہ اس کے مقابلہ میں دین کے ضائع ہوجانے کا صدمہ نہ ہو۔ یعنی اگر کسی فعل یا قول سے دین میں کمال ہوتا ہو لیکن مال وجاہ کو نقصان پہنچتا ہو یا مال وجاہ کی ترقی ہو لیکن دین کا تنزل ہوتا ہو تو وہاں مال وجاہ کو ترجیح دے اور دین کی کچھ پرواہ نہ کرے جن لوگوں نے قرآن و حدیث کو نظر ایمانی سے دیکھا ہے ان کے نزدیک یہ مقدمہ اجلیٰ البدیہیات سے ہے۔

مقدمہ خامسہ

شریعت کے احکام کا دارومدار حقیقت پر ہے نہ نام پر پس اگر کسی شے کا نام مکمل دیا جائے تو جب تک اس کی حقیقت نہ بدلے گی حکم نہ بدلے گا۔ مثلاً اگر کوئی شراب کو شربت یا زنا کو نکاح کہا کرے تو اس کا حکم نہ بدلے گا اور دونوں کا حکم یعنی حرمت باقی رہے گی۔

مقدمہ سادسہ

کسی شے پر حکم لگانا باعتبار غالب اور اکثر کے ہے ایک آدھ فرد کا اس سے نکل جانا اس حکم کے مخالف نہ کہلائے گا۔ مثلاً ایک مقدار خاص سنکھیا کی اکثر اوقات واکثر اشخاص کے اعتبار سے مہلک ہو سو فرضاً اگر کسی خاص وقت یا کسی خاص شخص کے اعتبار سے نوبت بہ ہلاک نہ پہنچائے۔ تب بھی اس مقدار پر اطبا مہلک ہی ہونے کا حکم لگائیں گے اور اس شاذ و نادر صورت کو کالعدم و ناقابل اعتبار سمجھیں گے۔ چنانچہ اسی مقام سے للاکثر حکم الکل اور النادر کالمعدوم مثل مشہور ہوگئی ہے۔ اپنے محاورات میں بھی اگر ذرا غور کر کے دیکھا جائے تو اس کی نظیریں بہت ملیں گی۔ مثلاً کسی قوم کو بہادر اور دلیر کہا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کا ہر فرد بہادر اور دلیر ہے اور کوئی شخص بھی اس قوم کا بزدل نہیں بلکہ سب سمجھتے ہیں کہ یہ حکم اس قوم کے اکثر افراد کے اعتبار سے ہے۔

مقدمہ سابعہ

کسی شے پر کسی خاص اثر کے ترتب کا حکم لگائیں گے یہ ضرور نہیں کہ اس کے اسباب بھی معلوم ہوں بلکہ مطلقاً حکم لگانے کیلئے مشاہدہ اور تجربہ بالکل کافی دلیل ہے۔ مثلاً مقناطیس پر یہ حکم لگانا کہ وہ لوہے کو کشش کرتا ہے۔ اس حکم کی صحت تکرار مشاہدہ و تجربہ سے بالکل قطعی اور یقینی ہے اگرچہ کشش کرنے کی علت اور سبب اب تک یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں ہوا بلکہ تجربہ اور مشاہدہ پر اس قدر وثوق کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ہمارے تجربہ کے خلاف دلیل قطعی سے ثابت کر دے تو اپنے تجربہ اور مشاہدہ کے مقابل اس کی دلیل نہ مانی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس دلیل کی غلطی اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اس لئے ضرور غلط ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص مقناطیس میں عدم الجذب دلیل سے ثابت کر دے۔ تاہم بمقابلہ مشاہدہ کے وہ دلیل بالکل ناقابل اعتبار ہوگی اور مجیب کو ان دلیلوں کا جواب دینا ضرور نہ ہوگا۔ بلکہ اس کو صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ چونکہ یہ دلیلیں مشاہدہ کے خلاف ہیں اس لئے غلط ہیں۔

مقدمہ ثامنہ

ہر شے قابل تحصیل دو قسم پر ہے۔ ایک مقصود لذاتہ جس کو مطلق مقصود بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے مقصود لغیرہ جس کا نام ضروری بھی رکھا جا سکتا ہے۔ مقصود لذاتہ کے یہ معنی کہ وہ شے خود مقصود ہے کسی دوسرے مقصود حاصل کرنے کیلئے وسیلہ اور ذریعہ نہیں ہے۔ مقصود لغیرہ اس کے برعکس ہے یعنی خود مقصود نہیں بلکہ ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ وہ مقصود کا ذریعہ ہے بغیر اس کے مقصود تک پہنچنا دشوار ہے سو مقصود لذاتہ کی تحصیل میں بس نہیں ہوتی اور مقصود لغیرہ (ضروری) میں جب قدر ضرورت حاصل ہو جائے گی۔ آگے روک دیا جاتا ہے۔ مثلاً غذا اور دوا کو لیجئے کہ غذا تو مقصود ہے اور دوا ضروری پس غذا تو تمام عمر کا شغل ہے اور دوا چونکہ ضرورت مرض سے ہے جب مرض نہ رہے گا دوا سے روک دیا جائے گا۔

مقدمہ تاسعہ

جس امر میں اہل الرائے اختلاف کریں حقیقت میں وہ اختلاف اس امر کے دلیل کے کسی مقدمہ میں ہوگا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ دلیل تو طرفین کو مسلم ہو اور پھر نتیجہ اور مدعیٰ میں مخالفت رہے سو وہ مقدمہ جس میں فی الحقیقت اختلاف ہے اگر مقدمہ شخصیہ (مقدمہ شخصیہ اس کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص شخص پر حکم کیا جائے جیسے زید کھڑا ہے یہ مقدمہ شخصیہ ہے کہ اس میں کھڑے ہونے کا حکم خاص زید ہی پر کیا گیا ہے اور مقدمہ کلیہ اس کے برعکس جیسے سب آدمی لکھتے ہیں کہ لکھنے کا حکم کسی آدمی پر نہیں کیا گیا بلکہ مطلقاً سب آدمی پر حکم ہے) ہے ایک شخص زید ایک آدمی کا نام رکھ کر کہتا ہے زید آدمی ہے اور جو آدمی ہے وہ لکھنے کی قابلیت رکھتا ہے اس لئے زید لکھنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ دوسرا زید گدھے کا نام رکھ کر زید گدھا ہے اور کوئی گدھا لکھ نہیں سکتا۔ اس لئے زید بھی لکھ نہیں سکتا۔ پس یہ اختلاف مقدمہ شخصیہ میں ہے کہ زید آیا واقع میں کسی آدمی کا نام ہے یا گدھے کا تو یہ اختلاف قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ ذرا سے غور کے بعد اختلاف اٹھایا جاسکتا ہے کہ اگر زید آدمی کا نام ہے تو پہلا قول صحیح ہے اور دوسرا یقیناً غلط اور اگر گدھے کا نام ہے تو دوسرا قول صحیح ہے اور اوّل غلط ہے ہاں اگر جو آدمی ہے وہ لکھنے کی قابلیت رکھتا ہے اس مقدمہ کلیہ میں کوئی اختلاف کرے اور کہے کہ ہر آدمی نہیں لکھ سکتا تو یہ اختلاف البتہ قابل اعتبار ہوگا۔ فافہم حق الفہم

مقدمہ عاشرہ

جو حکم کسی عارض کی وجہ سے کیا جاتا ہے اس حکم کا دارومدار اس عارض پر ہوتا ہے۔ پس اگر زمانہ کے اختلاف یا ملک کے تبدیل سے وہ عارض جاتا رہے تو وہ حکم بھی جاتا رہے گا۔

جب یہ مقدمات عشرہ ممہد ہو چکے اب بعونہ تعالیٰ مقصود کی طرف رجوع کیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ انگریزی اپنی ذات میں ایک زبان ہے اور باعتبار کورس متعارف کے چند

فنون وعلوم کا نام ہے۔ کسی زبان یا کسی فن علمی کا سیکھنا اپنی ذات میں ممنوع نہیں کہا جاتا لیکن مفاسد اور قبائح مل جانے سے ممنوع لغیرہ ہوسکتا ہے (بحکم مقدمہ اولی)

اور جب مفاسد اور قبائح مرتب ہونے لگیں باوجود اپنے اباحت اصلیہ کے قابل ممانعت ہو جائے گی۔ (بحکم مقدمہ ثانیہ)

اب ان آثار کو ملاحظہ فرمایئے جو اس وقت انگریزی تعلیم میں پیدا ہوتے ہیں۔ نماز وروزہ میں کاہلی بلکہ اعراض' عقائد دینیہ میں ضعف بلکہ تشویش وانکار' تکبر' نمائش' تصنع وتقلید کفار' دوسروں کو حقیر سمجھنا' دینداروں کو نظر مذلت سے دیکھنا یہ سب دین کی بربادی ہے کیونکہ امور مذکورہ اجزائے دین ہیں۔ (بحکم مقدمہ ثالثہ)

اور شب وروز دماغ میں ترقی مال اور حصول مناصب کی ہوسیں پکنا۔ ان کی تحصیل میں احکام شرعیہ کی ذرہ برابر بھی نظر میں وقعت نہ رہنا اور اس مقدمہ میں بے باکی آجانا اور یہی دنیا ہے جو اللہ اور رسول کے نزدیک مبغوض وملعون ہے۔ (بحکم مقدمہ رابعہ)

گو اس وقت اس دنیائے ملعونہ کا نام ہوسناکوں نے اولوالعزمی اور ترقی رکھا ہے مگر عنوان بدلنے سے معنون نہ بدلے گا نہ اس کا حکم بدلے گا۔ (بحکم مقدمہ خامسہ)

اور اگرچہ بعضے لوگوں میں یہ آثار نہیں پیدا ہوتے یا کم پیدا ہوتے ہیں۔ مگر شاید فیصدی مشکل سے دس آدمی اس سے محفوظ ہوں تو ہوں پس اس تخلف کو قابل اعتبار نہیں سمجھا جائے گا۔ (بحکم مقدمہ سادسہ)

اور ان آثار کی علت خواہ صحبت اہل الحاد کی ہو یا تعلیم دین کا اہتمام نہ ہونا قرار دیا جائے۔ خواہ خود بعض فنون کا خاصہ ہو جیسے سائنس وغیرہ یا مصنفین کے خیالات کا عکس ہو جو بذریعہ تصنیفات کے مخفی طور پر ناظرین کے قلب پر پڑتا ہے۔ مگر جب مشاہدہ سے ترتب آثار کا ثابت ہے اس بات کی تعیین نہ ہونا باعث تردد فی الحکم نہیں ہوسکتا بلکہ اگر کوئی شخص دلائل سے ان آثار کا لازمی نہ ہونا بھی ثابت کر دے مگر مشاہدہ

کو مکذب دلائل سمجھا جائے گا۔ (بحکم مقدمہ سابعہ)

البتہ جو شخص دنیا کی ضرورت سے پڑھنا چاہے (بشرطیکہ وہ ضرورت شرعاً بھی ضرورت سمجھی جائے اور اعلیٰ درجہ کے پاس اور ڈگریوں کا حاصل کرنا اور اس سے اعلیٰ درجہ کے عہدوں کا حاصل کرنا جس میں سرتا سر شریعت کی مخالفتیں کرنا پڑتی ہیں حد ضرورت سے خارج ہے) یا کسی دینی ضرورت سے پڑھے۔ مثلاً مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کیلئے یا مخالفوں کو اسلام کی دعوت کرنے کیلئے (اور یہ تو عنقا ہے) تو بقدر رفع ضرورت اجازت ہوگی اور اس سے آگے بندش۔ (بحکم مقدمہ ثامنہ)

اس تقریر سے صاحب انصاف کی تردید انگریزی تعلیم کے قبح میں ذرا بھی شک نہ رہا ہوگا۔ اگر کسی عالم مستند کا قول یا فتویٰ اس کے خلاف میں پایا جائے تو حقیقت میں یہ اختلاف ایک مقدمہ شخصی میں ہے نہ مقدمہ کلیہ میں یعنی اس مقام پر ہمارے دعوے کی دلیل میں دو مقدمے ہیں۔

اوّل یہ کہ انگریزی سے فلاں فلاں آثار قبیحہ پیدا ہوتے ہیں اور مقدمہ شخصیہ ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ جس چیز سے یہ آثار قبیحہ پیدا ہوں وہ قبیح ہے۔ یہ مقدمہ کلیہ ہے سو مقدمہ اولیٰ کوئی مسئلہ شرعی نہیں بلکہ ایک واقعہ کی تحقیق ہے جس میں اختلاف مشاہدہ و تجربہ سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے اور مشاہدہ و تجربہ سے ایک رائے کی غلطی کا معائنہ ہو سکتا ہے وہاں دوسرا مقدمہ مسئلہ شرعی ہے سو اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا پس ایسا اختلاف ہمارے دعویٰ مذکورہ کو مضر نہیں ہو سکتا۔ (بحکم مقدمہ تاسعہ)

البتہ اگر کسی خاص طریق سے ان آثار قبیحہ کا انسداد ہو جائے اور اس تعلیم کی مضرت اکثریہ کا دفعیہ ہو جائے تو اس وقت اس سے حکم قبیح کا اٹھ جائے گا گو حالت موجودہ سے تو اس کی امید بہت کم ہے۔ مگر قضیہ شرطیہ کے صدق میں کوئی کلام نہیں۔ (بحکم عاشرہ)

کتبہ: محمد اشرف علی تھانوی امدادی عفی عنہ

اخبار بینی

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

یہ اخبار بینی کا تحقیقی شرعی فتویٰ ہے
اس میں اخبار بینی کے مفاسد ذکر کیے گئے ہیں

اخبار بینی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعدالحمد والصلوۃ! اظہار مدعا کیا جاتا ہے کہ آج کل چونکہ طبائع میں اخبا بینی کا مذاق اس درجہ پھیل گیا ہے کہ وہ مثل غذا بلکہ غذا سے بھی زیادہ ہوگیا ہے کہ کر وقت بے غذا تو صبر بھی کر سکتے ہیں مگر بدون اخبار بینی کے صبر نہیں آتا اور اکثر اس میں ایسا انہماک ہوا ہے کہ کتب دینیہ کے مطالعہ کی طرف اصلاً التفات یا اس کی ضرورت ذہن میں بھی نہیں رہی اور اس شغف میں دین کا بھی نقصان ہے۔ جیسا کہ مجملاً معلوم ہوا اور مال کا بھی نقصان ہے کہ اکثر خرید کر دیکھتے ہیں یا دوسروں کو خریداری کی ترغیب دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ دوسرے بھائی کا نقصان بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنا نقصان اور وقت بھی ضائع جاتا ہے جو انسان کیلئے مال سے بڑھ کر متاع گراں مایہ ہے۔

ان مفاسد کو دیکھ کر بہ مشورہ بعض خیر خواہان اسلام اس کے متعلق حکم شرعی کا ظاہر کرنا مصلحت معلوم ہوا۔ پر جن لوگوں کے دلوں میں خود شرع ہی کی وقعت نہیں۔ ان سے تو امید قبول موہوم محض ہے۔ البتہ بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو شرع کو واجب الاتباع سمجھتے ہیں مگر ان کو کبھی یہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ ایسا اشتغال شرع کے خلاف ہے۔ ان سے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس تحریر سے منتفع ہوں گے۔

الآیات القرآنیہ

الآیۃ الاولیٰ: ولما جآء ھم رسول من عندا للہ مصدق لما معھم نبذ

فریق من الذین اوتوا الکتب کتب اللہ ورآء ظھورھم کانھم لا یعلمون واتبعوا ما تتلوا الشیطین علی ملک سلیمن. (البقرہ ۱۰۱، ۱۰۲)

۱۔ اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے (اور وہ) اس کتاب کی جوان (یہود) کے پاس ہے تصدیق بھی کرتے ہیں تو ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات) کو (جس میں ان رسول کی پیشین گوئی بھی ہے ایسا) پیٹھ پیچھے پھینکا کہ گویا ان کو کچھ خبر ہی نہیں اور ان (ڈھکوسلو) کے پیچھے پڑ گئے جن کو سلیمان کی عہد سلطنت میں شیاطین پڑھایا کرتے تھے۔

الآیۃ الثانیہ: انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضآء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون (المائدہ ۹۱)

۲۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈلوادے اور تم کو یاد الٰہی سے اور نماز سے باز رکھے تو کیا (شیطان کے مکر پر اطلاع پائے پیچھے اب بھی) تم باز آؤ گے (یا نہیں)۔

الآیۃ الثالثۃ: ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین. (لقمان ۶)

۳۔ اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو واہیات قصے مول لیتا ہے۔ تا کہ (لوگوں کو ورغلا کر) بے سمجھے بوجھے راہ خدا سے بھٹکائے اور آیات الٰہی کی ہنسی بنائے ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) ذلت کی سزا ہونی چاہئے۔

الآیۃ الرابعۃ: یا یھا الذین امنوا لایسخر قوم من قوم (الحجرات ۱۱)

وفیھا: ولاتلمزوا أنفسکم ولا تنابزوا بالالقاب. (الحجرات ۱۱)

وفیھا اجتنبوا کثیراً من الظن. (الحجرات ۱۲)

وفیھا (ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا. (الحجرات ۱۲)

وفیھا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم. (الحجرات ۱۳)

۴۔اے ایمان والو! تمہیں چاہئے کہ ایک دوسرے سے ہنسی نہ کریں۔

اور اسی رکوع میں ہے۔نہ آپس میں ایک دوسرے کو طعنے دو اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو اور اسی میں ہے۔بہت گمان کرنے سے بچتے رہو۔اور اسی میں ہے اور نہ ایک دوسرے کے پیچھے ٹول میں رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک ایک کو پیٹھ پیچھے برا کہے۔

اور اس میں ہے اللہ کے نزدیک بڑا عزت والا وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔

الآیۃ الخامسۃ: ولا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسولا. (بنی اسرائیل ۳۶)

۵۔جس بات کا تحقیق علم نہ ہو (اٹکل پچو) اس کے پیچھے نہ ہولیا کرو (کیونکہ) کان اور آنکھ اور دل ان سب سے (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہونی ہے۔

الأحاديث النبوية

الحدیث الاول: سباب المسلم فسوق۔ا۔مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے۔

الحدیث الثانی: اذا رایتم المداحین فاحثوا فی وجوھھم التراب

۲۔جب تم ثناخوانوں کو تعریف کرتے دیکھو تو ان کے مونہوں میں مٹی بھرا کرو۔

الحدیث الثالث: ان العبد لیقول الکلمۃ لا یقولھا الا لیضحک بہ الناس یھوی بھا أبعد مما بین السماء والارض۔

۳۔ابتہ بندہ کوئی بات صرف اس لئے کہتا ہے کہ اس سے لوگوں کو ہنسائے تو وہ اس کے سبب دوزخ میں گر جائے گا جس کی مسافت آسمان و زمین کی مسافت سے زیادہ ہوگی۔

الحدیث الرابع: من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ

۴۔بیہودہ بات کو چھوڑنا ان چیزوں میں سے ہے جو انسان کے اسلام کو آراستہ کرنے والی ہیں۔

الحدیث الخامس: ليس المومن بالطعان و لا باللعان و لا الفاحش و لا البذی

۵۔ یہ چار باتیں مومن کی شان سے نہیں۔

ا۔ طعن کرنا۔ ۲۔ لعنت کرنا۔ ۳۔ فحش بکنا۔ ۴۔ بدخو ہونا۔

الحدیث السادس: من عير اخاه بذنب لم يمت حتى يعمله

جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کو کسی گناہ کی عار دلائے تو یہ بھی مرنے سے پہلے پہلے اس گناہ میں مبتلا ہوگا۔

الحدیث السابع: لاتظهر الشماتة لأخيک فيرحمه الله ويبتليک

۷۔ اپنے بھائی مسلمان کی مصیبت کے وقت خوشی ظاہر نہ کر (ایسا نہ ہو) کہ خداوند کریم اس پر رحم فرمائے اور تجھے اس میں گرفتار کرے۔

الحدیث الثامن: اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ.

۸۔ جب بدکار کی کوئی تعریف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ غصہ ہوتا ہے۔

الحدیث التاسع: من طلب العلم ليجارى به العلماء ويمارى به السفهاء ويصرف به وجوه الناس أدخله الله النار

۹۔ جو شخص علم اس لئے سیکھتا ہے کہ علما سے مباحثہ اور کمینوں سے جھگڑا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن) دوزخ میں ڈالے گا۔

الحدیث العاشر: اتخذ الناس رؤوسا جهالا فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا هذه الأحاديث كلها فى المشكاة

۱۰۔ لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے تو بغیر جانے بوجھے فتوے دیں گے خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں موجود ہیں۔

الروایات الفقهيه

الرواية الاولى فى رد المحتار: اذا تردد الحكم بين سنة وبدعة

كان ترك السنة راجحا على فعل البدعة

ا۔ ردمختار میں ہے کہ جب ایک حکم سنت اور بدعت میں دائر ہو تو بدعت کے مرتکب ہونے سے اس کا چھوڑ دینا بہتر ہے۔

الرواية الثانية: في الدر مختار: القصص المكروه ان يحدثهم بما ليس له أصل معروف او يعظهم بما لايتعظ به أو يزيد وينقص

۲۔ درمختار میں ہے کہ مکروہ قصہ بیان کرنا یہ ہے کہ لوگوں سے وہ قصہ بیان کرے جس کی اصل مشہور اور معلوم نہیں یا اس چیز کی نصیحت کرے جس پر خود عمل نہیں کرتا یا اصل قصہ اور مطلب میں کچھ زیادہ اور کم کر ڈالے۔

الرواية الثالثة: في الدرالمختار: ومن السحت ما يوخذ الى قوله وشاعر لشعر ومسخرة وحكواتي قال تعالىٰ (ومن الناس من يشترى لهو الحديث) في رد المحتار قوله شاعر لشعر لأنه انما يدفع له عادة قطعاً للسانه

۳۔ درمختار میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ من جملہ اموال محرمہ کے وہ مال ہے جسے شاعر بذریعہ شعر گوئی اور مسخرہ اور قصہ گو لیتا ہے۔ فرمایا حق تعالیٰ نے بعض آدمی وہ ہے جو لہو الحدیث یعنی کھیل کی بات خریدتا ہے ردمختار میں ہے شاعر کو جو مال بذریعہ شعر دیا جاتا ہے اس کی حرمت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس سے اس کی زبان روکنے کو دیا جاتا ہے۔

قوله (لهوالحديث) نزلت في النضر كان يشترى أخبار العجم ويحدث بها قريشا فيستمعون حديثه ويتركون استماع القرآن فانزل الله هذه الآية

اور یہ آیت (من يشترى لهو الحديث) نضر بن حارث بن کلدہ کے حق میں اتری ہے وہ سوداگری کو ملک عجم میں جاتا' وہاں سے اخبار عجم خرید کر لاتا اور قریش سے بیان کرتا (اور کہتا کہ محمد تم سے عاد و ثمود کا قصہ بیان کرتے ہیں اور میں تم سے رستم و اسفندیار کا قصہ بیان کرتا ہوں) تو قریش اس کی بات اور حکایتیں سنتے اور قرآن سننا

ترک کر دیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

الرواية الرابعة فى الدرالمختار من له قوت يومه بالفعل أوبالقوة كالصحيح المكتسب يأثم معطيه ان علم بحاله لاعانته على المحرم

۴۔ درمختار میں ہے جس کے پاس ایک دن کے کھانے کو بالفعل یا بالقوہ موجود ہے۔ بالقوہ ایسے جیسے کوئی شخص تندرست کماؤ ہو تو اس کو دینے والا اگر اس کے حال سے واقف ہے تو گناہ گار ہوتا ہے کیونکہ اس نے حرام پر اعانت کی۔

الرواية الخامسة فى الدرا لمختار: والأذان بالصوت الطيب طيب ان لم يزد فيه الحروف وان زاد كره له ولمستمعه وقوله: أحسنت ان لسكوته فحسن وان لتلك القراءة يخشى عليه الكفر

۵۔ درمختار میں ہے خوش آوازی سے اذان کہنی جائز ہے اگر ترجیع میں حروف زیادہ نہ ہو جائیں اور اگر ترجیع سے حرف زیادہ ہو جائے تو قاری اور مؤذن اور اس کے سننے والے کو مکروہ ہے اور اگر سننے والے نے قاری خوش لہجگی اور ترجیع سے پڑھنے والے کو یہ کہا کہ تو نے خوب کیا تو اگر اس کے چپ رہنے کو کہا ہے تو بہتر ہے اور اگر اس قرأت محرمہ کی وجہ سے کہا تو اس پر کفر کا خوف ہے۔

ان آیات واحادیث وروایات کے بعد اول ایک مقدمہ عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ شرع میں تحریر کا حکم بہ منزلہ تقریر کے ہے اور مطالعہ کا حکم مثل استماع کے ہے جس چیز کا تلفظ وتکلم اور استماع گناہ ہے اس کا لکھنا اور چھاپنا اور مطالعہ کرنا بھی گناہ ہے۔ معلوم کرنا چاہئے کہ سب ناظرین اخبار کو معلوم ہے۔ اخباروں میں بوجہ اس کے کہ ایڈیٹر اور نامہ نگار دین سے کم واقف یا بعضے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ اکثر یہ مضامین ذیل ہوتے ہیں جن کے تکلم و استماع کے نہی پر دلائل شرعیہ وارد ہیں۔ پس اخبار میں بھی منہی عنہ ہوں گے۔

ا۔ بے تحقیق خبریں جن کی منقول عنہ کی کوئی توثیق وتصحیح کا اہتمام نہیں ہوتا جو کسی

نے لکھ بھیجا چھاپ دیا' یا کسی پرچہ میں دیکھا نقل کر دیا اور اکثر ایسی خبریں کلاً یا جزءً غلط نکلتی ہیں جو حقیقت ہے کذب کی جو قطعاً حرام ہے اور اگر کذب بھی متحقق نہ ہو لیکن غیر محقق ہونا یقینی ہے جس کو آیت خامسہ اور روایت ثانیہ بتلا رہی ہے۔

۲۔ کسی کا عیب شائع کرنا اور اگر وہ راست ہے تو غیبت ہوئی اور اگر خلاف واقعہ ہے تو بہتان ہے جس کو آیت رابعہ اور حدیث اول ممنوع کہہ رہی ہیں۔

۳۔ اور اکثر رد وقدح و اعتراض دوسروں کے کلام یا رائے پر بلا ضرورت محض اخبار پر کرنے کو یا اپنی حسن لیاقت جتانے کو ہوتا ہے جس کو حدیث عاشر رد کر رہی ہے۔

۴۔ اکثر مناظرہ میں تمسخر وطعن و بے ہودگی سے کام لیا جاتا ہے جس کو آیت رابعہ و حدیث خامس معصیت بتا رہی ہے۔ ۵۔ کبھی مخاطب کے پچھلے قصے ذکر کر کے اس کو عار دلائی جاتی ہے جو بروئے حدیث سادس گناہ ہے۔

۶۔ کبھی کسی کی سزا یا کوئی اور ضرر بدنی یا مالی ذکر کر کے اس پر خوشی ظاہر کی جاتی ہے جو حسب حدیث سابع حرام ہے۔ ۷۔ کبھی کسی کی بے جا خوشامد یا مدح' خواہ راست ہو یا دروغ کی جاتی ہے جو موافق حدیث ثانی کے مذموم ہے۔

۸۔ کبھی کسی کافر یا فاجر فاسق کی مدح نظماً یا نثراً کی جاتی ہے جس پر حدیث ثامن میں وعید آئی ہے۔ ۹۔ اخباروں میں مضامین ہنسی دل لگی کے ہوتے ہیں جس میں حفاظت حدود شرعیہ کی رعایت نہیں ہوتی۔ اس کی وعید حدیث ثالث میں مذکور ہے۔

۱۰۔ بعض دفعہ اخباروں میں کچھ گفتگو دینی عقائد و مسائل پر بھی کی جاتی ہے اور اس میں بلا دلیل شرعی محض رائے سے بلکہ اکثر شریعت کے خلاف اور شریعت کو تحریف یا تکذیب کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ کوئی ڈاڑھی پر مضمون لکھتا ہے۔ کوئی سود پر' کوئی اور کچھ کچھ جس کا اشد قبیح ہونا حدیث عاشر میں موجود ہے۔

۱۱۔ اکثر اخبار یا نامہ نگار لوگوں کے اندرونی حالات کی ٹٹول میں لگے رہتے ہیں

جن کو وہ لوگ پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں اور یہ ان کو شائع کرتے ہیں۔ تجسس کی حرمت آیت رابعہ میں مصرح ہے۔۱۲۔ اکثر اخباروں میں قرائن ظنیہ سے نتائج اخذ کر کے ان پر حکم قطعی لگا دیتے ہیں ایسے ظن کا گناہ ہونا بھی آیت رابعہ میں منصوص ہے۔

۱۳۔ کبھی اپنے یا اپنے اخبار یا اپنے کسی متعلق کے کسی حال یا کمال پر فخر بھی کیا جاتا ہے۔ جس کی بیخ کنی آیت رابعہ میں کی گئی ہے۔

۱۴۔ بعض اوقات کسی کو برے لقب سے خطاب کیا جاتا ہے اور اس کو ناظرین کی دلچسپی کا سبب سمجھتے ہیں۔ اس کی ممانعت بھی آیت رابعہ میں مذکور ہے۔

۱۵۔ جو مضامین ان مفاسد سے خالی بھی رہ جاتے ہیں اور وہ بہت ہی قلیل ہوتے ہیں۔ تاہم اکثر فضول اور بے فائدہ ضرور ہوتے ہیں۔ کسی کا قصہ لکھ دیا جس سے کوئی صحیح غرض بجز تزئین اخبار کے نہیں، کسی کے معاملے میں خواہ مخواہ دخل اور مشورہ دے دیا۔ خواہ کوئی پوچھے یا نہ پوچھے حتیٰ کہ سلطنتوں کے معاملات میں فضول اوراق سیاہ کئے جاتے ہیں جس کا کوئی مقصد بجز اشتغال اور جولان فکر کے نہیں۔ اس کا ضرر بھی کسی درجہ میں حدیث رابع میں مذکور ہوا ہے۔۱۶۔ بعضے اخبار والے امرا سے اس بات کی تنخواہ پاتے ہیں یا وہ ان کی آؤ بھگت کرتے ہیں تاکہ اخبار میں ہماری برائی نہ لکھیں۔ اس فعل اور اس آمدنی کا حرام ہونا روایت ثالثہ میں مذکور ہے۔

۱۷۔ بعض دفعہ اخباروں میں کسی ایسے رسالے یا کتاب پر تقریر و ریویو لکھتے ہیں جس میں بہت سے مضامین خلاف شرع ہوتے ہیں یا کوئی ایسا ہی مضمون بدون اس کے ابطال کے نقل کر دیتے ہیں حتیٰ کہ کفار کی پیشین گوئیاں تک درج دیکھی گئی ہیں۔ اس کی ممانعت کے لئے روایت خامسہ بس ہے یا اکثر بے اعتبار لوگوں کے اشتہارات درج ہوتے ہیں جس سے خلق پھنستی ہے۔ دھوکہ دینا حرام ہے اور حرام کی اعانت حرام ہے جس کا ذکر اسی روایت خامسہ میں بھی موجود ہے۔ کسی اخبار میں ناول نکلتے ہیں جو

سخت مخرب اخلاق وخیالات ہیں۔اس کیلئے بھی وہی روایت کافی ہے۔

۱۸۔قطع نظر ان سب محذورات کے یہ بھی یقینی ہے کہ اس میں اشتغال اور انہماک ایسا ہوجاتا ہے کہ ضروریات دینی سے بھی غفلت ہوجاتی ہے اور علم دینی سے اعراض ہوجاتا ہے۔جس کی مذمت آیت اولیٰ وثانیہ وثالثہ میں صاف صاف مذکور ہے اور جس امر سے ایسا ناجائز امر لازم آئے وہ خود ناجائز ہوجاتا ہے۔گو فی نفسہ مباح ہی ہو۔جیسا کہ روایت اولیٰ بدلالۃ النص اس پر دال ہے اور بھی بہت فروع فقہیہ اس کی مؤید ہیں۔

۱۹۔ایسے اخباروں کا خریدنا اور نامہ نگار بننا یا اور خریداروں کو ترغیب دینا یہ سب اعانت ہے ان ناجائز امور کی اور اعانت ناجائز کی ناجائز ہے۔روایت خامسہ میں اس کی تصریح ہے۔

۲۰۔بعضے اخبار والے بلا طلب اخبار بھیجتے رہتے ہیں۔چونکہ یہاں نہ مبادلہ نہ تعاطی ہے' نہ ایجاب وقبول اس لئے شرعاً یہ بیع نہیں ہوئی۔اس صورت میں قیمت کا مطالبہ خود ناجائز ہے یا بعضے کچھ انعام وغیرہ کا لالچ دلا کر خریداروں کو آمادہ کرتے ہیں۔پھر اخیر میں حقیقت امر منکشف ہوکر اسی طرح مطالبہ قیمت کے وقت بے لطفی ورنجش ہوتی ہے جس کے سبب کا مذموم ہونا آیت ثانیہ میں ہے اور رنج وعداوت سے قطع نظر کرکے بھی ایسا جبر یا ایسا دھوکہ ناجائز ہے۔جیسا کہ ظاہر ہے۔

تنبیہ:اگر کسی اخبار کے بائع یا مشتری میں یہ مفاسد نہ ہوں تو میں حلال کو حرام نہیں کہتا لیکن اس کا مصداق بہت ہی قلیل ہے۔

خیر خواہی:آدمی دنیا میں ذخیرہ آخرت جمع کرنے کیلئے آیا ہے۔پس اصل کام اس کا شغل دینی ہے لیکن بضرورت اسے شغل دینی کی اعانت اور تقویت کے دنیوی مشاغل کی بھی اجازت دی گئی ہے، بشرط اعتدال اباحت۔بس اسی قاعدے کو پیش نظر رکھ کر جو چیز اس دائرے سے باہر ہو اس سے مجتنب رہے اور اس قاعدے کی معرفت کیلئے کتب ورسائل دینیہ کا پڑھنا سننا اور علما کی محبت لازم سمجھے۔ وما علینا الا البلاغ۔

کتبہ: محمد اشرف علی تھانوی عفی عنہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

افکار دینی ضمیمہ اخبار بینی

بعد الحمد و الصلوٰۃ! احقر نے ۱۳۴۳ھ ہجری میں ایک رسالہ اخبار بینی کے مفاسد کے متعلق لکھا تھا اور یہی اُس کا نام تھا۔ اور اس کے ختم پر بعنوان تنبیہ یہ تصریح کر دی تھی کہ اگر کسی اخبار کے بائع و مشتری میں یہ مفاسد نہ ہوں تو میں حلال کو حرام نہیں کہتا لیکن اس کا مصداق بہت قلیل ہے چونکہ اس تنبیہ کا مضمون گو مبہم تو نہ تھا بلکہ مفسر تھا لیکن مجمل تھا اس لئے قاصر النظر لوگوں نے اس کو یا دیکھا نہیں یا سمجھا نہیں۔ اور بیجا اعتراضات کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس حالت میں تو اخبار کا وجود ہی اُڑ جائے گا۔ اس لازم کی تغلیط کے لئے میری ایک تقریر ملفوظ اور ایک تحریر محفوظ شائع ہو چکی ہے۔ اس وقت سہولت ناظرین کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں کے مختصر اقتباسات سے نفس اخبار کی مشروعیت اور خاص آداب سے اس کی مشروعیت قلمبند کر کے دکھلا دیں کہ ان آداب کی رعایت کے ساتھ اخبار جاری رہ سکتا ہے۔ البتہ بقدر ضرورت علم دین کی ضرورت ہے اور اگر خود ایڈیٹر صاحب علم نہ ہو تو اخبار کا مسودہ مرتب کر کے کسی محقق مبصر عالم کی خدمت میں خود حاضر ہو کر اصلاح کیلئے پیش کر دے۔ وہ ان مضامین کو آداب شرعیہ پر منطبق فرما کر زبانی سمجھا دیں گے۔ ذیل میں انہی آداب کی تفصیل ہے۔ اور اس عجالہ کو افکار دینی کے لقب سے اور اُس کے اجزاء کو عنوان فکر سے ملقب کرتا ہوں اور اس کو اخبار بینی کا ضمیمہ بناتا ہوں۔

فکر اوّل

جو اخبار حدود شرعیہ کے خلاف ہو اُس کا مذموم ہونا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

واذا جاء ھم امر من الامن او الخوف الی قولہ یستنبطو نہ منھم

یعنی جب ان لوگوں کو کسی امر جدید کی خبر پہنچتی ہے خواہ (وہ امر موجب) امن ہو یا

(موجب) خوف تو اس خبر کو فوراً مشہور کر دیتے ہیں۔ (اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آ گئے حالانکہ کبھی وہ غلط ہوتی ہے کبھی اس کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے) اور اگر (بجائے خود مشہور کرنے کے) یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کے اوپر اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں (یعنی اکابر صحابہ) ان کی رائے کے اوپر حوالہ رکھتے (اور خود کچھ دخل نہ دیتے) تو اس کو وہ حضرات پہچان لیتے جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں (پھر جیسا یہ حضرات عملدرآمد کرتے ویسا ہی ان خبر اُڑانے والوں کو کرنا چاہیے تھا)۔ (نساء)

فکر ثانی

اور جو اخبار حدود شرعیہ کے اندر ہو سو اس کا مفید ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے یعنی ابن ابی ہالہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے حالات کی تلاش رکھتے تھے اور خاص لوگوں سے پوچھتے رہتے کہ عام لوگوں میں کیا واقعات ہو رہے ہیں۔ (شمائل ترمذی) **ف**: اخبار کا یہی حاصل ہے۔

فکر ثالث

اس باب میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بات کا قلم سے لکھنا بعینہ وہی حکم رکھتا ہے جو زبان سے کہنے کا ہے جس بات کا زبان سے ادا کرنا ثواب ہے اس کا قلم سے لکھنا بھی ثواب ہے اور جس کا بولنا گناہ ہے اس کا قلم سے لکھنا بھی گناہ ہے بلکہ لکھنے کی صورت میں ثواب اور گناہ دونوں میں ایک زیادتی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تحریر ایک قائم رہنے والی چیز ہے مدتوں تک لوگوں کی نظر سے گزرتی رہتی ہے اس لئے جب تک وہ دنیا میں موجود رہے گی اور لوگ اُس کے اچھے یا برے اثر سے متاثر ہوتے رہیں گے۔ اس وقت تک کاتب کیلئے اس کا ثواب یا عذاب جاری رہے گا۔

اس لئے ہر مضمون نگار کا فرض ہے کہ ہر مضمون پر قلم اٹھانے سے پہلے اس کو

مندرجہ ذیل معیار پر جانچ لے اور در حقیقت یہی معیار تمام اُن اداب کی مجمل تصویر کا ہے جن کی تفصیل ہم اس وقت ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔

فکر رابع

مضمون نگاری اور اخبار نویسی میں مذہبی جرائم اور شرعی گرفت سے بچنے کا سب سے بہتر ذریعہ اور جامع مانع اصول یہ ہے کہ جس وقت کسی چیز کے لکھنے کا ارادہ کرلے پہلے اپنے ذہن میں استفتاء کرے کہ اس کا لکھنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں اگر جائز ثابت ہو تو قدم آگے بڑھائے ورنہ بعض لوگوں کے خوش کرنے کیلئے گناہ میں ہاتھ رنگ کر پرائی بدشگونی کیلئے اپنی ناک نہ کاٹے۔ اور اگر خود احکام شرعیہ میں ماہر نہ ہو تو کسی ماہر سے استفتاء کرنا ضروری ہے یہ ایک شرعی اجمالی قانون ہے جو فقط اخبار نویسی میں نہیں بلکہ ہر قسم کی تحریریں ہر مسلمان کا مطمع نظر ہونا چاہیے اس کے بعد ہم اس کی تفصیل چند نمبروں میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

(۱) جو واقعہ کسی شخص کی مذمت اور معائب پر مشتمل ہو۔ اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب تک حجت شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے۔ کیونکہ جھوٹا الزام لگانا یا افتراء باندھنا کسی کافر پر بھی جائز نہیں لیکن آہ آج اہل قلم اس سے غافل ہیں۔ اور اخبار کا شاید کوئی صفحہ اس سے خالی ہوتا ہو۔

(۲) یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں حجت شرعیہ کیلئے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں بلکہ شہادت شرعیہ ضروری ہے کیونکہ دور حاضر کے تمام اخبارات کے صدہا تجربات نے اس بات کو ناقابل انکار کر دیا ہے کہ بہت سے مضامین اور واقعات اخبارات میں شائع ہوتے ہیں اور جس شخص کی طرف سے شائع ہوتے ہیں اور جس شخص کی طرف سے شائع کئے جاتے ہیں اس غریب کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اور یہ صورت کبھی تو قصداً کی جاتی ہے اور کبھی سہواً و خطا ہو جاتی ہے

اس لئے اگر کسی اخبار میں کسی شخص کے حوالہ سے کوئی مضمون یا واقعہ نقل کر دیا جائے تو شرعاً اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر یہ واقعہ کسی کی مذمت یا مضرت وعیب جوئی پر مشتمل نہ ہو پھر یہ ضعیف ثبوت بھی کافی ہے۔ اور اس کو نقل کر کے شائع کر دیا جائے۔

(۳) کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجت شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت اور درج اخبار کرنا جائز نہیں بلکہ اس وقت فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے۔ اگر سمجھانے کو نہ مانے اور آپ کو قدرت ہو تو بجبر اُس کو روک دیں۔ ورنہ کلمہ حق پہنچا کر آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں۔ اس کی اشاعت کرنا اور رسوا کرنا علاوہ نہی شرعی کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے۔ اور اسی لئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کی تاکید فرمائی ہے کہ اگر اپنے بھائی مسلمان کا کوئی عیب یا گناہ ثابت ہو تو اُس کو رسوا نہ کرے۔ بلکہ پردہ پوشی سے کام لے اور خفیہ اس کو سمجھائے کیونکہ یہی طرز زیادہ موثر اور مفید ثابت ہوا ہے۔

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا عیب یا گناہ حجت شرعیہ سے ثابت ہو کہ جس کا نقصان اپنی ذات کو پہنچتا ہے اور یہ اُس سے مظلوم ٹھہرتا ہے۔ تو پھر اس کی برائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے اس کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الامن ظلم۔** ترجمہ اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو (وہ ظالم کے ظلم کا اعلان کر سکتا ہے) امام تفسیر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتے کہ کوئی شخص کسی کی مذمت یا شکایت کرے لیکن اگر کسی پر ظلم ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ ظالم کی شکایت کرے اور اپنے معاملہ کا اعلان کرے اور اس کے ظلم کو لوگوں پر ظاہر کرے (روح المعانی) لیکن اس صورت میں بھی بہتر یہ ہے کہ عام اعلان واشاعت

کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اس کی دادرسی کر سکیں۔

(۵) اگر کسی اخبار میں کوئی قابل تردید غلط مضمون کسی شخص کے نام سے طبع ہوا ہو تو اس کے جواب میں صرف اس پر اکتفاء کیا جائے کہ فلاں اخبار نے ایسا لکھا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے اس شخص کی ذات پر کوئی حملہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ ابھی تک کسی حجت شرعیہ سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ واقع میں یہ مضمون اس شخص کا ہے۔

(٦) جو خبر کسی شخص کی مذمت اور ضرر پر مشتمل نہ ہو اس کی اشاعت جائز ہے مگر اس شرط سے کہ اس کی اشاعت کسی مسلمان کی خاص مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو اور جس میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بجز ان لوگوں کے جو عقل اور شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لئے ہوئے ہوں۔

عام لوگوں پر اس کو ظاہر کرنا نہ چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نقصانات کی طرف اس شخص کی نگاہ نہ پہنچی ہو آیت **واذ جاء هم امر من الامن او الخوف اذا عوابه** میں ایسے ہی اخباروں اور جلسوں کی مضرت اور مذمت کو بیان فرمایا ہے (جیسا اوپر بھی گزرا ہے) لیکن مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ اس کو بھی محض خبر کی حیثیت سے نقل نہ کرے بلکہ اس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ پیدا کرے۔

اس کی نقلی دلیل یہ ہے۔ **من حسن الاسلام المرء تر كه مالا يعنيه.**

ترجمہ: انسان کے اسلام کے اچھا ہونے کی علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ کوئی خبر خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ کسی انشاء کا ذریعہ ہو کر مقصود کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور دراصل مقصود کوئی فصل ہوتا ہے جو اس خبر سے متعلق ہو اس لئے بہتر ہے کہ نتائج اخبار کو بھی ذکر کر کے اُس کے افادہ میں اضافہ کر دیا جائے۔ مثلاً آپ کسی شخص کے متعلق یہ خبر درج کرتے ہیں کہ اس نے چند ہزار روپیہ کسی مدرسہ یا مسجد یا کسی اور نیک کام میں صرف کیا تو اس کے بعد اس شخص

کے لئے دعا ترقی اور دوسرے مسلمانوں کیلئے اس کی ترغیب ذکر کر دی جائے۔ یا مسلمانوں کی کسی جماعت یا ایک شخص کی مصیبت کا ذکر آیا تو خود بھی دعاء کرے اور مسلمانوں کو بھی اس کی طرف متوجہ کرے۔ نیز یہ کہ جس سے ہو سکے تو اس کی مادی امداد بھی کرے کسی کی موت کا ذکر کیا ہے تو لوگوں کو اس طرف متوجہ کرے کہ عبرت حاصل کریں اور اپنے لئے اس وقت کیلئے سامان تیار کریں اول تو کوئی واقعہ اور کوئی خبر دنیا میں ایسی کم ہوتی ہے جو نتیجہ خیز نہ ہو یا جس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ مقصود نہ ہو لیکن اگر کوئی خبر ایسی بھی ہو تب بھی اُس کو محض تفریح طبع کی مد میں ذکر کر دینا مضائقہ نہیں بلکہ یہ بھی ایک درجہ میں شرعاً مطلوب ہے جب اعتدال کیساتھ ہو۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بعض اوقات مزاح (خوش طبعی) فرمانا اس حکمت پر مبنی تھا۔

(۷) خلاف شرع مضامین اور ملحدین کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جس پرچہ میں شائع ہوں اسی پرچہ میں ان کی تردید اور شافی جواب بھی ضرور شائع کر دیئے جائیں آئندہ پرچہ میں اس کو حوالہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں جن کی نظر سے آئندہ پرچے نہیں گزرتے۔ خدانہ خواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہ میں گرفتار ہو گئے تو اُس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا۔

(۸) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جب تک اس ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجت شرعیہ سے ثابت نہ ہو اس طرح شائع کیا جائے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں۔ مسلمان ان مظالم کا انسداد کریں۔ اور جائز طریق پر اُن کی جانی و مالی امداد کریں۔

(۹) اخبار کا ایڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص بنے جو تمام علوم اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو اور مذہب سے ہمدردی رکھنے والا ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اخبار اشاعت بے دینی و بیقیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے۔

(۱۰) کسی ایک کتاب کا جو دین کو مضر ہو یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو یا کسی ایسے معاملے کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جائے اور نہ اخبار میں تصویر بنائی جائے۔

یہ مختصر گذارش ہے جو محض دلسوزی اور ہمدردی پر مبنی ہے اگرچہ زمانہ کی مسموم ہوا میں کارگر ہونے کی توقع نہیں لیکن بایں ہمہ امید کہ شاید خدا تعالیٰ کسی نیک بندہ کو عمل اور اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں یہ سب عرض کر دیا گیا ہے۔ (وللہ الحمد)

فکر خامس

آدمی دنیا میں ذخیرۂ آخرت جمع کرنے کیلئے آیا ہے پس اصل کام اس کا شغل دینی ہے لیکن بضرورت اسی شغل دینی کی اعانت وتقویت کیلئے دنیوی مشاغل کی بھی اجازت دی گئی ہے بشرط اعتدال واباحت، پس اسی قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر جو چیز اس دائرہ سے باہر ہو اس سے مجتنب رہے اور اسی قاعدہ کی معرفت کیلئے کتب ورسائل دینیہ کا پڑھنا سننا اور علماء کی صحبت لازم سمجھے۔

وما علينا الا البلاغ المبين

تمت الضميمه

(۴شعبان ۱۳۴۹ ہجری)

شوقِ وطن

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ
مولانا محمد اشرف علی التھانوی
نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

انسان کے اصلی وطن یعنی عالم آخرت کی یاد تازہ کرنے اور شوق دلانے کیلئے یہ بے نظیر رسالہ ہے۔ نعمائے آخرت اور لقائے باری تعالیٰ کے ذوق وشوق میں موت کی کلفت تک دور ہو جاتی ہے اور دُنیائے فانی سے تعلق کم ہو جاتا ہے۔ موت سے گھبرانے والوں اور دُنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے والوں کیلئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

شوقِ وطن

دیباچہ تسہیل شوقِ وطن

(از مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ)

بعد الحمد والصلوٰۃ! احقر ظفر احمد تھانوی عفا اللہ عنہ عرض رسا ہے کہ اس باب سے تقریباً ہر مسلمان واقف ہے کہ کامیابی کا تمام تر دارومدار حسن خاتمہ پر ہے۔ زندگی میں انسان کی حالت کیسی ہی اچھی ہو، اگر خاتمہ اچھا نہ ہوا تو ناکامی ہی ناکامی ہے۔ اور بقول علامہ شعرانی رحمہ اللہ کے حسن خاتمہ کی حقیقت یہ ہے کہ مرتے ہوئے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان ہو اور سوئے خاتمہ یہ ہے کہ مرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برا گمان ہو۔

اس لئے ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر وقت اچھا گمان رکھے۔ اور اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ موت کے وقت اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا مسلمان بندہ کے ساتھ جو لطف وکرم شامل حال ہوتا ہے، اس سے ہر مسلمان واقف ہو، تاکہ آخرت کا اشتیاق اور اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق غالب ہو، اور موت کے تصور سے جو طبعاً انسان کو ناگواری ہوتی ہے، وہ کم ہو جاوے اور عقلاً وحشت اور کراہت باقی نہ رہے۔

اس مقصد کے لئے حضرت حکیم الامت مجدد الملت سیدی سندی مولائی معتمدی حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کا رسالہ ''شوق وطن''

بہت زیادہ نافع اور مفید ثابت ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسالہ کو پڑھ کر ہر مسلمان کا دل اللہ تعالیٰ سے ملنے کا مشتاق اور آخرت کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نیک گمان اور خاص درجہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی لئے بعض اہل اللہ اس کے پڑھنے اور سننے کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں۔ من جملہ اُن کے میرے محترم ومکرم عالی جناب حاجی محمد یوسف صاحب رنگونی مرحوم خلیفہ حضرت حکیم الامت دام مجدہم بھی تھے۔

مرحوم کو اس رسالہ کے ساتھ خاص شغف تھا۔ چوں کہ اس کی عبارت بعض مقامات پر دقیق تھی، اس لئے مرحوم نے بارہا یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اس رسالہ کی تسہیل ہو جاوے تو زیادہ نفع ہوگا۔

یہاں تک کہ مرضِ وفات میں بھی فرمایا: ان شاء اللہ حضرت سے عرض کر کے میں اس رسالہ کی تسہیل کراؤں گا۔ پھر چند روز کے بعد مرحوم کا انتقال آخری ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ میں ہو گیا اور ان کی یہ تمنا ان کے سامنے پوری نہ ہو سکی، تو ان کے برادر زادہ عالی جناب حاجی داؤد ہاشم یوسف صاحب تاجر مرچنٹ اسٹریٹ نمبر ۵۰۷ رنگون نے محمد یوسف کمپنی کی طرف سے اس کتاب کی تسہیل کرائی اور تسہیل کے بعد طبع کا اہتمام فرمایا جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ اس کتاب سے منتفع ہو کر حاجی محمد یوسف صاحب مرحوم کے لئے خاص طور سے دعائے مغفرت ورفع درجات فرمائیں۔

اور حضرت حکیم الامت رحمہا اللہ اور مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری رحمہ اللہ، اور حاجی داؤد ہاشم یوسف صاحب رحمہ اللہ اور جملہ کارکنان محمد یوسف کمپنی اور احقر ظفر احمد تھانوی کو بھی دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

والسلام

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدللہ الذی بشر المؤمنین برضائه، وسلی المشتاقین بوعد لقائه، والصلاة والسلام علٰی محمد الحبیب المحبوب، الذی ھو وصلة بین الرب والمربوب، وعلٰی آله واصحابه الفائزین بالمطلب الاقصٰی والمقصد الاسنٰی.

تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے خوش خبری دی مؤمنین کو اپنی رضا کی اور تسلی دی عاشقوں کو اپنے دیدار کے وعدہ سے۔ اور درود وسلام ہو اوپر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے، جو پیارے محبوب ہیں، جو وسیلہ ہیں درمیان خالق اور مخلوق کے۔ اور آپ کی آل و اصحاب پر جو کامیاب ہیں، سب سے اعلٰی مطلوب ہیں اور سب سے بلند مقصود ہیں۔

امابعد! غالباً تین سال کا عرصہ ہوا کہ ضلع مظفر نگر میں طاعون بہ شدت پھیلا اور ساتھ ہی وہ شدت کچھ عرصہ تک قائم بھی رہی اور ہمارا قصبہ تھانہ بھون بھی جو مظفر نگر ہی کے ضلع میں ہے، اسی میں شامل تھا۔

طاعون کی شدت وکثرت سے عام طور پر لوگوں میں پریشانی تھی، کوئی بستی چھوڑ کر بھاگ گیا اور کوئی بھاگنے کو تیار تھا، کوئی حیرت ووحشت میں مبتلا تھا، غرض عجیب سماں تھا۔ چوں کہ شریعت مقدسۂ اسلامی نے تمام روحانی تکلیفوں اور باطنی امراض کے علاج کی ذمہ داری لی ہے، اور یہ تکلیفیں پیدا ہوئی ہیں صبر کی کمی اور خدا تعالٰی پر بھروسہ میں کمزوری اور حکم الٰہی پر راضی نہ رہنے، اور یقین کے نہ ہونے سے، اور ان سب کا اصل سبب صرف دنیا کی طرف رغبت اور آخرت کی طرف سے بے رغبتی ہے، اور سب جانتے ہیں کہ ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کو دور کرنا ہے۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ" (دنیا کی محبت جڑ ہے تمام گناہوں کی) اور ارشاد: "اَكْثِرُوْا ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ" (زیادہ کرو یاد لذتوں کے فنا کرنے والی کی یعنی موت کی) کا راز یہی ہے۔

ان سب باتوں پر نظر کر کے بندہ نے اسی قاعدہ کے موافق عام خلقت کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور وعظ و نصیحت کے جلسوں میں آخرت کی نعمتوں کی طرف رغبت دلانا شروع کیا، جس سے دنیاوی لذتوں سے بے رغبتی پیدا ہو جانے کی خود بہ خود امید تھی۔ اور ان آخرت کی نعمتوں کے ملنے کا موت پر موقوف ہونا اور اس وجہ سے موت کا بھی نعمت ہونا بیان کیا گیا۔ نیز ان آخرت کی نعمتوں کی شرح میں قبر اور قیامت اور بہشت کے حالات، اور مؤمن کے لئے جو جو خوش خبریاں آئی ہیں، ان کا بیان ہوا۔

اور اسی سلسلہ میں ہر قسم کی مصیبتوں اور بیماریوں کے خصوصاً طاعون کے متعلق فضیلتیں، اور ان سب پر جو آخرت کے اجر اور ثواب اور حق تعالیٰ کے قرب اور مقبولیت کے وعدے آئے ہیں، جن پر ان آخرت کی نعمتوں اور خوش خبریوں کی بنا ہے یہ سب مضمون وقتاً فوقتاً وعظوں میں ان بے چاروں کو سنائے، جس سے کھلا ہوا اور فوری نفع دیکھنے میں آیا۔ اور عام طور سے سننے والوں کی ڈھارس بندھ گئی، اور خوشی اور اطمینان کے آثار ان میں نظر آنے لگے، اور سب پریشانی سکون سے بدل گئی، بلکہ لوگ کسی درجہ میں موت کے مشتاق نظر آنے لگے۔

جب ان لوگوں کے لئے وہ مضامین اس درجہ مفید ثابت ہوئے، تو خیال ہوا کہ کئی برس سے ہندوستان میں وقتاً فوقتاً بہت جگہ طاعون کا غلبہ ہوتا رہتا ہے، اور نہ معلوم کب تک ایسا رہے گا۔ اور اکثر لوگ جہاں جہاں طاعون پھیلتا ہے۔ ان ہی پریشانیوں اور خوف میں مبتلا ہوتے ہیں جس سے نقصان آخرت کا تو ہوتا ہی ہے کہ صبر و توکل وغیرہ نہیں ہوتا، دنیا کی زندگی بھی تلخ ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہر جگہ کے لوگ اس مقوئ روح اور مقوئ قلب نسخہ کے حاجت مند ہیں، تو اگر وہ مضامین جن سے یہاں کے لوگوں کو نفع ہوا تحریر میں لا کر دیگر جگہ کے لوگوں کے پاس بھی پہنچائے جائیں تو حق تعالیٰ سے بہت اُمید ہے کہ ان کو بھی نفع ہوگا۔ لہٰذا ان مضامین کے جمع کرنے کا پختہ ارادہ ہوا، لیکن اس وجہ سے کہ وہ مضامین مختلف وقتوں میں بیان ہوئے

تھے، یہ ناممکن تھا کہ وہ سب بجنسہٖ اور اسی شرح وبسط کے ساتھ لکھ لئے جائیں۔

لہٰذا ارادہ کیا کہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب میں سے جس کا نام "شرح الصدور" ہے، اس قسم کی حدیثیں چھانٹ کر اردو زبان میں ان کا عام فہم ترجمہ کر دیا جائے، کیوں کہ اس سے بھی اصل غرض پوری ہو جائے گی۔ چناں چہ تقریباً تیس حدیثیں اس قسم کی جمع کرنے پایا تھا کہ ایک جلد کتاب "شرح الصدور" مذکور کی مصر کی چھپی ہوئی ایک دوست سے مل گئی، جس کے حاشیہ پر شیخ جلال الدین ہی کا ایک چھوٹا سا رسالہ "بشری الکئیب" چڑھا ہوا تھا جس میں خاص وہی مضامین ہیں جو بعد موت کے بشارتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ رسالہ چوں کہ میری مذکورہ غرض کے زیادہ موافق تھا، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ بجائے "شرح الصدور" سے مضامین منتخب کرنے کے اس رسالہ کے ایک کافی حصہ کا اُردو ترجمہ کر دیا جائے۔ اور کہیں کہیں بطور کسی مضمون کی تائید کے، یا کسی مضمون کو پورا کرنے کے، یا کسی مضمون کی شرح کرنے کے، دوسری کتابوں سے بھی کچھ مضمون لے لیے جاویں جن کو اصل مضامین کا تابع اور ضمنی سمجھنا چاہئے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جس مضمون کے ساتھ کسی کتاب کا حوالہ نہ ہو اس کو رسالہ "بشری الکئیب" کا مضمون سمجھنا چاہئے اور جس مضمون کو کسی دوسری کتاب سے لیا گیا ہوگا، اس کے ساتھ اس کتاب کا نام بھی لکھ دیا جائے گا۔

اور میری اس کتاب کا نام "شوقِ وطن" اس وجہ سے اچھا معلوم ہوا کہ آخرت ہمارا اصلی وطن ہونے کی وجہ سے شوق کرنے کے قابل ہے، جس کو ہماری غفلت نے بالکل بھلا دیا ہے۔ اور اس کتاب میں اس غفلت کو دور کر کے اصلی گھر کا شوق دلایا گیا ہے۔

اب اُمید ہے کہ یہ کتاب بفضلہٖ تعالیٰ اس کام کی ہوگی کہ ایسے خوف اور گھبراہٹ کے موقعوں پر اگر اس کو پڑھا یا سنا جاوے، یا چھوٹے یا بڑے مجمع میں پڑھ کر سنائی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بجائے غم کے خوشی اور بجائے وحشت کے دل بستگی اور

بجائے پریشانی کے اطمینان وسکون پیدا ہو جاوے گا۔

اور اس کتاب میں کئی باب ہیں۔ اور واضح رہے کہ گو مضمون اس کتاب کا عام فہم اور سلیس ہے، مگر ترجمہ کے ساتھ حدیثوں کی اصل عبارت بھی لکھی گئی ہے۔ اس سے برکت کی امید بھی ہے، اور یہ زیادہ اطمینان اور احتیاط کی بات بھی ہے۔ اور جہاں ترجمہ سے زیادہ کوئی بات لکھی گئی ہے، اس کے شروع پر صرف ''ف'' اور ختم پر لفظ 'فقط' لکھ دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو جس طرح کہ اس سے اُمید کی گئی ہے اس غرض کا، یعنی آخرت کے شوق کا ذریعہ بنادیں، اور اس شوق کے ساتھ آخرت کے لئے تیاری کرنے کی توفیق دیں، اور اس توفیق پر اپنا قرب اور مقبولیت عطا فرماویں۔ آمین

(فقط از حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

راقم الحروف یعنی احقر محمد مصطفیٰ تسہیل کنندۂ ''شوقِ وطن'' عرض کرتا ہے کہ میری رائے ناقص میں مناسب معلوم ہوا کہ کتاب ہذا کے آخر میں چند مضامین حضرت مصنف مدظلہٗ کے بعض وعظوں میں سے بھی نقل کر دیئے جائیں، جو تسکین قلب اور رفع غم ورنج اور شوق آخرت پیدا کرنے کے لئے اکسیر ثابت ہوئے ہیں، اور ان سے بعض غم زدوں کو ایسا نفع ہوا کہ کسی چیز سے نہیں ہوا تھا۔ چناں چہ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ ان مضامین کے ساتھ اس وعظ کا حوالہ بھی دیا جائے گا جس سے وہ مضامین نقل کئے جائیں گے۔

پہلا باب

امراض ومصائب کے ثواب میں

عن ابن سعید رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم: ما یصیب المسلم من نصب ولا وصب، ولا ھم ولا حزن، ولا اذی ولا غم، حتی الشوکۃ یشاکھا، الا کفر اللہ بھا من خطایاہ. متفق علیہ (مشکاۃ المصابیح)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کوئی مشقت اور تعب اور فکر اور رنج اور اذیت اور غم نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ کانٹا بھی لگ جاوے جس میں اس تکلیف واذیت کی وجہ سے گناہوں کا کفارہ نہ ہوجاتا ہو۔ (روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے)

عن جابر رضی اللہ عنہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: لام السائب: لا تسبی الحمٰی فانھا تذھب خطایا بنی آدم کما یذھب الکیر خبث الحدید. (رواہ مسلم، مشکاۃ المصابیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سائب سے فرمایا کہ بخار کو برا مت کہو، وہ بنی آدم کے گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

عن انس رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم یقول: قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: اذا ابتلیت عبدی بحبیبتیہ ثم صبر، عوضتہ منھما الجنۃ، یرید عینیہ. (رواہ البخاری، مشکاۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں، یعنی آنکھوں کی مصیبت میں گرفتار کرتا ہوں، پھر وہ صبر کرتا ہے، تو اس کے عوض میں جنت دیتا ہوں۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قال: اذا ابتلی المسلم ببلاء فی جسدہ قیل للملک: اکتب لہ صالح عملہ الذی کان یعمل. فان شفاء ہ غسلہ وطھرہ، وان قبضہ غفرلہ ورحمہ رواہ فی شرح السنۃ. (مشکاۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان کسی بلائے جسمانی یعنی مرض وغیرہ میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتہ کو (جو اس کے اعمال صالحہ لکھا کرتا تھا) حکم ہو جاتا ہے کہ جو نیک کام یہ پہلے سے (یعنی حالت صحت میں) کیا کرتا تھا وہ سب لکھتے رہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اگر اس کو شفا دیتا ہے تو اس کو پاک صاف کر دیتا ہے اور اگر وفات دیتا ہے تو اس کے ساتھ مغفرت ورحمت کا معاملہ فرماتا ہے۔ (روایت کیا اس کو شرح السنہ میں)

عن محمد بن خالد السلمی عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: ان العبد اذا سبقت لہ من اللہ منزلۃ، لم یبلغھا بعملہ ابتلاہ اللہ فی جسدہ او فی مالہ او فی ولدہٖ، ثم صبرہ علی ذٰلک، حتی یبلغہ المنزلۃ التی سبقت لہ من اللہ. رواہ احمد وابو داؤد. (مشکاۃ المصابیح)

محمد بن خالد اپنے باپ اور دادا کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کے لئے کوئی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجویز ہوتا ہے جس پر وہ اپنے عمل کے ذریعہ سے نہیں پہنچ سکتا، تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے جسم، یا اس کے مال، یا اس کی اولاد میں کوئی بلا مسلط کر کے اس کو صبر دیتا ہے، حتیٰ کہ وہ اس

مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ (روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے)

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: یو اهل العافیة یوم القیامة حین یعطی اهل البلاء الثواب، لو ان جلودهم کانت قرضت فی الدنیا بالمقاریض. رواه الترمذی. (مشکاۃ المصابیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز جس وقت اہل مصیبت کو ثواب عطا ہوگا اس وقت اہل عافیت تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی (تاکہ ہم کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا)۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

عن عائشہ رضی اللہ عنها قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: اذا کثرت ذنوب العبد ولم یکن له ما یکفرها من العمل ابتلاه اللہ بالحزن لیکفرها عنه رواه احمد. (مشکاۃ المصابیح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کے گناہ بڑھ جاتے ہیں اور اس کے پاس کوئی نیک عمل ایسا ہوتا نہیں جو ان کا کفارہ ہو سکے تو خدا تعالیٰ اس کو کسی غم میں مبتلا فرماتا ہے، تاکہ وہ ان کا کفارہ ہو جاوے۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)

دوسرا باب

طاعون کی فضیلت میں

عن انس رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: الطاعون شهادة لکل مسلم. متفق علیه (مشکاۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون (سے) مسلمان کے لئے شہادت (کا درجہ ملتا) ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے)

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلّم: الشهداء خمسة: المطعون، والمبطون، والغریق، وصاحب الهدم، والشهید فی سبیل الله. متفق علیه (مشکاة المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہدا پانچ قسم کے ہیں: طاعون والا، اور جس کو پیٹ کی بیماری ہو (جیسے اسہال واستسقا) اور جو غرق ہوجائے اور ڈوب جائے، اور جس پر مکان گر پڑے، اور جو جہاد میں شہید ہوجاوے۔ (روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے)

عن عائشة رضی الله عنها قالت: سألت رسول الله صلی الله علیه وسلّم: عن الطاعون، فاخبرنی انه عذاب یبعثه الله علٰی من یشاء، وان الله جعله رحمة للمؤمنین، لیس من احد یقع الطاعون فیمکث فی بلده صابرًا محتسباً یعلم انه لایصیبهٗ الا ماکتب الله لهٗ، الا کان له مثل اجر شهید. رواه البخاری (مشکاة المصابیح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی نسبت دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ (بعض کے لئے) ایک طرح کا عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے (بطورعذاب کے) بھیجتا ہے۔ (اس بعض سے مراد کفار ہیں جیسا تقابل مقابلہ مؤمنین اس کا قرینہ ہے۔) اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اہلِ ایمان کے لئے رحمت بنایا ہے۔ جو شخص وقوع طاعون کے وقت اپنی بستی میں صابر اور ثواب کی اُمیدوں پر اس اعتقاد سے کہ وہی ہوگا جو مقدر ہے ٹھہرا رہے گا، تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

ف: یہ ثواب صرف وہاں ٹھہرے رہنے اور نہ بھاگنے سے ملتا ہے، گو اس میں مرے نہیں۔ اور طاعون میں مرجانے کے فضائل اس کے علاوہ ہیں۔ فقط۔

عن جابر رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلّم قال: الفار من

الطاعون کالفار من الزحف، والصابر فیه له اجر شهید. رواہ احمد (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد سے بھاگنے والا، اور اس میں ثابت قدم رہنے والے کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)

ف۔ اس کے دونوں جملوں سے معلوم ہوا کہ طاعون والوں کو گھر بیٹھے جہاد کا ثواب ملتا ہے اور جہاد ثواب میں سب اعمال سے افضل ہے۔ فقط

عن علیم الکندی قال: کنت مع أبی عبس الغفاری علٰی سطح فرآی قوما یتحملون من الطاعون، فقال: یاطاعون! خذنی الیک، ثلاثا. الحدیث. رواہ ابن عبد البر والمروزی واحمد والطبرانی. (شرح الصدور)

علیم کندی سے روایت ہے کہ میں ابوعبس غفاری کے ساتھ ایک چھت پر تھا، انہوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ طاعون سے شہر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ فرمانے لگے: اے طاعون! تو مجھ کو لے لے (کہ میں متمنی ہوں)۔ یہ تین مرتبہ فرمایا۔ (روایت کیا اس کو ابن عبدالبر اور مروزی اور احمد اور طبرانی نے)

تیسرا باب

موت کی ترجیح میں حیات پر

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم: تحفة المؤمن الموت. اخرجه ابن المبارک وابن ابی الدرداء والطبرانی والحاکم.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحفہ مرغوبہ (دل پسند) مسلمان کا موت ہے۔

عن محمود بن لبید رضی اللہ عنه ان النبی صلی اللہ

علیه وسلّم قال:یکره ابن آدم الموت، والموت خیرٌ له من الفتنة. اخرجه احمد وسعید بن منصور.

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی موت کو ناگوار سمجھتا ہے، حالانکہ موت اس کیلئے دین میں خرابی پڑنے سے بہتر ہے۔

ف: یعنی موت میں یہ نفع ہے کہ پھر دین بگڑنے کا اندیشہ نہیں اور حیات میں اس کا خوف لگا رہتا ہے، خصوصاً جب اس کے اسباب بھی جمع ہوں۔ نعوذ باللہ منہٗ فقط

عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم قال:الدنیا سجن المؤمن وسنتهٗ، فاذا فارق الدنیا فارق السجن والسنة. (اخرجه ابن المبارک والطبرانی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مومن کا جیل خانہ اور مقام قحط ہے (کہ راحت اور نعمت دونوں کم ہیں)۔ سو جب دنیا کو چھوڑتا ہے تو جیل خانہ اور مقام قحط کو چھوڑتا ہے (کیوں کہ آخرت میں راحت اور نعمت دونوں کامل ہیں)۔

عن انس رضی الله عنه قال رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلّم: الموت کفارة لکل مسلم. (اخرجه ابو نعیم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت ہر مسلمان (کے گناہوں) کا کفارہ ہے (کہ اس کی تکالیف سے گناہ معاف ہوتے ہیں، کل یعنی بعض کے کل گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور بعض کے تھوڑے، جیسے گناہ ہوں، یا جس قابل وہ آدمی ہو۔ یا بعض علی اختلاف الاحوال)۔

عن ابی مالک الاشعری رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلّم: اللهم حبب الموت الیٰ من یعلم انی رسولک. (اخرجه الطبرانی)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

دعا کی کہ الٰہی! جو شخص میرے رسول ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے موت کو اس کا محبوب بنا دیجئے۔

عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم: قال لہ: ان حفظت وصیتی فلا یکون شیءٌ احب الیک من الموت. (اخرجہ الاصبہانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری نصیحت یاد رکھو تو تم کو موت سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ ہونا چاہئے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: ماشبھت خروج ابن ادم من الدنیا الاکمثل خروج الصبی من بطن امہٖ من ذٰلک الغم والظلمۃ الٰی روح الدنیا. (اخرجہ الحکیم الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا سے آدمی کے انتقال کرنے کو میں اس مثال کے مشابہ پاتا ہوں جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے، یعنی اس تنگی وتاریکی سے دنیا کی کشادگی میں آتا ہے (کہ آنے کے قبل اس کو بڑی راحت کی جگہ سمجھتا تھا، مگر دنیا کی راحت ولذت دیکھ کر پھر وہاں جانا نہیں چاہتا۔ اسی طرح دنیا میں وہ آخرت سے گھبراتا ہے، مگر وہاں جا کر پھر یہاں آنا پسند نہ کرے گا۔ یہ تفسیر خود ایک حدیث میں آئی ہے۔)

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، ایک یہ کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کو حیات پر ترجیح ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات کو موت پر ترجیح ہے۔ مثلاً بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تمنا کرے کوئی تم میں کا موت کی، کیوں کہ اگر وہ نیکوکار ہے تو زندگی بڑھنے سے اور نیکیاں اس کی بڑھ جاویں گی، اور اگر گناہ گار ہے تو شاید توبہ کی توفیق ہو جاوے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ موت سے زندگی ہی بہتر ہے۔

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ مختلف اعتبارات سے احکام بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ زندگی میں نیکیاں بڑھ سکتی ہیں اور گناہوں سے توبہ ہو سکتی ہے، جیسا کہ حدیث مذکور میں بھی

یہی وجہ بیان کی گئی ہے اور موت اس کے برعکس ہے۔

مگر یہ وجہ ترجیح کی ایک عارضی اور چندروزہ ہے اور اس اعتبار سے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہی تنگ و تاریک ہے جیسے دنیا کے مقابلہ میں ماں کا پیٹ ہے، اس اعتبار سے موت ہی کو ترجیح ہو سکتی ہے، کیوں کہ دنیا سے چھوٹنا اور اس تیرہ و تاریک گھر سے نکل کر فراخ اور اچھے گھر میں پہنچنا بلا موت کے ممکن نہیں۔

اور دارِ آخرت کا یہ وصف کہ دنیا سے بہ درجہا بہتر ہے اور دنیا اس کے سامنے کوئی چیز نہیں، یہ وصف عارضی نہیں بلکہ ذاتی اور دائمی ہے، اور ذاتی و دائمی کی ترجیح عارضی اور فانی پر ظاہر ہے۔ تو اس جواب سے دونوں حدیثوں میں مخالفت بھی نہیں رہی اور موت کو زندگی کے ساتھ برابری بھی نہیں رہی، بلکہ موت ہی کو ترجیح ہوئی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حدیث میں موت کی تمنا کرنے سے بھی ممانعت آئی ہے، تو اگر موت اچھی چیز ہوتی تو اس کی تمنا سے کیوں منع کیا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث میں یہ لفظ بھی ہے: "من ضر اصابه" جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ تمنا کرے موت کی بوجہ کسی مصیبت کے جو اس پر آ پڑی ہو۔

یعنی کسی دنیوی تکلیف سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرنی چاہئے، کیوں کہ یہ علامت ہے حکم الٰہی پر راضی نہ ہونے کی۔ تو اگر موت کی تمنا آخرت کے شوق کی وجہ سے ہو یا دنیا کے فتنوں سے بچنے کے لئے ہو تو منع نہ ہوگی۔ فقط۔

اور ایک جواب اس کا اخیر کتاب میں زیرِ عنوان "زیادتی عمر کے متعلق تحقیق" میں بھی آتا ہے۔

چوتھا باب

بعض مؤمنین پر شدتِ موت کی مصلحت میں

عن ابن مسعود رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم: ان المؤمن لیعمل الخطیئة فیشدد بها علیه عند الموت لیکفر بها عنه، وان الکافر لیعمل الحسنة فیسهل علیه عند الموت لیجزٰی بها. اخرجه الطبرانی وابو نعیم. (شرح الصدور)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (بعض اوقات) مؤمن سے کوئی گناہ ہوجاتا ہے، سو اس کے کفارہ کے لئے اس پر موت کے وقت (نزع میں) شدت کی جاتی ہے۔ اور (بعض اوقات) کافر سے کوئی نیک کام ہوجاتا ہے، تو اس کا صلہ دینے کے لئے موت کے وقت اس پر سہولت کی جاتی ہے۔

ف: پس نہ شدت موت علامت مذمومہ (بری) ہے اور نہ سہولت (آسانی) مطلقاً (بہر صورت) علامتِ محمودہ (اچھی) ہے۔ پس اس شدت (غشی) سے مدحِ موت میں جو کہ اوپر ہے شبہ نہ کیا جاوے۔ (اس مضمون کی مزید تفصیل رسالہ ''تقطیف الثمرات فی تخفیف السکرات'' میں مذکور ہے۔ یہ رسالہ بھی حضرت مؤلفِ ''شوقِ وطن'' ہی کے افاضات میں سے ہے۔) فقط

پانچواں باب

مرنے کے وقت مؤمن کی عزت اور بشارت میں

عن البراء بن عازب رضی اللہ عنه ان النبی صلی اللہ علیه وسلّم قال: ان العبد المؤمن اذا کان فی انقطاع من الدنیا واقبال من

الأخرة، نزل اليه ملائكة من السماء بيض الوجوه كان وجوههم الشمس، معهم اكفان من اكفان الجنة وحنوطٌ من حنوط الجنة، حتّٰى يجلسوا منه مد البصر، ثم يجی ءُ ملک الموت حتّٰى يجلس عند راسه، فيقول: ايتها النفس المطمئنة اُخرجی الٰی مغفرة من اللہ ورضوان. قال: فتخرج تسيل كما تسيل القطرة من السقاء وان كنتم ترون غير ذٰلک فيخرجونها، فاذا اخرجوها، لم يدعوها فی يدہٖ طرفة عين، فيجعلونها فی تلک الاكفان، والحنوط ويخرج منها كاطيب نفحة مسک وجدت علٰی وجه الارض، فيصعدون بها، فلا يمرون علٰی ملا من الملائكة الا قالوا: ماهٰذه الروح الطيبة؟ فيقولون: فلان بن فلان، باحسن اسمائه التی كانوا يسمونه بها فی الدنيا. حتی ينتهوا به الی السماء التی تليها، حتی ينتهی به الی السماء السابعة فيقول اللہ تعالٰی: اكتبوا كتاب عبدی فی عليين، واعيدوه الی الارض. فيعاد روحه فی جسدہٖ، فيأتيہٖ ملكان فيجلسانه، فيقولان له: من ربک؟ مادينک؟ فيقول: اللہ ربی والاسلام دينی. فيقولون: ماهٰذا الرجل الذی بعث اليكم وفيكم؟ فيقول: هو رسول اللہ. فيقولان له: وما علمک؟ فيقول: قرأت كتاب اللہ تعالٰی فآمنت بہٖ وصدقته. فينادی مناد من السماء ان صدق عبدی فأفرشوا له من الجنة، والبسوه من الجنة، وافتحوا له باباً الی الجنة. فيأتيه من روحها وطيبها، ويفسح له فی قبرہٖ مدبصرہٖ، وياتيه رجلٌ حسن الثياب طيب الرائحة، فيقول له: ابشر بالذی يسرک! هذا يومک الذی كنت توعد. فيقول له: من انت؟ فوجهک يجیء بالخير. فيقول: انا عملک الصالح. فيقول: رب! اقم الساعة. رب! اقم الساعة، حتّٰى ارجع الی اهلی ومالی.

اخرجه احمد وابو داؤد والحاکم والبیھقی وغیرھم.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مؤمن دنیا سے رُخصت اور آخرت کی آمد کی حالت میں ہوتا ہے، تو اس کے پاس آسمان سے فرشتے آتے ہیں، جن کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوش بو ہوتی ہے، یہاں تک کہ منتہائے نظر کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سر کے پاس آ کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں: اے جان جس کو خدا کے حکموں پر اطمینان تھا اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل۔ وہ اس طرح (آسانی سے) نکلتی ہے جیسا مشک سے (پانی کا) قطرہ ڈھلک آتا ہے، گو تم (ظاہر میں) اس کے خلاف حالت دیکھو (شدت سے جان نکلی تو وہ شدت جسم پر ہوتی ہے، روح کو راحت ہوتی ہے) غرض فرشتے اس روح کو نکالتے ہیں اور نکالنے کے بعد ملک الموت کے ہاتھ میں بھی چشم زدن کے لئے بھی نہیں چھوڑتے، بلکہ اس (بہشتی) کفن اور خوش بو میں رکھ لیتے ہیں۔ اور اس سے ایسی خوش بو نکلتی ہے جیسے دنیا میں مشک کی تیز سے تیز خوش بو ہو۔ پھر وہ اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں، سو فرشتوں کے جس گروہ پر ان کا گزر ہوتا ہے، وہ پوچھتے ہیں: یہ پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کے اچھے سے اچھے نام سے جو دنیا میں مشہور تھا بتلاتی ہیں کہ فلان بن فلان ہے۔ یہاں تک کہ (اس حالت سے) وہ اس کو اس قریب والے آسمان (یعنی دنیا) کی طرف، پھر وہاں سے (سب آسمانوں سے گزر کر) ساتویں آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے: اس کا نام علیین میں لکھ دو اور اس کو (سوالِ قبر کے لئے) پھر زمین کی طرف لے جاؤ۔ سو اس کی (یہ) روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے (برزخ کے مناسب نہ کہ دنیا کی طرح)۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص (یعنی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کون تھے جو تمہاری طرف اور تم میں مبعوث ہوئے؟ وہ کہتا ہے: یہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ وہ کہتے ہیں: تجھ کو کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے قرآن شریف پڑھا اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ پھر آسمان سے ایک منادی (مِن جانب اللہ) ندا دیتا ہے کہ میرے بندے نے صحیح جواب دیا، اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ پس اس کو جنت کی ہوا اور خوش خبری پہنچتی ہے، اور منتہائے نظر تک اس کے لئے قبر میں کشادگی ہو جاتی ہے اور اس کے پاس ایک شخص عمدہ خوش بو والا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھ کو خیر و مسرت کا مژدہ ہو، یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ ہوتا تھا۔ وہ پوچھتا ہے: تو کون ہے؟ تیرے تو چہرے سے خیر معلوم ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے: میں تیرا عمل صالح ہوں۔ میت بار بار کہتا ہے کہ اے رب! جلدی قیامت قائم کر دیجئے کہ میں اپنے اہل و اموال میں جاؤں (جو قیامت میں ملیں گے)۔ (روایت کیا اس کو احمد اور ابو داؤد اور حاکم اور بیہقی وغیرہم نے)

عن جعفر عن محمد عن ابيه ابن الخزرج عن ابيه رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلّم: يقول ونظر الى ملك الموت عند رأس رجل من الانصار، فقال: يا ملك الموت! ارفق بصاحبى فانه مؤمنٌ. فقال ملك الموت: طب نفسًا وقرعينا، واعلم انى بكل مؤمن رفيق المعرفة اخرجه الطبرانى وابن منده كلاهما فى الصحابة.

جعفر، محمد سے، وہ اپنے باپ ابن الخزرج سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے ملک الموت کو ایک انصاری کے سرہانے دیکھا اور فرمایا: اے ملک الموت! میرے صحابی سے نرمی کرو کہ وہ مؤمن ہے۔ ملک الموت نے کہا کہ آپ دل خوش رکھیے اور آنکھیں ٹھنڈی رکھیے! اور یقین کیجئے کہ میں ہر مسلمان کے ساتھ نرم ہوں۔

اخرج البراء عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلّم قال: ان المؤمن اذا احتضر اتته الملائکة بحریرة فیها مسکٌ وعنبرٌ وریحانٌ، فتسل روحه کما تسل الشعرة من العجین، ویقال: ایتها النفس المطمئنة! اخرجی راضیةً مرضیا عنک الیٰ روح الله وکرامته. فاذا خرجت روحه وضعت علیٰ ذٰلک المسک والریحان، وطویت علیها الحریرة، وذهب بها الیٰ علیین.

براء نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ایک حریر لے کر آتے ہیں، جس میں مشک وعنبر اور ریحان بسا ہوتا ہے۔ اور اس کی روح اس طرح نرمی سے نکل آتی ہے جیسے آٹے سے بال نکل آتا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے: اے جان جس کو خدا کے حکموں پر اطمینان تھا! تو حق تعالیٰ کی رحمت اور سامان عزت کی طرف اس حالت میں چل کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پھر جب روح نکلتی ہے تو اسے مشک وریحان پر رکھ کر اوپر سے وہ حریر لپیٹ دیا جاتا ہے اور علیین کی طرف اس کو لے جاتے ہیں۔

عن ابن جریح رحمه الله تعالیٰ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلّم لعائشة: اذا عاین المؤمن الملائکة قالوا: نرجعک الی الدنیا؟ فیقول: الیٰ دار الهموم والاحزان؟ قدمونی الی الله تعالیٰ. اخرجه ابن جریر وابن المنذر فی تفسیرهما.

ابن جریج رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب مؤمن ملائکہ کو دیکھتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم تجھ کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دیں (یعنی روح نہ نکالیں)؟ وہ کہتا ہے کہ مقام ہموم وغموم کی طرف (واپس کرتے ہو)؟ مجھ کو تو اللہ تعالیٰ کے پاس لے چلو۔

عن انس بن مالک رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله

علیه وسلّم: اذا جاء ملک الموت الٰی ولی الله سلم علیه، وسلامه علیه ان یقول: السلام علیک یا ولی الله! قم، فاخرج من دارک التی خربتها الٰی دارک التی عمرتها. اخرجه القاضی ابو الحسین بن العریف وابو الربیع المسعودی. (شرح الصدور)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ملک الموت خدا کے مقبول بندے کے پاس آتے ہیں تو اس کو سلام کرتے ہیں اور ان کا سلام یہ ہے کہ کہتے ہیں: السلام علیک یا ولی اللہ! اٹھو اور اس گھر سے جس کو خراب کردیا ہے، اس گھر کی طرف چلو جس کو معمور کردیا ہے۔ (یعنی دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف)

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: اذا اراد الله قبض روح المؤمن اوحٰی الٰی ملک الموت: اقرئه منی السلام. فاذا جاء ملک الموت لقبض روحه قال له: ربک یقرئک السلام. اخرجه ابو القاسم بن مندة فی کتاب الاحوال. (شرح الصدور)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مؤمن کی روح قبض کرنا چاہتا ہے تو ملک الموت کو حکم ہوتا ہے کہ اس کو میرا سلام کہنا۔ سو جب ملک الموت اس کی قبض روح کے واسطے آتے ہیں، اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب تجھ کو سلام فرماتا ہے۔ (سبحان اللہ! کیا دولت ہے، ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان)

عن زید بن اسلم رحمهما الله قال: یؤتی المؤمن عند الموت، فیقال له: لا تخف مما انت قادمٌ علیه. فیذهب خوفه. ولا تحزن علی الدنیا ولا علٰی اهلها، وابشر بالجنة. فیموت وقد اقر الله عینیه. اخرجه ابن حاتم، وفی "شرح الصدور" عنه ایضا فی الآیة: ﴿ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملٰئکة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی

كنتم توعدون○﴾ قال: يبشر بها عند موته، وفي قبره، ويوم يبعث: فانه لفي الجنة، وما ذهبت فرحة البشارة من قلبه.

زید بن اسلم رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ مؤمن کے پاس موت کے وقت فرشتوں کو بھیجا جاتا ہے اوران کی معرفت کہا جاتا ہے کہ جہاں تو جاتا ہے وہاں سے ڈرنا نہیں۔ سو اس کا خوف جاتا رہتا ہے۔ اور دنیا اور اہل دنیا کی مفارقت پرغم مت کرنا، اور جنت کے مژدے سے خوش ہو۔ سو وہ ایسی حالت میں مرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں ٹھنڈی کردیتا ہے (یعنی اس کو چین دیتا ہے)۔ اور ان ہی سے آیت ﴿ان الذين قالوا﴾ الآیہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اوقاتِ موت ودفن وحشر میں اس کو بشارت دی جاتی ہے، سو جنت میں جانے پر بھی اس بشارت کی فرحت اس کے قلب سے نہ جاوے گی۔

چھٹا باب

مرنے کے بعد ارواح کی باہمی ملاقات اور مکالمہ (گفتگو) میں

عن ابی ايوب الانصاری رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلّم قال: ان نفس المؤمن اذا قبضت، يلقاها اهل الرحمة من عباد الله، كما يلقون البشير من اهل الدنيا، فيقولون: انظروا صاحبكم يستريح فانه كان فی كرب شديد. ثم يسألون: ما فعل فلان وفلانة؟ هل تزوجت؟ فاذا سالوه عن الرجل الذی قدمات قبله، فيقول: انه قد مات ذاک قبلی. فيقولون: انا لله وانا اليه راجعون، ذهب به الٰى امه الهاوية، فبئست الام وبئست المربية. وقال: ان اعمالكم ترد علٰى اقاربكم وعشائركم من اهل الآخرة، فان كان خيرًا فرحوا

واستبشروا وقالو: اللّٰهم هٰذا فضلک ورحمتک، فاتمم نعمتک علیه وامته علیها. ویعرض علیهم عمل المسی ء، فیقولون: اللهم الهمه عملاً صالحا ترضٰی بهٖ وتقربه الیک. اخرجه ابن ابی الدنیا والطبرانی فی الاوسط. (شرح الصدور)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مؤمن کی روح قبض کی جاتی ہے، تو خدا کے مرحوم بندے اس طرح آگے بڑھ کر اس سے ملتے ہیں جیسے دنیا میں کسی خوشخبری لانے والے سے ملا کرتے ہیں۔ پھر (ان میں سے بعضے) کہتے ہیں کہ ذرا اس کو مہلت دو کہ دم لے لے، کیوں کہ (دنیا میں) یہ بڑے کرب میں تھا۔ بعد اس کے اُس سے پوچھنا شروع کرتے ہیں کہ فلانے شخص کا کیا حال ہے؟ اور فلان عورت کا کیا حال ہے کہ کیا اس نے نکاح کر لیا ہے؟ پھر اگر ایسے شخص کا حال پوچھ بیٹھے جو اس شخص سے پہلے مر چکا ہے اور اس نے کہہ دیا کہ وہ مجھ سے پہلے مر چکا ہے، تو انا للہ پڑھ کر کہتے ہیں کہ بس اس کو اُس کے ٹھکانے، یعنی دوزخ کی طرف لے جایا گیا، سو وہ جانے کی بھی بری جگہ ہے اور رہنے کی بھی بری جگہ ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے رشتہ دار اور خاندان والوں کے سامنے جو کہ آخرت میں ہیں، پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر عمل نیک ہوا تو وہ خوش اور بشاش ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! یہ آپ کا فضل اور رحمت ہے، سو اپنی یہ نعمت اس پر پوری کیجئے اور اسی پر اس کو موت دیجئے۔ اور ان پر گناہ گار کا عمل بھی پیش ہوتا ہے، سو وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! اس کے دل میں نیکی ڈال جو تیری رضا اور قرب کا سبب ہو جاوے۔

عن سعید بن جبیر رضی الله عنه قال: اذا مات المیت استقبله ولده، کما یستقبل الغائب. اخرجه ابن ابی الدنیا.

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کی اولاد (عالم

ارواح میں) اس طرح اس کا استقبال کرتی ہے جیسے کسی باہر گئے ہوئے کا (آنے کے وقت) استقبال کیا کرتی ہے۔

عن ثابت البنانی رحمه الله قال: بلغنا ان المیت اذا مات احتوته اهله واقاربه الذین تقدموه من الموتٰی فهم افرح به وهو افرح بهم من المسافر اذا قدم الی اهله. اخرجه ابن ابی الدنیا.

ثابت بنانی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ہم کو یہ روایت پہنچی کہ جب کوئی مرتا ہے تو (عالم ارواح میں پہنچنے کے وقت) اس کے اہل واقارب جو پہلے مرچکے ہیں، اس کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں، اور وہ اس سے مل کر اور یہ ان سے مل کر اس مسافر سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو اپنے گھر آتا ہے۔

ساتواں باب

تجہیز وتکفین کے وقت کے اعزاز میں

عن عمروبن دینار رحمه الله تعالٰی قال: ما من میت یموت الا وروحه فی ید ملک، ینظر الٰی جسده کیف یغسل وکیف یکفن وکیف یمشٰی به، ویقال له وهو علٰی سریره:اسمع ثناء الناس علیک. اخرجه ابو نعیم فی "الحلیة".

عمروبن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جو میت مرتی ہے اس کی روح ایک فرشتہ کے ہاتھ میں رہتی ہے، اپنے جسد کو دیکھتی ہے کہ کیوں کر غسل دیا جاتا ہے، کیوں کر کفن دیتے ہیں اور کیوں کر اس کو لے کر چلتے ہیں اور لاش ابھی تختہ ہی پر ہوتی ہے کہ اس سے فرشتے کہتے ہیں کہ لوگ جو تیری تعریف کررہے ہیں سن لے (کہ بشارتِ عاجلہ مقدمہ ہے خیرآئندہ کا)۔

ف: اسی طرح ملائکہ کی روایت کہ اس سے فرشتے یہ بات کہتے ہیں، حضرت سفیان

رحمہ اللہ سے بھی ابن ابی الدنیا نے نقل کی ہے۔ مقصود ملائکہ کا اس قول سے اس وقت اس کا جاہ (عزت) دکھلانا اور دل بڑھانا اور آئندہ کے لئے امید دلانا ہے۔ فقط

آٹھواں باب

مؤمن کے محبوب ہونے میں آسمان کے نزدیک

عن انس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قال: مامن انسان الا لہ بابان فی السماء: بابٌ یصعد عملہ فیہ منہ، وبابٌ ینزل منہ رزقہ، فاذا مات العبد المؤمن بکیا علیہ. اخرجہ الترمذی وابو یعلٰی وابن ابی الدنیا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں: ایک دروازہ جس سے اس کے اعمال چڑھتے ہیں اور ایک دروازہ جس سے اس کا رزق اترتا ہے۔ سو جب بندۂ مومن مرجاتا ہے وہ دونوں دروازے اس پر روتے ہیں۔

نواں باب

مؤمن کے محبوب ہونے میں زمین کے نزدیک

عن عطاء الخراسانی رحمہ اللّٰہ قال: مامن عبد یسجدللّٰہ سجدۃ فی بقعۃ من بقاع الارض، الا شھدت لہ یوم القیامۃ، وبکت علیہ یوم یموت. اخرجہ ابونعیم.

عطاء خراسانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جو شخص زمین کے کسی ٹکڑے پر سجدہ کرتا ہے، وہ ٹکڑا قیامت میں اس کیلئے گواہی دیگا اور اسکے مرنے کے دن اس پر روتا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما قال: ان الارض لتبکی علی المؤمن اربعین صباحًا. اخرجہ ابن ابی الدنیا والحاکم. (شرح الصدور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ زمین مؤمن (کے مرنے) پر چالیس دن تک روتی ہے۔

عن ابن عمر رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال:ان المؤمن اذا مات تجملت المقابر بموته، فلیس منه بقعة الا وهی تتمنّٰی ان یدفن فیها. رواه ابن عدی وابن مندة وابن عساکر.

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن جب مرجاتا ہے، تمام مواقع قبر کے اس کے مرنے پر اپنی آرائش کرتے ہیں۔ سو کوئی حصہ ان میں کا ایسا نہیں جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو کہ وہ اس میں مدفون ہو۔

دسواں باب

جنازے کے ساتھ فرشتوں کے چلنے میں

عن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلّم قال: ان داؤد (علیه السلام) قال:الٰهی! ماجزاء من شیع میتا الٰی قبره ابتغاء مرضاتک؟ قال: جزاؤه ان تشیعه الملائکة، فتصلی علٰی روحه فی الارواح. اخرجه ابن عساکر. (شرح الصدور)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! اس شخص کا کیا صلہ ہے جو کسی میت کے ساتھ اس کی قبر تک تیری رضا جوئی کے واسطے جاوے؟ ارشاد ہوا کہ صلہ اس کا یہ ہے کہ میرے فرشتے اس (کے جنازے) کے ساتھ جاویں گے، اور اس کی روح پر اور (نیک) روحوں کے ساتھ دعا کریں گے۔

ف:اس روایت میں جو آیا ہے کہ ''جو شخص میت کے دفن اور قبر تک لے جانے میں شریک ہوتا ہے اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے جنازے کے ساتھ فرشتے ہوں گے''، اس

سے مراد یہ ہے کہ اور زیادہ فرشتے ہوں گے، ورنہ فرشتے تو ہر مؤمن میت کے ساتھ ہوتے ہیں (جیسا کہ ساتویں باب میں گزرا)۔ دلیل اس کی یہی ہے کہ اس کو بدلہ فرمایا تشییع یعنی جنازہ میں شرکت کا۔ غرض دسویں، نویں، آٹھویں باب کی حدیثوں سے بھی مسلمان کا معزز و مکرم ہونا صاف ظاہر ہے کہ آسمان کے نزدیک اس کی کیسی عزت ہے کہ اس کا کام (یعنی عمل کے چڑھنے اور رزق کے اترنے کے) ختم ہو جانے سے روتا ہے اور زمین کے نزدیک اس کی کیسی وقعت ہے کہ اس کے مرنے سے عمل ختم ہو جانے پر، بلکہ خود اس شخص کے نہ رہنے پر روتی ہے، پھر یہ کہ زمین کا ہر ہر حصہ اس کی نعش کو اپنی آغوش میں رکھنے کی تمنا کرتا ہے اور فرشتوں کے نزدیک اس کی کیسی عظمت ہے کہ فوج و لشکر کی طرح اس کے جنازہ کے ساتھ چلیں۔ فرشتوں جیسی عظیم الشان اور جلیل القدر مخلوق کے نزدیک کسی کی ایسی عزت ہونا کچھ معمولی بات نہیں، دنیا میں یہ بات کسی بڑے سے بڑے ساتوں ولایت کے بادشاہ کو بھی میسر نہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ جب مردہ کو معلوم ہوتا ہوگا کہ میرا اس قدر اعزاز کیا گیا، خواہ اس کو خود دیکھتا ہوگا جیسا کہ اوپر کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے، یا بعد میں سنتا ہوگا، تو اس کے نزدیک عالم آخرت کی کیسی کچھ قدر ہوتی ہوگی اور دنیا اس کی نظروں میں کس قدر ذلیل ہوتی ہوگی اور یہاں سے وہاں چلے جانے کو کیسا غنیمت سمجھتا ہوگا۔ ایسی ہی چیزوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

﴿وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون٥﴾ (التطفیف: ۲۵)

یعنی اس میں حوصلہ آزمائی کریں حوصلہ آزمائی کرنے والے۔ اور

﴿لمثل ھذا فلیعمل العٰملون٥﴾ (الصافات: ٦١)

یعنی ان باتوں کیلئے کام کریں کام کرنیوالے۔ اللہ توفیق دینے والا اور مدد کرنیوالا ہے۔

یہاں تک وہ باتیں بیان ہوئیں جو دفن سے پہلے ہی حاصل ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے بعضی باتیں آئندہ کے لئے بھی باقی رہتی ہیں، جیسے روحوں کا آپس میں ملنا اور زمین کے نزدیک پیارا ہونا وغیرہ۔ فقط۔

گیارہواں باب

قبر یعنی عالم برزخ کی حسی و معنوی نعمتوں میں

(مرنے کے بعد قبل قیامت تک کو عالَم برزخ کہتے ہیں، برزخ کے معنی: درمیانی)

عن سعيد بن المسيب رحمه الله ان عائشة رضى الله عنها قالت: يا رسول الله! انک منذ حدثتنى بصوت منكر ونكير وضغطة القبر ليس ينفعنى شيءٌ. قال: يا عائشة! ان صوت منكر ونكير فى اسماع المؤمنين كالاثمد فى العين، وضغطة القبر على المؤمن كالام الشفيقة يشكوا اليها ابنها الصداع، فتغمز راسهٗ غمزًا رقيقًا، ولكن يا عائشة! ويلٌ للشاكين فى الله كيف يضغطون فى قبورهم كضغطة الصخرة على البيضة. اخرجه البيهقى وابن مندة.

سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے جب سے منکر ونکیر کی آواز اور قبر کے دبانے کا مجھ سے ذکر فرمایا ہے، کوئی چیز مجھ کو (تسلی میں) نافع نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! منکر ونکیر کی آواز اہل ایمان کے کانوں میں ایسی ہوگی جیسے سرمہ آنکھوں میں (لذت بخش ہوتا ہے)۔ اور قبر کا دبانا مؤمن کے حق میں ایسا راحت بخش ہوگا جیسے مادر مشفقہ سے اس کا بیٹا دردِ سر کی شکایت کرے اور وہ اس کے سر کو نرم نرم دبائے، لیکن اے عائشہ! خرابی تو ان لوگوں کی ہے جو خدا کے وجود یا احکام کے بارے میں شک رکھتے ہیں، وہ اس طرح سے قبروں میں دبائے جاویں گے جیسے انڈے پر پتھر رکھ کر دبایا جاوے۔

عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله

عليه وسلّم قال: اذا دفن العبد المؤمن قال له القبر: مرحبًا واهلًا اما
ان كنت لاحب من يمشي علٰى ظهرى الى فاذا وليتك اليوم وصرت
الى، فسترٰى صنعي بك. قال: فيتسع له مد بصره ويفتح له بابٌ الى
الجنة. قال: وقال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: القبر روضةٌ من
رياض الجنة، او حفرة من حفر النار. (اخرجه الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندۂ مؤمن دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: ع

بیا بیا و فرود آ کہ خانۂ تست

آؤ اور تشریف لاؤ کہ یہ گھر تیرا ہی ہے۔

تو ان سب میں میرے نزدیک زیادہ محبوب تھا جو میری سطح (یعنی میرے اوپر) پر چلتے تھے۔ سو جب آج میں تیری کارپرداز (خادم) بنائی گئی ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے، تو تُو میرا معاملہ اپنے ساتھ دیکھے گا۔ پھر حد نظر تک وہ اس پر فراخ ہو جاتی ہے اور بہشت کی طرف اس پر دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (یعنی صالح (مومن) کے لئے) یا دوزخ کی خندقوں میں سے ایک خندق ہے (یعنی طالح (کافر) کے لئے)۔

عن ابی هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: اذا قبر
الميت اتاه ملكان اسودان ازرقان، يقال لاحدهما منكرٌ وللآخر
نكير، فيقولون له: ما كنت تقول في هٰذا الرجل؟ فيقول: هو عبد الله
ورسوله، واشهد ان لا اله الا الله، واشهد ان محمدًا عبدهٗ ورسوله.
فيقولان: انا نعلم انك تقول هٰذا. ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعًا
في سبعين، ثم ينور له، فيقول: دعوني ارجع الٰى اهلي فاخبرهم.
فيقولون له: نم كنومة العروس الذي لايوقظه الا احب اهله اليه، حتى

یبعثہُ اللہ تعالٰی من مضجعہٖ ذٰلک. اخرجہ الترمذی والبیہقی.

حضرت ابو ہریرہ رضیٰ اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مردہ دفن ہوتا ہے تو دو فرشتے سیاہ رنگ نیلگوں (نیلی آنکھ والے) چشم اس کے پاس آتے ہیں۔ ان میں ایک منکر، دوسرا نکیر کہلاتا ہے۔ وہ دونوں اس سے پوچھتے ہیں: تو اس شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی سے (آثار دیکھ کر) جانتے تھے کہ تو یوں کہے گا۔ پھر ہفتاد (ستر) اور ہفتاد (ستر) ہاتھ اس کی قبر میں وسعت کر دی جاتی ہے، پھر وہ قبر منور کر دی جاتی ہے۔ پھر وہ شخص کہتا ہے کہ مجھ کو چھوڑ دو، اپنے گھر والوں کے پاس جا کر ان کو سب خبر کر دوں۔ وہ کہتے ہیں: دولہا کی طرح سو رہ کہ جس کو وہی شخص جگاتا ہے جو اس کے متعلقین میں سب سے زیادہ محبوب ہے (یعنی دلہن)۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز اس خواب گاہ سے محشور (اٹھائے گا) فرماوے گا۔

ف: ان فرشتوں کے سیاہ رنگ اور نیلی آنکھیں ہونے سے مؤمن بندہ خوف زدہ نہ ہوگا۔ چناں چہ ابن ماجہ کی حدیث میں لفظ "**غیر فزع ولا مشعوف**" موجود ہے، یعنی بندہ پریشان و بدحواس نہیں ہوتا۔ فقط

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: والذی نفسی بیدہٖ! ان المیت اذا وضع فی قبرہٖ، انہ لیسمع خفق نعالہم حین یولون عنہ. فاذا کان مؤمنا جاء ت الصلاۃُ عند رأسہٖ، والزکاۃ عن یمینہٖ، والصوم عن شمالہ، وفعل الخیراتِ والمعروف والاحسان الی الناس من قبل رجلیہ، فیوتٰی من قبل رأسہٖ، فتقول الصلاۃ: لیس من قبلی مدخل. فیؤتٰی من قبل یمینہٖ فتقول

الزکاۃ: لیس من قبلی مدخلٌ. فیوتٰی من قبل شماله فیقول الصوم: لیس من قبلی مدخل. ثم فیؤتٰی من قبل رجلیه فیقول فعل الخیرات وما یلیها من المعروف والاحسان الی الناس: لیس من قبلنا مدخلٌ، وفی آخر الحدیث: فیعاد الجسد الٰی اصلهٖ من التراب، وتجعل روحهٗ فی النسیم الطیب، وهو طیرٌ اخضر تعلق فی شجرة الجنة. اخرجه ابن ابی شیبة والطبرانی فی "الاوسط" وابن حبان فی صحیحه والحاکم والبیهقی.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ مردہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے وہ لوگوں کی واپسی کے وقت ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ پس اگر وہ مؤمن ہوا تو نماز اس کے سرہانے آ جاتی ہے، اور زکوٰۃ اس کے داہنی طرف، اور روزہ اس کے بائیں طرف، اور جو خیر اور نیکی اور احسان لوگوں کے ساتھ کیا تھا وہ پیروں کی جانب آ جاتا ہے۔ سو اگر سرہانے کی جانب سے عذاب آتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ میری طرف سے جگہ نہیں ملے گی۔ پھر داہنی طرف آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے جگہ نہ ملے گی۔ پھر بائیں جانب سے آتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ میری طرف سے جگہ نہیں ملے گی۔ پھر پیروں کی طرف سے آتا ہے تو امورِ خیر اور جو نیکی اور احسان کے کام لوگوں سے کئے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے جگہ نہ ملے گی۔ اور اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر جسد (جسم) تو اپنی اصل یعنی خاک میں مل جاتا ہے (یعنی اکثر، ورنہ بعض کے اجساد بحالہٖ رہتے ہیں) اور روح اس کی ہوائے لطیف یا ارواحِ طیبہ (دو ترجمے بوجہ تعددِ معانی نسیم کے کئے گئے) میں رہتی ہے، اور وہ سبز پرندے کے قالب میں ہو کر درخت جنت میں جاگزیں ہوتی ہے۔

ف: کتاب "شرح الصدور" کی بعض ایسی حدیثوں سے جو زبان فیض ترجمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد شدہ نہیں ہیں، روح کا جسم کے ساتھ قبر میں داخل ہونا

معلوم ہوتا ہے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روح سبز پرندہ کی قالب میں جنت میں چلی جاتی ہے۔ دونوں کی توجیہ یہ ہے کہ روح شروع دفن میں قبر میں جاتی ہے، پھر اس کو جنت میں لے جاتے ہیں، جیسا کہ یہی بات ''شرح الصدور'' کی ان حدیثوں سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ اور یا قبر میں داخل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس وقت اس کو جسم کے ساتھ بہت تعلق ہوتا ہے، گویا کہ وہ جسم کے ساتھ قبر کے اندر بھی چلی گئی۔ (جیسا کہتے ہیں: میں بیٹھا تو یہاں ہوں، مگر دل دوسری جگہ پڑا ہے)۔ پھر چند روز میں جب جسم گل سڑ جاتا ہے تو یہ تعلق بھی کم ہو جاتا ہے۔ فقط۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: ما من مسلم او مسلمة یموت لیلة الجمعة او یوم الجمعة، الا وقی عذاب القبر وفتنة القبر، ولقی اللہ ولا حساب علیه، وجاء یوم القیامة ومعه شھودٌ یشھدون لهٗ بالجنة او طابعٌ. (اخرجہ الترمذی والبیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت، شب جمعہ یا روزِ جمعہ کو وفات پاتا ہے، وہ عذابِ قبر اور امتحانِ قبر سے محفوظ رہتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے بلا حساب ملے گا، اور قیامت میں وہ اس طرح آوے گا کہ اس کے ساتھ یا تو گواہ ہوں گے جو اس کی بھلائی کی گواہی دیں گے، یا کوئی مہری سند ہو گی۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: ان الرجل اذا توفی فی غیر مولدہٖ یفسح لهٗ من مولدہٖ الٰی منقطع اثرہٖ فی الجنة. اخرجه احمد والنسائی وابن ماجه.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی اپنے غیر مولد (یعنی غیر وطن) میں مر جاتا ہے، تو اس کے مولد (وطن) سے لے کر جہاں اس کا چلنا پھرنا ختم ہو گیا ہے (یعنی جہاں مرا ہے) وہاں تک اس

کے لئے (قبر میں) کشادگی کردی جاتی ہے۔

ف: اس سے پردیس میں مرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جس سے اکثر محبانِ دنیا گھبراتے ہیں۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: ان ارحم مایکون اللہ بالعبد اذا وضع فی حفرتہٖ. اخرجہ ابن مندۃ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ سب احوال میں سے زیادہ رحم کرنے والا بندے پر اس حالت میں ہوتا ہے جب وہ اپنی قبر کے گڑھے میں رکھا جاتا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: اذا مات العالم صور اللہ علمہٗ فی قبرہٖ، فیؤنسہٗ الٰی یوم القیامۃ، ویدرا عنہ ھوام الارض. (اخرجہ الدیلمی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عالم مرجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے علم کی ایک صورت بنادیتا ہے، وہ قیامت تک اس کا انیس رہتا ہے، اور حشرات الارض (کیڑے مکوڑِ) کو اس سے ہٹا دیتا ہے۔

ف: اگر اس دنیا کے کیڑے مکوڑے مراد ہیں، تب یہ حکم غالباً کسی خاص خاص عالم کے لئے ہے، اور اگر عالم برزخ کے وہ کیڑے مکوڑے مراد ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے، تو ہر عالم کے لئے ہوسکتا ہے۔ فقط

اخرجہ الامام احمد فی "الزھد"، قال: اوحی اللہ عزوجل الٰی موسٰی علیہ السلام: تعلم الخیر وعلمہ الناس فانی منورٌ لمعلم العلم ومتعلمہٖ قبورھم، حتّٰی لایستوحشوا بمکانھم.

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے "زہد" میں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ خیر یعنی علم دین سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیوں کہ میں معلم اور طالب علم کے لئے ان کی قبروں کو منور رکھتا ہوں تاکہ وہ اس مکان میں گھبرائیں نہیں۔

عن ابی ایوب رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: من لقی العدو فصبر حتّٰی یقتل او یغلب، لم یفتن فی قبرہٖ. اخرجہ الطبرانی والنسائی.(مشکاۃ المصابیح)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دشمن سے مقابل ہوا اور ثابت قدم رہا حتیٰ کہ مقتول ہوا یا غالب آیا، تو قبر میں اس کا امتحان (یعنی سوال وجواب) نہ ہوگا۔

ان ابی امامۃ رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قال: من رابط فی سبیل اللّٰہ امنہ اللّٰہ من فتنۃ القبر. اخرجہ الطبرانی. (مشکاۃ المصابیح)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جہاد میں سرحد کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو امتحان قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔

عن سلمان بن صرد وخالد بن عرفطۃ رحمہما اللّٰہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: من قتلہ بطنہ لم یعذب فی قبرہٖ. اخرجہ الترمذی وابن ماجہ والبیہقی.(مشکوۃ المصابیح)

حضرت سلمان بن صرد اور خالد بن عرفطہ رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پیٹ کی بیماری میں ہلاک ہوجاوے اس کو قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال: من قرأ ﴿تبرک الذی بیدہ الملک﴾ کل لیلۃ، منعہ اللّٰہ بہا من عذاب القبر، وکنا فی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نسمیہا المانعۃ. اخرجہ النسائی.(مشکاۃ المصابیح)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص ہر شب کو سورۂ ملک پڑھ لیا کرے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور ہم اس کا نام عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مانعہ (یعنی بچانے والی عذاب سے) رکھتے ہیں۔

عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ: ان عذاب القبر یرفع عن

الموتٰی فی شهرِ رمضان. اخرجه البیهقی، قال ابن رجب:روی باسناد ضعیف. (مشکاۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے کہ ماہِ رمضان میں مردوں سے یا ماہِ رمضان کے مُردوں سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔

ف: حدیث کے ترجمہ میں یہ جو کہا گیا کہ ''ماہِ رمضان میں مُردوں سے یا ماہِ رمضان کے مُردوں سے'' حدیث میں دونوں احتمال ہیں۔ اول کے معنی یہ ہیں کہ جب رمضان آتا ہے تو تمام مردوں سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے اور دوسرے کے معنی یہ ہوئے کہ جو مردے رمضان میں مرتے ہیں ان سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔ اور سند کا ضعیف ہونا ایسی باتوں میں مضر نہیں، ہاں احکام میں مضر ہے۔ فقط۔

عن جبیر رحمه الله تعالٰی قال: اما والله الذی لا اله الا هو! لقد ادخلت ثابتًا البنانی فی لحدہٖ ومعی حمیدٌ الطویل، فلما سوینا علیه اللبن سقطت لبنة، فاذا هو فی قبرہٖ یصلی، وکان یقول فی دعائهٖ: اللهم ان کنت اعطیت احدًا من خلقک الصلاة فی قبرہٖ فاعطنیها. فما کان الله لیرد دعائه. اخرجه ابو نعیم فی ''الحلیة''.

حضرت جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے، وہ قسم اللہ وحدہٗ لاشریک کی کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی رحمہ اللہ کو ان کی لحد میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے۔ جب ہم نے ان پر کچی اینٹیں چنیں تو ایک اینٹ گر پڑی۔ میں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور وہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی عطا کیجیے۔ سو خدائے تعالیٰ نے ان کی دعا رد نہیں فرمائی، بلکہ جیسا موسیٰ علیہ السلام کو یہ دولت عطا ہوئی ہے اسی طرح ان کو بھی عطا ہوئی۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: ان بعض اصحاب النبی صلی الله علیه وسلّم جلس علٰی قبر وهو لا یحسب انه قبرٌ، فاذا فیه

انسانٌ یقرأ سورة الملک حتّٰی ختمها، فاتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فاخبره، فقال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: ھی المانعة وھی المنجیة، تنجیه من عذاب القبر. (اخرجه الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی صحابی کسی قبر پر بیٹھ گئے، اور (بوجہ نشان نہ ہونے کے) ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے۔ سو دیکھتے کیا ہیں کہ اس کے اندر ایک آدمی ہے جو سورۂ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس کو پورا ختم کیا۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر خبر کی، آپ نے فرمایا کہ یہ سورت (عذاب سے) بچانے والی ہے اور وہ نجات دینے والی ہے کہ مردے کو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔

عن عکرمة رحمه اللہ قال: یوتی المؤمن مصحفًا فی قبرہٖ یقرأفیه. اخرجه ابن مندة، نقل السھیلی فی "دلائل النبوة" عن بعض الصحابة: انه حفر قبرًا فی موطن فانفتحت طاقة، فاذا شخصٌ علٰی سریر وبین یدیه مصحف یقرافیه، وامامه روضة خضراء، وذٰلک باحد، وعلم انه من الشھداء لانه رآی فی صفحة وجھه جرحا. واورد ذٰلک ایضًا ابو حیان فی تفسیرہٖ.

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مؤمن کو (قبر میں) مصحف (قرآن) دیا جاتا ہے جس میں وہ پڑھتا ہے۔ بعض صحابہ سے منقول ہے کہ کسی موقع پر انہوں نے قبر کھودی (اور اتفاق سے اس کے پاس پہلے سے قبر تھی) پس اس کی طرف ایک طاق سا کھل گیا، دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شخص تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے آگے ایک قرآن رکھا ہے جس میں پڑھ رہا ہے اور اس کے سامنے ایک باغ سبز ہے اور یہ قصہ جبل اُحد میں ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص شہدا میں سے ہیں، کیوں کہ ان کے چہرے پر زخم بھی دیکھا۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: من قرأ القرآن ثم مات ولم یستظھرہٗ، اتاہ ملکٌ

يعلمه في قبره، فيلقى الله وقد استظهره. اخرجه ابو الحسن ابن شيران في فوائد من طريق عطية الاومي

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے پھر مرجاوے اور اس کو یاد نہیں کرنے پایا تھا، تو ایک فرشتہ قبر میں آ کر اس کو تعلیم دیتا ہے۔سووہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس کو حفظ کر چکا ہوگا (تا کہ مراتب میں کمی نہ رہے، جیسا ایک روایت میں عطیہ اوفی رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے: حتى يثيبه عليه)۔

ف: یہ اعمال یعنی قرآن ونماز وغیرہ قبر میں بطور وجوب (فرض ہونے) وتکلیف (ضروری ہونے) کے نہیں، بلکہ تلذذ (مزہ لینے) وزیادت درجات کیلئے ہیں۔فقط

عن قيس بن قبيصة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: من لم يوص لم يؤذن له في الكلام مع الموتٰى. قيل: يا رسول الله! وهل يكلم الموتٰى؟ قال: نعم، ويتزاورون. اخرجه ابو الشيخ ابن حبان في "كتاب الوصايا".

قیس بن قبیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بلا وصیت کے مرجاتا ہے، اس کو مردوں کے ساتھ کلام کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔

مصطفیٰ عرض کرتا ہے: اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی بات کے متعلق وصیت ضروری ہے، مثلاً حج فرض تھا اور اس کی وصیت نہ کی، یا کسی کا قرض رہ گیا اور اس کی وصیت نہ کی، تو اس کا یہ نتیجہ ہے کہ مُردوں سے بات کرنے کی اجازت نہ ملے گی۔

عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا مردے بھی باہم کلام کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، اور باہم ملتے جلتے بھی ہیں۔

عن عائشة رضى الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: مامن رجل يزور قبر اخيه ويجلس عنده، الا استانس به ورد عليه حتّٰى يقوم. اخرجه ابن ابى الدنيا فى كتاب المفتون.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کی قبر کی زیارت کرتا ہے اوراس کے پاس بیٹھتا ہے وہ اس سے مانوس ہوتا ہے اوراس کے سلام کا جواب دیتا ہے، یہاں تک کہ یہ جانے والا اُٹھ کھڑا ہو۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ ﷺ: مامن احد یمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا، فیسلم علیه، الا عرفه ورد علیه السلام. اخرجه ابن عبدالبر وصححه عبدالحق.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو دنیا میں پہچانتا تھا اوراس کو سلام کرتا ہے، تو وہ بھی اس کو پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم: ارواح الشهداء فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنة حیث شاء ت، ثم تاوی الٰی قنادیل تحت العرش. (اخرجہ مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح شہدا کی سبز پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی پھرتی ہیں، پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں آ کر قرار پکڑتی ہیں۔

عن کعب بن مالک رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم قال: انما نسمة المؤمن طائر یتعلق فی شجر الجنة حتّٰی یرجعه اللہ تعالٰی الٰی جسده یوم یبعثه اخرجه مالک واحمد والنسائی.

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کی روح ایک پرند کے قالب میں جنت کے درخت میں جاگزین رہتی ہے، یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسد کی طرف واپس لے آوے۔

عن ام بشر بن البراء انها قالت لرسول اللہ صلی اللہ علیه

وسلّم: یا رسول اللہ! هل تتعارف الموتٰی؟ قال: تربت یداکِ! النفس المطمئنة طیرٌ خضرٌ فی الجنة، فان کان الطیر یتعارفون فی رؤوس الشجر فانهم یتعارفون. اخرجه ابن سعد.

اُم بشر بن البراء سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا مردے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اری! خاک میں ملیں تیرے ہاتھ! (یہ بطورِ ترحم کے فرمایا، جیسا محاورہ ہے) روح مطمئن جنت میں سبز پرندوں کے قالب میں ہوتی ہے۔ سو اگر پرندے درختوں کی ڈالیوں میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ پہچانتے ہیں) تو وہ ارواح بھی ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں۔

اخرج الطبرانی فی مراسیل ضمرة بن حبیب، قال: سئل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلّم عن ارواح المؤمنین، فقال: فی حواصل طیر خضر تسرحُ فی الجنة حیث شاء ت.

کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارواحِ مؤمنین کا حال پوچھا، آپ نے فرمایا کہ سبز پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی پھرتی ہیں۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم: ان ارواح المؤمنین فی السماء السابعة ینظرون الٰی منازلهم فی الجنة. اخرجه ابو نعیم.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح مؤمنین کی ساتویں آسمان میں ہیں۔ (وہاں سے) اپنے منازل (مکانوں) کو جو ان کو جنت میں ملیں گے، دیکھتی ہیں۔

ف: برزخ کے متعلق روایتیں تو بے شمار ہیں، مگر ان میں سے اس گیارہویں باب میں صرف ستائیس (۲۷) حدیثیں بطور نمونہ نقل کی ہیں۔ ان ستائیس حدیثوں میں مع

کچھ اس سے پہلے بابوں کی حدیثوں کے برزخ کا عیش و آرام اور اعزاز و اکرام پوری طرح سے ذکر ہو گیا، کیوں کہ جسمانی اور روحانی نعمت اور خوشی کی قسمیں صرف یہی ہیں:

۱۔ تکلیفوں سے محفوظ رہنا	۲۔ مکان کا کشادہ ہونا
۳۔ حاکم کے نزدیک مقبول ہونا	۴۔ مددگاروں کی پناہ میں ہونا
۵۔ حاکم کا مہربان ہونا	۶۔ کسی ساتھی غم گسار کا پاس ہونا
۷۔ اندھیرے میں روشنی ہونا	۸۔ قرآن شریف کا پڑھنا
۹۔ نماز پڑھنا	۱۰۔ دوستوں اور عزیز و اقارب سے ملنا جلنا
۱۱۔ پاس آنے والوں سے دل بستگی ہونا	۱۲۔ کھانے پینے میں فراخی ہونا
۱۳۔ خصوصاً جنت کی نعمتیں کھانا پینا	۱۴۔ عمدہ فرش ہونا
۱۵۔ عمدہ لباس ہونا	۱۶۔ ہوادار مکان ہونا
۱۷۔ خصوصاً جنت کی ہوا آتی ہو	۱۸۔ تفریح کے لئے باغ ہونا

۱۹۔ خوشی کی خبریں سننا اور آپس میں جان پہچان ہونا، قیام گاہ کا عالی شان ہونا۔ جنت کے درخت سے اعلیٰ کون سی قیام گاہ ہوگی؟

۲۰۔ اپنا مقام جنت میں اپنی آنکھ سے دیکھنا۔

مذکورہ حدیثوں میں ان سب چیزوں کی خبر ہے، اس میں عیش کا تمام سامان آ گیا۔

ان سب سے صاف ثابت ہے کہ جو بات عوام کے خیال میں جمی ہوئی ہے کہ مردے یوں ہی بے کس بے بس تنہائی میں پڑے ہوئے گھٹا کریں گے، یہ خیال غلط ہے۔ بلکہ دنیا میں جس قدر سامان عیش کا کسی کے پاس ہو سکتا ہے وہ سب، بلکہ اس سے زیادہ اور عمدہ عالم برزخ میں نصیب ہوگا۔ ہاں بعض کے سامان عیش ایسے ہیں کہ وہ وہاں نہ ہوں گے، جیسے نکاح وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم برزخ میں غلبہ روحانی کیفیت کو ہوتا ہے، یہ جسمانی کیفیتیں اور جذبات کالعدم ہو جاتے ہیں، اس واسطے نکاح وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ قیامت میں جنت میں جائیں گے، تو

پھر وہی دنیا کا جسم مل جائے گا۔ لہٰذا وہ جذبات بھی پیدا ہو جائیں گے اور حوریں ملیں گی۔ رہا کھانا پینا، سو اس کی خواہش رہ سکتی ہے، کیوں کہ کمزور جسم کو بھی اس کی خواہش ہوتی ہے، جیسے بچہ کو یا بہت کمزور لبِ دم مریض کو۔ اس واسطے آیا ہے کہ مومنین کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں جنت میں چرتی پھرتی ہیں۔ فقط

اس باب کے متعلق ایک اور بات

اس باب میں جو کچھ ذکر ہوا، یہ سب وہ باتیں تھیں جو خود میت ہی کی حالتوں پر پیدا ہوتی ہیں اور یہ حالتیں بعضی اختیاری ہیں، جیسے ایمان لانا، یا نیک اعمال شریعت کے موافق ہونا اور بعضی غیر اختیاری ہیں، جیسے پردیس میں مرنا، یا جمعہ کے دن مرنا، یا پیٹ وغیرہ کے امراض میں مرنا (یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ غیر اختیاری باتوں پر بھی اجر و ثواب رکھا ہے) مگر یہ سب حالتیں ایسی تھیں جو میت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہیں۔ جب یہ حالتیں ختم ہو گئیں تو جو اجر و ثواب ان پر رکھا گیا ہے، وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مرنے سے ان کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، لیکن حق تعالیٰ کی ایک اور بھی رحمت ہے کہ دو طریقے اور ایسے بھی تجویز فرما دیئے جن کے ذریعہ سے اجر و ثواب مرنے سے ختم نہ ہو، اور ان کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے، اور دم بہ دم ثواب خوبی میں اور تعداد میں بڑھتا ہی رہے۔

ایک طریقہ ان میں سے یہ ہے کہ بعضے عمل ایسے تجویز فرما دیئے جن کا ثواب آدمی کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہے۔ اور دوسرا طریقہ ایسا ہے کہ میت نے خود وہ عمل زندگی میں کیا بھی نہیں، مگر دوسروں کے کرنے سے میت کو ثواب پہنچتا رہے۔ پہلی قسم کے عمل کو شرع کی اصطلاح میں باقیاتِ صالحات کہتے ہیں (یعنی وہ نیکیاں جن کا ثواب باقی رہتا ہے) اور دوسری قسم کے عمل کو ایصالِ ثواب کہتے ہیں۔

لہٰذا اب باب کے اخیر میں کچھ حدیثیں ان دونوں طریقوں کے متعلق لکھنا بھی مناسب معلوم ہوا۔ اور ان دونوں طریقوں کے علاوہ ایک اور طریق کا بھی پتہ چلتا

ہے، جس سے میت کو نفع پہنچتا ہے، حالانکہ اس میں نہ میت کے عمل کو دخل ہے نہ کسی زندہ کے فعل کو، وہ محض اس کا مصداق ہے۔ع

رحمت حق بہانہ ڈھونڈتی ہے

اس بیان کے اخیر میں اس تیسرے طریق کے متعلق بھی حدیثیں لکھی جائیں گی۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: اذا مات الانسان انقطع عملہ، الا من ثلاث: صدقۃ جاریۃ، او علم ینتفع بہ، او ولدٌ صالحٌ یدعو لہ، اخرجہ البخاری فی "الادب" و مسلم. (شرح الصدور)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال موقوف ہوجاتے ہیں بجز تین چیزوں کے (کہ مرنے پر بھی وہ باقی رہتی ہیں) یا تو صدقۂ جاریہ (مثل وقف وغیرہ) یا ایسا علم جس کا نفع پہنچ رہا ہو (مثل تصنیف وتدریس وحفظ) یا نیک فرزند جو اس کیلئے دعا کرتا ہو۔

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: اربعۃٌ تجری علیھم اجورھم بعد الموت: مرابطٌ فی سبیل اللہ، ومن علم علما، ورجل تصدق بصدقۃ فاجرھا لہ ما جرت، ورجل ترک ولدًا صالحًا یدعولہ. اخرجہ احمد. (شرح الصدور)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ چار شخص ایسے ہیں کہ ان کا ثواب بعد مرنے کے بھی جاری رہتا ہے ایک وہ کہ جو جہاد میں سرحد کی حفاظت کرتا ہو اور ایک وہ شخص جو علم (دین) سکھلائے اور ایک وہ شخص جو کوئی صدقہ دے جاوے تو جب تک وہ جاری رہے گا اس کا ثواب اس کو ملے گا اور ایک وہ شخص جو فرزند صالح چھوڑ جاوے کہ وہ اس کے لئے دعا کرے۔

عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مرفوعًا: من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہٖ من غیر ان ینقص من

اجورهم شيءٌ. اخرجه مسلم. (شرح الصدور)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی مروی ہے کہ جو شخص کوئی نیک طریقہ جاری کرے پس اس کو اس طریقۂ نیک کا ثواب بھی ملے گا اور ان شخصوں کے کرنے سے بھی ثواب ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے بدون اس کے کہ اس کے ثواب میں سے کچھ کم کیا جاوے۔

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه مرفوعًا: من علم آية من كتاب الله عزوجل اوبابا من علم انمى الله اجره الى يوم القيامة. اخرجه ابن عساكر. (شرح الصدور)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی مروی ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کی ایک آیت، یا علم دین کا ایک باب یعنی ایک مسئلہ بھی سکھلاوے، اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کا اجر و ثواب بڑھاتا رہتا ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: ان مما يلحق المؤمن من حسناته بعد موته علما نشره، او ولدا صالحًا تركه، او مصحفاً ورثه، او مسجدًا بناه، او بيتا لابن السبيل بناه، اونهرًا اجراه. الحديث اخرجه ابن ماجه. وفي رواية عن انس مرفوعًا: او غرس نخلًا. اخرجه ابونعيم. (شرح الصدور)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من جملہ ان نیکیوں کے جو مومن کو اس کے مرنے کے بعد پہنچتی رہتی ہیں، یہ ہیں: ایسا علم جس کو شائع کیا ہو، یا فرزند صالح جس کو چھوڑ کر مرا ہو، یا قرآن مجید جس کو میراث میں چھوڑا ہو، یا مسجد جس کو بنایا ہو، یا مسافر خانہ جس کو بنایا ہو، یا نہر جس کو جاری کیا ہو۔ اور ایک روایت میں ہے: یا کوئی درخت لگایا ہو۔

عن ابی سعيد الخدری رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى

اللّٰه علیه وسلّم: یتبع الرجل یوم القیامة من الحسنات امثال الجبال، فیقول: انّٰی هذا؟ فیقال: باستغفار ولدک لک. (شرح الصدور)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بعضے آدمی کے ساتھ پہاڑوں کے برابر نیکیاں ہوں گی، وہ عرض کرے گا کہ یہ کہاں سے آئیں؟ ارشاد ہوگا کہ تیرے واسطے تیری اولاد کے استغفار کرنے کی بدولت۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلّم: ان الله لیرفع الدرجة للعبد الصالح فی الجنة، فیقول: یا رب! انّٰی لی هٰذه؟ فیقول: باستغفار ولدک لک. اخرجه الطبرانی. (شرح الصدور)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک بندہ کا درجہ جنت میں بلند فرماوے گا، وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! یہ بات مجھ کو کہاں سے نصیب ہوئی؟ ارشاد ہوگا کہ تیری اولاد کے دعا کرنے سے جو تیری مغفرت کے لئے کی تھی۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم: ما المیت فی قبره الّا شبهُ الغریق المتغوث، ینتظر دعوة تلحقه من اب او ام او ولد او صدیق، فاذا لحقته کانت احب الیه من الدنیا وما فیها، وان الله تعالٰی لیدخل علی اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال الجبال وان هدیة الاحیاء الی الاموات الاستغفارِ لهم. اخرجه البیهقی فی "شعب الایمان".

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت اپنی قبر میں ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی ڈوبتا ہوا متوقع مدد کا ہوتا ہے۔ وہ دعا کا منتظر رہتا ہے کہ باپ یا ماں یا اولاد یا کسی دوست کی جانب سے اس کو پہنچ جاوے۔ پس

جب وہ دعا پہنچتی ہے تو یہ اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ ا
اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی دعا کے سبب اہل قبور پر پہاڑوں کے برابر (ثواب) پہنچاتا ہے
اور زندوں کا ہدیہ مردوں کی طرف ان کے لئے دعائے مغفرت مانگنا ہے۔

عن سعد بن عبادة رضي الله عنه انه قال: يا رسول الله! ان امي ماتت، فاى الصدقة افضل؟ قال: الماء. فحفر بئرًا، وقال: هذه لام سعد. اخرجه احمد والاربعة. (شرح الصدور)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ماں مر گئیں، تو سب میں افضل کون سی خیرات ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی۔ پس انہوں نے ایک کنواں کھدوا دیا اور کہہ دیا کہ ام سعد (کو ثواب پہنچانے) کے واسطے ہے۔

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: اذا تصدق احدكم بصدقة تطوعا فليجعلها عن ابويه، فيكون لهما اجرها ولا ينتقص من اجره شيئا. اخرجه الطبرانى (شرح الصدور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی تم میں سے نفل صدقہ دیا کرے تو اپنے والدین کی طرف سے (بھی) دیا کرے، ان کو اس کا ثواب مل جاوے گا اور اس دینے والے کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔

عن الحجاج بن دينار رحمه الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: ان من البر بعد البر ان تصلى عليهما مع صلاتک وان تصوم عنهما مع صيامک، وان تصدق عنهما مع صدقتک. اخرجه ابن ابى شيبة. (شرح الصدور)

حجاج بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین کی ایک خدمت (حیات) کے بعد دوسری خدمت (بعد الممات) یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے (ثواب پہنچانے) کے لئے نماز پڑھ لیا کرو اور اپنے روزے کے

ساتھ ان کی طرف سے روزہ رکھ لیا کرو اور اپنے صدقہ کے ساتھ ان کی طرف سے صدقہ دیا کرو (یعنی اپنی عبادت فرض کے علاوہ ان کو عبادتِ نفل کا ثواب بخشا کرو)۔

اخرج الخلال فی "الجامع" عن الشعبی رحمه الله قال: کانت الانصار اذا مات لهم المیت، اختلفوا الٰی قبره یقرؤون له القرآن. (شرح الصدور)

شعبی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انصار کی عادت تھی جب کوئی مرجاتا تو اس کی قبر پر آمدورفت کیا کرتے اور اس کے (ثواب بخشنے کے) لئے قرآن پڑھا کرتے۔

قلت: ولولم یصل عندهم لما قرؤوا، واعتقادهم الوصول لا یکون بلا دلیل، فثبت الوصول. (شرح الصدور)

میں کہتا ہوں کہ اگر ان کے اعتقاد میں قرآن کا ثواب نہ پہنچتا تو وہ قرآن نہ پڑھا کرتے اور ان کو یہ اعتقاد بلا دلیل نہیں ہے، (اور ان کی دلیل بجز ارشادِ نبوی کے کیا ہے؟) تو (ارشادِ نبوی سے) قرآن کا ثواب پہنچنا ثابت ہوگیا۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما، قیل: یا رسول الله! وهل ینفع الجار الصالح فی الآخرة؟ قال: هل ینفع فی الدنیا؟ قال نعم...... قال: کذٰلک فی الآخرة. اخرجه المالینی.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا نیک ہمسایہ آخرت میں کچھ کام آتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا دنیا میں کام آتا ہے؟ سائل نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اسی طرح آخرت میں کام آتا ہے۔

عن عبدالله بن نافع المزنی رحمه الله قال: مات رجلٌ بالمدینة فدفن بها، فرآه رجلٌ کانه من اهل النار، فاغتم لذٰلک، ثم اریه بعد سابعة او ثامنة کانه من اهل الجنة، فسأله، قال: دفن معنا رجل من الصالحین، فشفع فی اربعین من جیرانه فکنت فیهم. اخرجه ابن ابی الدنیا. (شرح الصدور)

عبداللہ بن نافع مزنی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مدینے میں مرگیا اور

وہیں دفن کردیا گیا۔ اس کو ایک شخص نے (خواب میں) دیکھا کہ وہ دوزخی ہے، مغموم ہوا۔ پھر ساتویں یا آٹھویں دن کے بعد دیکھا کہ وہ جنتی ہے۔ اس نے اس سے پوچھا، جواب دیا کہ ہمارے پاس ایک شخص صلحا میں سے دفن کیا گیا ہے، اس کی سفارش آس پاس کے چالیس آدمیوں کے بارے میں مقبول ہوئی، ان ہی میں ایک میں تھا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: مرَّ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم بقبرین، فقال: انہما لیعذبان، وفی الحدیث: ثم اخذ جریدة رطبة فشقہا بنصفین، ثم غرز فی کل قبر واحدة، قالوا: یارسول اللہ! لم صنعت ہذا؟ قال: لعلہ ان یخفف عنہما مالم ییبسا. متفق علیہ. (مشکوٰة المصابیح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گزر ہوا، فرمایا کہ یہ دونوں مردے معذب ہو رہے ہیں۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ پھر آپ نے ایک تر شاخ کھجور کی لے کر بیچ میں سے اس کو چیر کر دو حصے کر کے ایک ایک قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ نے کس مصلحت سے کیا؟ آپ نے فرمایا: اُمید ہے کہ جب تک خشک نہ ہوں ان سے عذاب ہلکا ہو جائے۔

عن قتادة رضی اللہ عنہ ان ابا برزة کان یوصی: اذامت فضعوا فی قبری معی جریدتین. اخرجہ ابن عساکر. شرح الصدور، وفیہ: وہٰذا الحدیث اصلٌ فی غرس الاشجار عندالقبور.

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو برزہ وصیت کرتے تھے کہ جب میں مرجاؤں تو میری قبر میں دو شاخ کھجور کی رکھ دینا۔ "شرح الصدور" میں مذکور ہے کہ یہ حدیث اس کی اصل ہے جو قبور کے پاس درخت لگا دیتے ہیں۔

عن وہب بن منبہ رحمہ اللہ قال: مرا ارمیاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم بقبور یعذب اہلہا، فلما ان کانت بعد سنة مربہا فاذا العذاب قدسکن عنہا، فقال: قدوس! مررت بہذہ القبور عام اول

واھلھا یعذبون، ومررت فی ھذہ السنۃ وقد سکن العذاب عنھا. فاذا النداء من السماء: یا ارمیاء! یا ارمیاء! تمزقت اکفانھم، وتمعطت شعورھم، ودرست قبورھم، فنظرت الیھم فرحمتھم، وھکذا افعل باھل القبور الدارسات والاکفان المتمزقات والشعور المتمعطات.

اخرجہ ابن النجار فی تاریخہ. (شرح الصدور)

وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ارمیاء پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گزر چند قبروں پر ہوا جن کے مردوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ ایک سال کے بعد جو پھر ادھر گزر ہوا تو دیکھتے کیا ہیں عذاب کو سکون ہو گیا تھا۔ عرض کیا: او پاک پروردگار! میں اول سال جو ان قبور پر گزرا تھا تو ان کے مردے معذب ہو رہے تھے اور اس سال جو گزرا تو عذاب کو سکون ہو گیا۔ آسمان سے ایک آواز آئی: اے ارمیاء! ان کے کفن پھٹ گئے اور بال جھڑ گئے اور قبریں (ٹوٹ پھوٹ کر) بے نشان ہو گئیں، میں نے (اس حالت میں) جو ان کو دیکھا تو مجھ کو رحم آیا، اور میں یہی معاملہ کرتا ہوں ان لوگوں کے ساتھ جن کی قبریں بے نشان ہو جاویں اور جن کے کفن پھٹ جاویں اور جن کے بال جھڑ جاویں۔

ایک شبہ کا جواب

وہ شبہ یہ ہے کہ جو حدیثیں اس جگہ یا اس سے پہلے مذکور ہوئی ہیں، ان سے موت کا شوق جب پیدا ہو سکتا ہے کہ ان کے مقابلہ میں دوسری روایتیں ایسی نہ ہوں جن میں ایسے مضمون مذکور ہیں کہ بعض لوگوں کے لئے موت اور موت کے بعد کا زمانہ سخت مصیبت کی چیز ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اول تو جو اسباب ہیں ان مصیبتوں کے یعنی گناہ، ان سے بچنا اختیاری بات ہے تو ان مصیبتوں میں جو کوئی مبتلا ہوتا ہے تو اس کی تدبیر وہ خود کر سکتا ہے وہ یہ کہ وہ گناہوں کو چھوڑ دے، پھر وہ ان مصیبتوں میں کیوں پڑے گا؟

اگر ایسے شبہوں پر خیال کیا جائے تو دنیا میں کوئی چیز اچھی سے اچھی بھی باعث شوق

نہ ہوگی، کیوں کہ سب کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ان کے حاصل کرنے کے جو طریقے ہیں ان کے خلاف طریقوں کو جو کوئی اختیار کرے گا، وہ ان چیزوں کے حصول سے محروم رہے گا۔ ہماری غرض تو ان حدیثوں کے لکھنے سے یہ ہے کہ موت اور موت کے بعد کے حالات کا خیال کر کر کے جو عام طور سے وحشت طبیعتوں کے اندر ہے، وہ ان حدیثوں کے پڑھنے اور سننے سے جاتی رہے۔ ان فضیلتوں اور نعمتوں کے حاصل ہونے کے طریقے تو ظاہر بات ہے کہ ان پر عمل کرنا ضروری ہے، اور ہمارا یہ مطلب نہیں کہ بلا کسی قید کے ان فضیلتوں کا وعدہ ہے، یا کسی کا قرض آتا ہے کہ وہ زبردستی وصول کرسکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ حدیثوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ گار کو جو تکلیفیں پیش آتی ہیں وہ بھی نری تکلیفیں نہیں، بلکہ ان میں بھی کچھ سہولت ملی رہتی ہے، اور وہ بھی اُمید سے اور مصلحت سے خالی نہیں۔ چناں چہ یہاں کچھ حدیثیں ایسی ہی لکھی جاتی ہیں:

وفي الفردوس عن ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعا: اذا امر الله ملك الموت بقبض ارواح من استوجب النار من مذنبي امتي، قال: بشرهم بالجنة بعد انتقام كذا وكذا علٰى قدرما يعملون يحسبون في النار، فالله سبحانه ارحم الراحمين.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشادِ نبوی مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ملک الموت کو میرے گناہ گارانِ اُمت میں سے مستحق دوزخ کی روح کے قبض کرنے کا حکم دیتے ہیں، تو ملک الموت کو ارشاد ہوتا ہے کہ ان گناہ گاروں کو بشارت دے دو کہ بقدر اپنے اعمال کے نار میں محبوس رہ کر اتنے اتنے انتقام کے بعد جنت میں جاؤ گے، کیوں کہ اللہ سبحانہ ارحم الراحمین ہیں۔

عن عطاء بن يسار رحمه الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم لعمر بن الخطاب: يا عمر! كيف بك اذا انت مت، فقاسوا لك ثلاثة اذرع وشبرًا في ذراع وشبر، ثم راجعوا اليك وغسلوك

وکفنوک وحنطوک، ثم احتملوک حتّٰی یضعوک فیه، ثم یهیلوا علیک التراب، فاذا انصرفوا عنک اتاک فتانا القبر منکر ونکیرٌ، اصواتهما کالرعد القاصف، وابصارهما کالبرق الخاطف، فتلتلاک وترتراک وهولاک، فیکف بک عند ذٰلک یاعمر؟ قال: یا رسول اللہ! ومعی عقلی؟ قال: نعم قال اذن اکفیکهما. اخرجه ابونعیم وابن ابی الدنیا والبیهقی، وفی روایة قول عمر: اتردالینا عقولنا؟ قال: نعم، کهیئتکم الیوم. الحدیث، اخرجه احمد والطبرانی (شرح الصدور)

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تم مرجاؤ گے، اور لوگ تمہارے لئے ساڑھے تین ہاتھ لمبی اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑی قبر کی پیمائش کریں گے؟ پھر تمہارے پاس واپس آکر تم کو غسل اور کفن دیں گے، اور خوش بو ملیں گے۔ پھر تم کو اٹھا کر لے جاویں گے، یہاں تک کہ اس قبر میں رکھ دیں گے۔ پھر تم پر مٹی ڈال دیں گے۔ پھر جب لوگ چلے آویں گے تو تمہارے پاس دو ممتحن (امتحان لینے والے) قبر کے، یعنی منکر نکیر آ پہنچیں گے، جن کی آواز مثل سخت گرج کے ہوگی اور آنکھیں مثل برقِ درخشاں (چمکتی ہوئی بجلی) کے ہوں گی۔ سو تم کو ہلا ڈالیں گے اور حاکمانہ گفتگو کریں گے اور ہول دل بٹھلاویں گے۔

سو اس وقت اے عمر! تمہاری کیا کیفیت ہوگی؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری عقل اس وقت درست ہوگی؟ فرمایا: ہاں۔ عرض کیا کہ بس کام چلا لوں گا اور ایک روایت میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا ہماری عقلیں ہماری طرف عود کر آویں گی؟ فرمایا: ہاں تمہاری (عقل کی) جو آج حالت ہے۔

واخرج الحکیم الترمذی عن حذیفة رضی الله عنه قال: فی القبر حسابٌ، وفی الآخرة حسابٌ، فمن حوسب فی القبر نجاء ومن

حوسب فی القیامة عذب. قال الحکیم: انما یحاسب المؤمن فی القبر لیکون اھون علیه غدًا فی الموقف، فیمحصه فی البرزخ لیخرج من القبر وقد اقتص منه. (شرح الصدور)

حکیم ترمذی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک حساب قبر میں ہے اور ایک آخرت میں ہے۔ سو جس شخص کا قبر میں حساب ہو جاوے اس نے نجات پائی اور جس کا قیامت میں حساب ہوا وہ معذب ہوا۔

حکیم ترمذی نے (اس کی شرح میں) کہا ہے کہ مؤمن کا تو قبر میں اس لئے حساب ہو جاتا ہے تاکہ کل قیامت کے دن اس کو سہل ہو جاوے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو برزخ میں کسی قدر کلفت دے کر اس کو (گناہوں سے) پاک صاف کر دیتا ہے، تاکہ قبر سے بدلہ لیا ہوا نکلے، پھر قیامت میں بچا رہے۔ اور غیر مؤمن کا حساب قیامت کے دن پر رہتا ہے اور برزخ کا عذاب علاوہ حساب کے ہے۔

ف: پہلی روایت سے گناہ گاروں کو بھی نزع کے وقت بشارت ملنا ثابت ہوا۔ (شرح الصدور)

مصطفیٰ کہتا ہے کہ اس بشارت میں گو عذاب کا بھی ذکر ہے کہ فلاں فلاں گناہ کی سزا مل کر جنت ملے گی، لیکن یہ ایسا ہے جیسے کسی قتل کے مجرم کو جس کو یقین ہو چکا ہو کہ پھانسی ہوگی اور اس کو حکم سنایا جاوے کہ بجائے پھانسی کے سات سال کی سزا (قید) رہ گئی اور سات سال کے بعد پچاس گاؤں بھی ملیں گے، تو خوشی کے مارے اس کی کیا حالت ہوگی؟ پھر یہ کہ عذاب کی خبر مرتے وقت سنائی جاوے گی، لیکن ابھی ان گناہوں کی مغفرت کے چند ذرائع باقی ہیں۔ مثلاً: اس کی اولاد کی دعا، یا کسی مسلمان کی دعا، یا کوئی صدقہ جاریہ، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، یا دیگر مؤمنین کی شفاعت، یا سب سے اخیر میں ارحم الراحمین کا ترحم۔ یہ سب احادیث سے ثابت ہیں)۔

اور دوسری روایت سے مؤمنین کے لئے عام طور سے یہ بشارت ہوئی کہ وہ منکر نکیر کو قبر میں صحیح جواب دے سکیں گے۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال میں یہ "ہماری

عقلیں'' کا لفظ ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ''ہاں'' فرمانا، صاف بتاتا ہے کہ یہ حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام مؤمنین کو شامل ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤمن کی عقل سوال کے وقت صحیح ہوگی اور عقل کے صحیح ہونے پر جواب ٹھیک دے سکنے کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا، اس سے وہ اُمید بہت قوی ہوجاتی ہے۔

اور تیسری روایت سے یہ ثابت ہوا کہ قبر کی سختی بھی مصلحت سے خالی نہیں، اس سے آخرت کی سختیوں سے نجات ہوجاتی ہے۔ تینوں حدیثوں سے یہ تینوں مضمون صاف ثابت ہوتے ہیں، تو اس سے ہمارا وہ دعویٰ ثابت ہوگیا کہ گناہ گار پر بھی جو تکلیفیں آتی ہیں، وہ بھی سہولت اور رحمت اور اُمید سے خالی نہیں ہوتیں۔ فقط

بارہواں باب

محشر کی راحت وسہولت میں

عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: سبعة یظلھم اللّٰہ تعالٰی فی ظلہ یوم لاظل الاظلہ: امام عادل، وشاب نشا فی عبادۃ اللّٰہ عزوجل، ورجل قلبہ معلق بالمسجد اذا خرج منہ حتّٰی یعود الیہ، ورجلان تحابا فی اللّٰہ، اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ، ورجل ذکر اللّٰہ خالیا ففاضت عیناہ، ورجل دعتہ امراۃ ذات حسب وجمال، فقال: انی اخاف اللّٰہ، ورجلٌ تصدق بصدقۃ فاخفاھا حتّٰی لاتعلم شمالہ ما تنفق یمینہ، متفق علیہ (مشکوۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ (عرش) میں اس روز سایہ دے گا جس دن کو اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا: ایک بادشاہ عادل۔ اور ایک وہ جوان جس کی نشو ونما خدا کی عبادت میں ہو۔ اور ایک وہ شخص جس کا قلب مسجد میں لگا

رہے جب وہاں سے باہر جاوے جب تک پھر وہاں نہ آ جاوے۔ اور وہ دو شخص جن میں باہم اللہ کے واسطے محبت ہو کہ اسی کو لیے ہوئے ملیں اور اسی کو لیے ہوئے الگ ہوں۔ اور ایک وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو جاویں۔ اور ایک وہ شخص جس کو کوئی آن بان والی عورت بلاوے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور ایک وہ شخص جو کوئی خیرات دے اور اس کو اس طرح مخفی کرے کہ اس کے داہنے ہاتھ کا خرچ کیا ہوا بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: يحشر الناس يوم القيامة ثلاثة اصناف: صنفًا مشاةً، وصنفًا ركباناً، وصنفًا على وجوههم. رواه الترمذی.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ تین قسم کی جماعت ہو کر میدانِ حشر میں آویں گے: ایک قسم پیادہ اور ایک قسم سوار اور ایک قسم اپنے منہ کے بل۔

قال الشراح: المشاة هم المؤمنون الذين خلطوا عملًا صالحًا بسيئها. وقالوا فی الركبان: هم السابقون الكاملون فی الايمان.

شراح نے کہا ہے کہ پیادہ وہ اہل ایمان ہوں گے جنہوں نے نیک اور بد عمل ملے جلے کئے تھے۔ اور سواروں کی نسبت کہا ہے کہ وہ عالی درجہ لوگ ہیں جو ایمان میں کامل ہیں۔ اور کفار منہ کے بل اُلٹے چلائے جاویں گے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی ﷺ فی حديث طويل: واول من يكسٰی يوم القيامة ابراهيم. متفق عليه. فی "المرقاة ان الاولياء يقومون من قبورهم حفاةً غراة، لكن يلبسون اكفانهم، ثم يركبون النوق، ويحضرون المحشر، فيكون هٰذا الالباس محمولاً على الخلع الالٰهية، والحلل الجنتية على الطائفة الاصطفائية.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اول قیامت کے روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جاوے گا (سو معلوم ہوا کہ اوروں کو بھی لباس ملے گا)۔ اس کی نسبت ''مرقات'' میں ہے کہ مقبولین قبروں سے تو برہنہ پا، برہنہ بدن اٹھیں گے، لیکن ان کو ان کا کفن پہنا دیا جاوے گا، پھر اونٹیوں پر سوار کر کے محشر میں حاضر کئے جاویں گے۔ پس یہ لباس پہنانا جو حدیث میں ہے، خدائی خلعتوں اور بہشتی حلوں پر محمول ہوگا، جو برگزیدہ جماعت کو پہنایا جاوے گا۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: ان اللہ یدنی المؤمن فیضع علیہ کنفہ ویسترہ، فیقول اتعرف ذنب کذا؟ اتعرف ذنب کذا؟ فیقول: نعم، ای رب! حتّٰی قررہ بذنوبہٖ ورآی فی نفسہٖ انہ قد ھلک. قال: سترتھا علیک فی الدنیا وانا اغفرھالک الیوم. فیعطٰی کتاب حسناتہ. متفق علیہ.(مشکاۃ المصابیح)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (حساب کے وقت) مؤمن کو اپنے قریب کر کے اس پر دامن رحمت رکھ کر اس کو چھپا لے گا، اور فرماوے گا کہ تجھ کو فلاں فلاں گناہ یاد ہے؟ وہ عرض کرے گا: ہاں، اے پروردگار! یہاں تک کہ اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرا لے گا اور وہ اپنے جی میں سمجھے گا کہ میں تباہ ہوا۔ ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں بھی وہ گناہ چھپائے تھے اور آج بھی معاف کرتا ہوں۔ پس اس کی نیکیوں کا رجسٹر اس کو دے دیا جاوے گا۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ انہ اتٰی رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فقال: اخبرنی من یقوٰی علی القیام یوم القیامۃ؟ فقال: یخفف علی المؤمن حتّٰی یکون علیہ کالصلاۃ المکتوبۃ. وفی روایۃ: سئل رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم عن یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ، فقال نحوہ. رواھما البیھقی.(مشکوۃ المصابیح)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ ارشاد فرمائیں کہ قیامت کے روز (کہ بہت طویل ہوگا) کھڑے رہنے کی قوت کس کو ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ مسلمان پر اس قدر ہلکا ہو جاوے گا جیسے فرض نماز (میں کھڑا ہونا ہلکا ہوتا ہے)۔اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کی نسبت پوچھا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی (یعنی قیامت کا دن) آپ نے اسی طرح کا جواب ارشاد فرمایا۔

عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم: ان حوضی ابعد من ایلة الٰی عدن، لھو اشد بیاضًا من الثلج واحلٰی من العسل باللبن، والآنیته اکثر من عدد النجوم، وانی لاصد الناس عنه کما یصد الرجل ابل الناس عن حوضه. قالوا: یا رسول اللّٰہ اتعرفنا یومئذ؟ قال: نعم، لکم سیماءٌ لیست لاحد من الامم، تردون علی غرا محجلین من اثر الوضوء. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا حوض اس سے بھی زیادہ وسیع ہے جیسے ایلہ سے عدن تک فاصلہ ہے۔ وہ برف سے زیادہ صاف ہے اور شہد سے زیادہ شیریں ہے اور اس کے برتن ستاروں کی گنتی سے زیادہ ہیں۔اور میں غیر لوگوں کو اس سے اس طرح ہٹاؤں گا جس طرح کوئی شخص لوگوں کے اونٹوں کو اپنے حوض سے ہٹاتا ہے (جب وہ لوگ اپنے اونٹوں کو اس حوض پر پانی پلاتے ہوں)۔لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ ہم کو اس روز پہچانیں گے؟ فرمایا: ہاں، تمہاری ایک نشانی ہوگی جو کسی اور امت میں نہ ہوگی وہ یہ کہ تم میرے پاس اس حالت میں آؤ گے کہ تمہارا چہرہ اور ہاتھ پاؤں آثار وضو سے روشن ہوں گے۔

عن ابی ذر رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم: انی لاعلم آخر اھل الجنة دخولا الجنة وآخر اھل النار

خروجا منها. رجل یؤتٰی به یوم القیامة، فیقال: اعرضوا علیه صغار ذنوبه، وارفعوا عنه کبارها. فتعرض علیه صغار ذنوبه فیقال: عملت یوم کذا وکذا کذا وکذا، وعملت یوم کذا وکذا کذا وکذا. فیقول: نعم. لا یستطیع ان ینکر، وهو مشفق من کبار ذنوبه ان تعرض علیه، فیقال فان لک مکان کل سیئة حسنة. فیقول: رب! قد عملت اشیاء لا اراها هٰهنا. وقد رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلّم ضحک حتّٰی بدت نواجذه. رواه مسلم.(مشکوٰة المصابیح)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو جنت میں سب کے بعد داخل ہوگا اور دوزخ سے سب کے بعد نکلے گا۔ وہ ایک شخص ہوگا جس کو قیامت کے بعد حاضر کیا جاوے گا، اور کہا جاوے گا کہ اس کے روبرو اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور بڑے گناہ اٹھائے رکھو (یعنی پیش نہ کرو۔) غرض چھوٹے گناہ پیش کئے جاویں گے، اور کہا جاوے گا کہ فلاں دن تو نے فلاں کام کیا تھا اور فلاں دن فلاں کام کیا تھا۔ وہ کہے گا: ہاں۔ اور انکار کی مجال نہ ہوگی اور اس اندیشہ میں ہوگا کہ اب بڑے گناہ پیش کئے جاویں گے۔ پھر اس سے کہا جاوے گا کہ تیرے لئے بجائے ایک ایک گناہ کے ایک ایک نیکی ہے۔ اس وقت وہ کہے گا: اے رب! میں نے اور بھی بہت سی باتیں گناہ کی کی ہیں جو یہاں نظر نہیں آئیں۔ (مراد اس سے بڑے گناہ ہیں، یعنی ان کے عوض میں بھی تو نیکیاں ملنی چاہئیں۔ راوی کہتے ہیں:) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے دندان جو کچلیوں کے پاس ہیں ظاہر ہوگئے۔

عن انس رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلّم قال: شفاعتی لاهل الکبائر من امتی رواه الترمذی وغیره.(مشکاة المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یصف اھل النار: فیمر بھم الرجل من اھل الجنۃ، فیقول الرجل منھم: یا فلان! اما تعرفنی؟ انا الذی سقیتک شربۃ. وقال بعضھم: انا الذی وھبت لک وضوءا . فیشفع لہ فیدخلہ الجنۃ. رواہ ابن ماجہ. (مشکاۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ دوزخ کے حال میں بیان فرمایا کہ ان کے سامنے سے ایک شخص اہل جنت میں سے گزرے گا تو ایک شخص ان میں سے کہے گا کہ اے فلانے! تو مجھ کو نہیں پہچانتا؟ میں وہ ہوں کہ تجھ کو پانی پلایا تھا اور ایک کہے گا کہ میں وہ ہوں کہ تجھ کو وضو کا پانی دیا تھا۔ وہ جنتی اس شخص کی شفاعت کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرادے گا۔

تیرہواں باب

جنت کی جسمانی وروحانی لذتوں میں

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: قال اللہ تعالٰی: اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت، ولا اذن سمعت، ولا خطر علی قلب بشر، واقرؤون ان شئتم: ﴿فلا تعلم نفسٌ ما اخفی لھم من قرۃ اعین﴾. متفق علیہ (مشکاۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ وہ نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ آنکھ نے دیکھیں، نہ کان نے سنیں، نہ کسی بشر کے قلب پر گزریں اور اگر چاہو یہ آیت پڑھ لو (کہ اس سے اس کی تصدیق ہوجاوے گی): ﴿فلا تعلم نفسٌ﴾ الآیۃ یعنی کسی شخص کو خبر نہیں جو کچھ اہل جنت کے لئے آنکھوں

کی ٹھنڈک کا سامان پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

عن انس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلّم: لو ان امراة من نساء اهل الجنة اطلعت الی الأرض لأضاء ت ما بینهما، ولملات ما بینهما ریحا، ولنصیفها علی راسها خیرٌ من الدنیا وما فیها. رواه البخاری (مشکاة المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اہل جنت کی بیبیوں میں سے ایک عورت بھی اہل زمین کی طرف جھانک لے تو تمام آسمان و زمین کے درمیان کی چیزوں کو روشن کردے اور اس کو خوشبو سے پُر کردے، اور اس کے سر پر جو اوڑھنی ہے وہ تمام دنیا و مافیہا سے افضل ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلّم: ان فی الجنۃ شجرة یسیر الراکب فی ظلها مئة عام ولا یقطعها. متفق علیه (مشکاة المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو برس تک چلا جاوے اور اس کو قطع نہ کرسکے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلّم: ان اول زمرة یدخلون الجنة علی صورة القمر لیلة البدر، ثم الذین یلونهم کاشد کوکب دری فی السماء اضاء ة، قلوبهم علی قلب رجل واحد، لا اختلاف بینهم ولا تباغض، لکل امرء منهم زوجتان من الحور العین، یریٰ مخ سوقهن من وراء العظم واللحم من الحسن. متفق علیه (مشکاة المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اول گروہ جو جنت میں داخل ہوں گے چودھویں رات کے چاند کی شکل پر

ہوں گے۔ پھر جوان سے بعد کے مرتبے میں ہیں وہ بہت تیز روشن ستارے کے مثل ہوں گے۔ سب کے قلوب (دل) ایک آدمی کے قلب جیسے ہوں گے۔ ان میں نہ اختلاف ہوگا اور نہ بغض (عداوت) ہوگا۔ ان میں ہر شخص کے پاس حورعین (یعنی گوری گوری بڑی آنکھ والی عورت) میں سے دو بیبیاں ہوں گی، جن کی ساق (پنڈلی) کا گودا استخواں (ہڈی) اور گوشت کے اندر سے بوجہ غایت حسن کے نظر آوے گا۔

عن جابر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: ان اهل الجنة ياكلون فيها ويشربون، ولا يتفلون، ولا يبولون، ولا يتغوطون، ولا يمتخطون. رواه مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اس میں کھائیں اور پئیں گے، لیکن نہ تھوکیں گے، نہ پیشاب پاخانہ کریں گے اور نہ ناک صاف کریں گے۔

عن ابی سعید رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلّم قال: ينادى مناد: ان لكم ان تصحوا فلا تسقموا ابدًا، وان لكم ان تحيوا فلا تموتوا ابدًا، وان لكم ان تنعموا فلا تباسوا ابدًا. (رواہ مسلم)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا کہ تمہارے لئے یہ امر قرار پا چکا ہے کہ تم ہمیشہ تندرست رہو گے اور کبھی بیمار نہ ہوگے۔ اور ہمیشہ جوان رہو گے اور کبھی بوڑھے نہ ہوگے۔ اور ہمیشہ آرام سے رہو گے اور کبھی سختی نہ دیکھو گے۔

عن ابی سعید رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: ان الله تعالٰی يقول لاهل الجنة: يا اهل الجنة! فيقولون: لبيک ربنا وسعديک، والخير كله فی يديک. فيقول: هل رضيتم؟ فيقولون: وما لنا لا نرضٰی يا رب! وقد اعطيتنا مالم تعط احدًا من

خلقک. فیقول: الا اعطیکم افضل من ذٰلک ؟ فیقولون: یا رب! وای شیء افضل من ذٰلک؟ فیقول: احل علیکم رضوانی، فلا اسخط علیکم بعده ابدًا. متفق علیه (مشکاۃ المصابیح)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو پکاریں گے کہ اے اہل جنت! وہ عرض کریں گے کہ ہم حاضر ہیں اور خدمت گزار ہیں اور خیر سب کی سب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ (یعنی کیا ارشاد ہے؟) اللہ تعالیٰ ارشاد ہی فرماویں گے کہ تم راضی بھی ہوگئے؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب! ہم راضی کیوں نہ ہوتے، حالاں کہ آپ نے ہم کو ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو آج کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ ارشاد ہوگا کہ میں تم کو اس سے بھی بڑھ کر ایک چیز دوں؟ وہ عرض کریں گے اے رب! اس سے افضل کیا چیز ہوگی؟ ارشاد ہوگا کہ میں تم پر ہمیشہ اپنی رضامندی مبذول (متوجہ) رکھوں گا اور اس کے بعد کبھی ناراض نہ ہوں گا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قلت: یا رسول اللہ! الجنۃ ما بناؤھا؟ قال: لبنۃ من ذھب ولبنۃ من فضۃ، وملاطھا المسک الاذفر، وحصباؤھا اللولو والیاقوت، وتربتھا الزعفران. رواہ احمد والترمذی والدارمی. (مشکاۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جنت کی عمارت کیسی ہے؟ فرمایا: ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی، اور گارا اس کا مشکِ خالص ہے اور کنکریاں اس کی موتی اور یاقوت ہیں اور مٹی اس کی زعفران ہے۔

وعنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: ما فی الجنۃ شجرۃ الا وساقھا من ذھب. رواہ الترمذی (مشکاۃ المصابیح)

اور نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں کوئی درخت ایسا نہیں ہے جس کا تنا سونے کا نہ ہو۔

عن بريدة رضي الله عنه ان رجلا قال: يا رسول الله! هل في الجنة من خيل؟ قال: ان الله ادخلک الجنة، فلاتشاء ان تحمل فيها على فرس من ياقوتة حمراء، يطيربک في الجنة حيث شئت، الا فعلت الحديث، وفيه: ان يدخلک الله الجنة، يکن لک فيها ما اشتهت نفسک ولذت عينک. رواه الترمذی. (مشكاة المصابيح)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا جنت میں گھوڑے بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو جنت میں لے جاوے، تو جب تیرا جی چاہے گا کہ یاقوت سرخ کے گھوڑے پر تجھ کو سوار کیا جاوے، جو تجھ کو جہاں جہاں تیرا جی چاہے لیے پھرے، تب ہی ایسا ہو جاوے گا۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے، تو تجھ کو ہر قسم کی چیزیں ملیں گی جو کچھ تیرا جی چاہے اور جس سے تیری آنکھوں کو لذت ہو۔

عن ابی سعید رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: ادنٰی اهل الجنة الذی له ثمانون الف خادم، واثنتان وسبعون زوجة، وتنصب له قبة من لؤلؤ وزبرجد وياقوت كما بين الجابية الٰی صنعاء.

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ادنیٰ اہل جنت کا شخص ایسا ہوگا جس کے اسی ہزار خادم اور بہتر بیبیاں ہوں گی۔ اور اس کے لئے ایک قبہ موتی اور زبرجد اور یاقوت کا اتنا بڑا کھڑا کیا جاوے گا، جیسا جابیہ سے صنعاء کا فاصلہ ہے۔

وبهٰذا الاسناد قال: ان عليهم التيجان، ادنٰی لؤلؤة منها لتضیء ما بين المشرق والمغرب. رواه الترمذی (مشكاة المصابيح)

اور اسی اسناد سے یہ حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اہل جنت پر تاج ہوں گے کہ ادنیٰ موتی ان کا مشرق و مغرب کے درمیان کی چیزوں کو روشن کر سکتا ہے۔

عن حکیم بن معاویة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلّم: ان فی الجنة بحر الماء وبحر العسل، وبحر اللبن، وبحر الخمر، ثم تشقق الانهار بعد. رواه الترمذی. (مشکاة المصابیح)

حکیم بن معاویہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک دریا پانی کا اور ایک شہد کا اور ایک دودھ کا اور ایک شراب کا ہوگا پھر ان دریاؤں سے آگے نہریں نکل نکل کر چلی ہیں۔

عن علی رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلّم: ان فی الجنة لمجتمعًا للحور العین، یرفعن باصوات لم تسمع الخلائق مثلها، یقلن: نحن الخالدات فلا نبید، ونحن الناعمات فلا نباس، ونحن الراضیات فلا نسخط، طوبیٰ لمن کان لنا وکنا له. رواه الترمذی. (مشکاة المصابیح)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک جگہ ہوگی جہاں حوریں جمع ہو کر بلند آواز سے جس کے مثل خلائق کے نہ سنا، یہ گائیں گی: نحن الخالدات الخ، یعنی ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں کبھی فنا نہ ہوں گی۔ اور ہم آرام سے رہنے والی ہیں کبھی سختی نہ جھیلیں گی۔ اور ہم راضی رہیں گی کبھی ناراض نہ ہوں گی۔ اس شخص کے لئے بڑی خوش حالی ہے کہ وہ ہمارا ہو اور ہم اس کے ہوں۔

عن جریر بن عبدالله رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلّم: انکم سترون ربکم عیانًا. وفی روایة: قال: کنا جلوسًا عند رسول الله ﷺ فنظر الی القمر لیلة البدر، فقال: انکم سترون ربکم کما ترون هٰذا القمر، لا تضامون فی رؤیته. متفق علیه (مشکاة المصابیح)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھو گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم جناب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے، آپ نے لیلۃ البدر میں چاند کو دیکھا اور فرمایا کہ تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسا اس چاند کو دیکھ رہے ہو کہ اس کے دیکھنے میں ایک دوسرے کو زحمت نہیں ہوتی (جیسا شاہانِ دنیا کی سواری دیکھنے میں ہوتی ہے)۔

عن صهيب رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلّم قال: اذا دخل اهل الجنة الجنة، يقول الله تعالىٰ: تريدون شيئا ازيدكم؟ فيقولون: الم تبيض وجوهنا؟ الم تدخلنا الجنة وتنجنا من النار؟ قال: فيرفع الحجاب فينظرون الىٰ وجه الله، فما اعطوا شيئًا احب اليهم من النظر الىٰ ربهم. رواه مسلم (مشكاة المصابيح)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنت والے جنت میں جاویں گے اللہ تعالیٰ فرماویں گے: تم کچھ اور زیادہ چاہتے ہو کہ تم کو دوں؟ وہ عرض کریں گے: کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا آپ نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا، اور دوزخ سے نجات نہیں دی؟ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: پس پردہ اٹھا دیا جاوے گا، پس اللہ تعالیٰ کا جمال با کمال دیکھیں گے اور کوئی چیز ان کو ایسی عطا نہ ہوئی تھی جو اپنے رب کی طرف نظر کرنے سے زیادہ محبوب ہو۔

عن ابن عمر رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: ان ادنىٰ اهل الجنة منزلة لمن ينظر الىٰ جنانه وازواجه ونعيمه وخدمه وسرره ميسرة الف سنة، واكرمهم على الله من ينظر الىٰ وجهه غدوةً وعشية. رواه احمد والترمذى. (مشكاة المصابيح)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت میں سب سے ادنیٰ درجہ کا وہ شخص ہوگا جس کو اپنے باغ اور بیبیاں اور سامان نعمت اور خدمت گار اور اسباب مسرت ایک ہزار برس کی مسافت تک نظر آویں گے اور سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہوگا جو حق تعالیٰ کے دیدار سے صبح وشام مشرف ہوگا۔

عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: بینا اہل الجنۃ فی نعیم اذ سطع لہم نورٌ، فرفعوا رؤوسہم، فاذا الرب قد اشرف علیہم من فوقہم فقال: السلام علیکم یا اہل الجنۃ قال: وذٰلک قولہ تعالٰی: ﴿سلامٌ قولا من رب رحیمo﴾ قال: فینظر الیہم وینظرون الیہ، فلا یلتفتون الٰی شیء من النعیم ماداموا ینظرون الیہ، حتّٰی یحتجب عنہم ویبقٰی نورہ، رواہ ابن ماجہ. (مشکاۃ المصابیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے دفعتاً ان کے روبرو ایک نور بلند ہوگا، تو دیکھتے کیا ہیں کہ اوپر سے حق تعالیٰ کا ظہور ہوا اور ارشاد ہوگا: السلام علیکم یا اہل الجنۃ! اور یہ اس آیت کی بھی تفسیر ہے: ﴿سلامٌ قولًا من رب رحیمo﴾۔

پس حق تعالیٰ اہل جنت کو اور اہل جنت حق تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ اور جب تک ادھر دیکھتے رہیں گے کسی نعمت کی طرف التفات نہ کریں گے، یہاں تک کہ وہ ان سے پردے میں ہوجائے گا اور نور (جو اس کا اثر ہے) باقی رہ جاوے گا۔

ف: ذرا ان حدیثوں کے مضامین میں غور کیا جاوے، ایسی بے غل وغش اور ابدی نعمتیں دنیا میں کسی سلطانِ ہفت اقلیم کو بھی میسر ہیں؟

تتمہ

ناظرین کو یاد ہوگا کہ گیارہویں باب میں برزخ کی نعمتیں ذکر کی گئی تھیں، اس پر ایک شبہ ہوتا تھا۔ اور اس بارہویں باب میں قیامت کی نعمتیں ذکر کی گئی ہیں، اس پر بھی ویسا ہی شبہ ہوتا تھا جیسا کہ گیارہویں باب پر ہوتا تھا۔ وہ شبہ یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں سن کر شوق جب پیدا ہوسکتا ہے جب کہ دوزخ کے عذابوں کی خبر نہ ہو۔ اور دوزخ کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی خبر معلوم ہونے کے بعد تو سب حوصلے پست

ہوجاتے ہیں، اور آخرت کے نام سے ڈر معلوم ہوتا ہے، اور بجائے آخرت کے شوق پیدا ہونے کے دنیا ہی میں رہنا غنیمت معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ جب تک دنیا میں ہے ان عذابوں سے نجات ہے، اور اہل عقل کا قول بھی ہے کہ تکلیف کا دفع کرنا آرام کے حاصل کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔ یہاں کے شبہ کے بھی ویسے ہی دو جواب ہیں جیسے گیارہویں باب کے شبہ کے تھے۔

اوّل یہ کہ دوزخ سے بچنا اختیاری ہے اس معنی کو کہ جن اعمال کی وجہ سے دوزخ کا عذاب لازم آتا ہے وہ سب اختیاری ہیں، ان سے بچیں، دوزخ کی مصیبتوں سے بچے رہیں گے۔

دوسرے یہ کہ باوجود گناہ کرنے کے بھی اگر ایمان باقی ہے تو دوزخ کی تکلیفوں میں تخفیف کی رعایت ہوگی۔ اور باوجود ان تکلیفوں کے یہ یقین ہے کہ ہم کو ایک دن ضرور ان سے نجات ملے گی، یہ یقین زخم پر مرہم کا کام دے گا۔ بخلاف دنیا کے کہ یہاں کی نعمتیں کیسی ہی ہوں، لیکن آخرت کی تکلیفوں کا خیال ان سب کو مکدر کردیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤمن کے لئے آخرت کی تکلیفوں کی حالت بھی دنیا کی نعمتوں کی حالت سے اچھی ہے، کیوں کہ وہاں کی تکلیفوں کے ساتھ جنت کا یقین لگا ہوا ہے اور دنیا کی نعمتوں کے ساتھ آخرت کا خطرہ ہے جو سب نعمتوں کو مٹی کرنے والا ہے۔

اور تیسرا جواب اس شبہ کا ایک اور بھی ہے جو گیارہویں باب میں بھی مذکور ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض گناہ گاروں کے لئے کسی کی شفاعت سے یا محض فضلِ خداوندی سے آخرت کے عذاب کا بالکل نہ ہونا، یا تھوڑی مدت کے بعد موقوف ہوجانا بھی ہوگا۔ اس دوسرے اور تیسرے جواب کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے۔ چناں چہ اس کے ثبوت میں چند روایتیں لکھی جاتی ہیں۔

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: اما اھل النار الذین ھم اھلھا، فانھم لا یموتون فیھا ولا یحیون، ولکن ناسٌ منکم اصابتھم النار بذنوبھم، فاماتھم اللہ تعالٰی

اماتۃً، حتّٰی اذا کانوا فحمًا اذن بالشفاعۃ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ دوزخ میں جو کہ حقیقتاً اہل دوزخ ہیں (یعنی کافر)، وہ اس میں نہ مریں گے نہ جئیں گے، لیکن بعضے آدمیوں کو تم میں سے (یعنی مسلمان میں سے) ان کے گناہوں کے سبب دوزخ کا اثر پہنچے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص طور کی موت دے دے گا، یہاں تک کہ جب وہ بالکل کوئلہ ہوجاویں گے تو اللہ تعالیٰ (شفاعت کرنے والوں کو ان کی) شفاعت کرنے کی اجازت دے دے گا۔ (بعض نے کہا کہ ایک مدت تک سزا پاکر بالکل مرجاویں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ قلت احساس (تکلیف کم معلوم ہونا) میں مردے کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔)

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: یخلص المؤمنون من النار، فیحبسون علٰی قنطرۃ بین الجنۃ والنار، فیقتص ببعضھم من بعض مظالم کانت بینھم فی الدنیا، حتّٰی اذا ھذبوا ونقوا، اذن لھم فی دخول الجنّۃ. رواہ البخاری (مشکاۃ المصابیح)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان دوزخ سے رہائی پاکر جنت و دوزخ کے درمیان ایک پل پر روکے جائیں گے اور دنیا میں جو ایک کے حقوق دوسرے کے ذمہ تھے ان کا عوض معاوضہ ہوگا، یہاں تک کہ جب بالکل پاک صاف ہوجاویں گے تو دخول جنت کے لئے اجازت مل جاوے گی۔

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بعد ان ذکر المرور علی الصراط: حتی اذا خلص المؤمنون من النار، فوالذی نفسی بیدہ! ما من احدمنکم باشد مناشدۃً فی الحق، قدتبین لکم من المؤمنین للہ یوم القیامۃ لاخوانھم الذین فی النار، یقولون: ربنا! کانوا یصومون معنا ویصلون ویحجون،

فيقال لهم: اخرجوا من عرفتم، فتحرم صورهم على النار، فيخرجون خلقًا كثيرًا، ثم يقولون: ربنا! ما بقي فيها احدٌ ممن امرتنا به. فيقول: ارجعوا فمن وجدتم في قلبه مثقال دينار من خير فاخرجوه. فيخرجون خلقًا كثيرًا، ثم يقول: ارجعوا فمن وجدتم في قلبه مثقال نصف دينار من خير فاخرجوه. فيخرجون خلقًا كثيرًا، ثم يقول: ارجعوا فمن وجدتم في قلبه مثقال ذرة من خير فاخرجوه. فيخرجون خلقًا كثيرًا، ثم يقولون: ربنا! لم نذر فيها خيرًا. فيقول: شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون، ولم يبق الا ارحم الراحمين. فيقبض قبضةً من النار، فيخرج منها قومًا لم يعملوا خيرًا قط قد عادوا حممًا، فيلقيهم في نهر في افواه الجنة يقال له: نهر الحياة، فيخرجون كما تخرج الحبة في حميل السيل، فيخرجون كاللؤلؤ في رقابهم الخواتم، فيقول اهل الجنة: هٰؤلاء عتقاء الرحمٰن، ادخلهم الجنة بغير عمل عملوه ولا خير قدموه. فيقال لهم: لكم ما رأيتم ومثله معه. متفق عليه (مشكاة المصابيح)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث طویل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پل صراط سے گزرنے کا بیان کر کے فرمایا کہ جب مسلمانوں کو دوزخ سے رہائی ہو جاوے گی، تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! کہ اگر کسی کا حق (دنیا میں) ثابت ہو جاوے تو وہ بھی اتنا اس کے وصول کا تقاضا نہیں کرتا جتنا مسلمان اللہ تعالیٰ سے اپنے ان بھائیوں کے واسطے اصرار کریں گے جو دوزخ میں ہوں گے۔ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہمارے ساتھ روزہ رکھتے تھے اور نماز پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے۔ ارشاد ہوگا کہ جن کو پہچانتے ہو نکال لو، اور ان کے چہروں میں آگ کا ذرا اثر نہ ہوگا۔ سو وہ لوگ بہت سی خلقت کو نکالیں

گے، پھر عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جن کی نسبت آپ نے ہم کو فرمایا تھا ان میں سے کوئی دوزخ میں رہا نہیں (یعنی جان پہچان والوں کو سب کو نکال لیا، گو دوسرے اہل ایمان موجود ہیں)۔ ارشاد ہوگا: دوبارہ جاؤ اور جس کے دل میں دینار کے برابر ایمان دیکھو اس کو بھی نکال لو۔ سو بہت سی خلقت کو (اس وقت) نکالیں گے پھر ارشاد ہوگا کہ اب کی بار پھر جاؤ اور جس کے دل میں نصف دینار کے برابر ایمان دیکھو اس کو بھی نکال لو۔ سو بہت سی خلقت کو (اس وقت) نکالیں گے۔ پھر ارشاد ہوگا کہ اب کی بار پھر جاؤ اور جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان پاؤ اس کو بھی نکال لو۔

سو بہت سی خلقت کو (اس وقت) نکالیں گے۔ پھر عرض کریں گے کہ ہم نے اس میں کوئی ایمان دار نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماویں گے کہ ملائکہ شفاعت کر چکے اور پیغمبر شفاعت کر چکے اور مؤمنین شفاعت کر چکے، اب بجز ارحم الراحمین کے کوئی باقی نہیں رہا پس اللہ تعالیٰ ایک مٹھی دوزخ سے لے گا اور ایسے لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے کبھی خیر کی ہی نہ ہوگی اور وہ (جل کر) کوئلہ ہو گئے ہوں گے۔ پھر ان کو ایک نہر میں ڈال دے گا جو لب جنت پر ہوگی اور اس کا لقب ''نہر الحیات'' ہے۔ سو وہ اس طرح اس میں سے (تروتازہ) ہو کر نکلیں گے جیسے سیلاب کے بہائے ہوئے خس و خاشاک میں دانہ نکل آتا ہے۔ غرض موتی کی طرح (آب دار ہو کر) نکل آویں گے اور ان کی گردن پر خاص نشان ہوں گے۔ اہل جنت کہیں گے کہ یہ رحمٰن کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر کسی عمل کے جس کو کیا ہو اور بغیر کسی خیر کے جس کو آخرت میں بھیجا ہو، جنت میں داخل کیا ہے۔ پھر ان سے کہا جاوے گا کہ تمہارے لئے وہ بھی جو تم نے دیکھا، اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی۔

ف: جو لوگ محض رحمت خداوندی سے سب سے اخیر میں دوزخ سے نکالے جائیں گے، یہ یقینی بات ہے کہ یہ لوگ کافر نہیں، کیوں کہ کافر کی بخشش کی شریعت میں بالکل نفی ہے۔ کافر کے لئے ابد الآباد تک جہنم ہی میں رہنا ہے۔ تو گویا تو یہ لوگ وہ ہیں

جن کے پاس کسی پیغمبر کی خبر ہی نہیں پہنچی، اس وجہ سے نہ ان کو کافر کہہ سکتے ہیں کہ کفر کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہتے، نہ ان کو مؤمن کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح نبی کے ماننے والوں کو مؤمن کہا جاتا ہے، کیوں کہ نبی کی خبر ان کو پہنچی ہی نہیں۔ جب مؤمن نہیں ہیں تو جنت میں اور مؤمنین کے ساتھ نہیں گئے، نہ کسی کی شفاعت ان کو پہنچی۔ حدیث مذکور کے الفاظ سے ظاہراً یہی صورت معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ حدیث مذکور کے اس جملہ میں: "بغیر عمل عملوہ ولا خیر قدموہ" دو لفظ ہیں: عمل اور خیر، یعنی انہوں نے نہ کوئی عمل کیا ہوگا نہ کوئی بھلائی۔ بھلائی سے ایمان ہی سمجھ میں آتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب ان کو کسی نبی کی خبر ہی نہیں ہوئی، تو بھلے برے سے بالکل بے خبر رہے، تو دوزخ میں کیوں بھیجے گئے؟ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ بعضے گناہ نبی کے بتانے پر موقوف نہیں عقل سے بھی سمجھے جاسکتے ہیں، جیسے ظلم وغیرہ: وہ ایسے گناہوں میں مبتلا ہوئے ہوں گے، اس کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے گئے۔ پھر جب ان سے پاک ہوگئے تو رحمت خداوندی سے دوزخ میں سے نکال لئے گئے۔ اور یا یہ لوگ مؤمن ہی ہوں گے مگر ایمان ان کا اس قدر کم درجہ کا اور ضعیف ہوگا کہ کسی نبی اور ولی کی شناخت میں نہ آئے گا۔ بس حق تعالیٰ ہی کو اس کی اطلاع ہوگی۔ جب کوئی نہ پہچان سکے گا تو حق تعالیٰ ان کو دوزخ سے نکالیں گے۔ اس صورت میں حدیث مذکور کے لفظ "ولا خیر" سے مراد یہ ہے کہ خیر یعنی ایمان قابل شمار ان میں نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب کا خلاصہ

یوں سمجھو کہ کتاب ہذا ایک نسخہ ہے امراض قلبی کا۔ اب اس کی ترکیب استعمال بیان ہوتی ہے کہ اس کتاب کے پڑھ لینے کے بعد اس کا فائدہ حاصل کرنے کا، یعنی آخرت کا شوق پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دن میں یا رات میں کوئی فرصت کا وقت مقرر کر کے کتاب کے سب مضمونوں کو دل میں جمع کر کے خیال ہی کے طور پر سہی، یہ

سوچا کرے کہ دنیا رنج و تکلیف کا گھر ہے۔ وہ کون سا دن ہوگا کہ وطن اصلی یعنی آخرت کی جدائی کی مدت ختم ہوگی اور رحمت کے فرشتے مجھے لینے کو آئیں گے؟ اور موت سے پہلے کچھ بیماری ہوئی ہوگی تو اس سے میرے گناہ معاف ہوجاویں گے اور پاک صاف ہوجاؤں گا۔ پھر دم نکلنے کے وقت فرشتوں سے وہ خوش خبریاں سنوں گا جو کتاب میں لکھی ہیں، اور یوں عزت اور آبرو کے ساتھ مجھ کو فرشتے لے جائیں گے۔ پھر قبر میں ایسی ایسی باتیں دیکھوں گا، اور بزرگوں کی اور اعزا و اقارب اور دوستوں کی روحوں سے ملاقات ہوگی، اور یوں جنت میں سیر کرتا پھروں گا۔ اور اگر کوئی میرا عمل باقیات صالحات کی قسم سے ہوگا، یا میرے بعد کسی مسلمان بھائی نے میرے لئے دعا کردی، تو ان کی برکت سے ان نعمتوں میں اور ترقی ہوتی رہے گی۔ پھر قیامت میں اس طرح آرام اور آسانی ہوگی، پھر جنت میں ایسی ایسی ظاہری اور باطنی لذتیں ہوں گی۔

غرض فرصت کے وقت میں یہ سب باتیں سوچ کر مزے لیا کرے اور عذاب کی خبریں یاد آویں تو خیال کرے کہ اس سے بچنا تو ممکن ہے کہ ایسے کاموں سے بچا رہوں جن پر عذاب ہوتا ہے تو عذاب کیوں ہوگا۔ اس شغل اور خیال باندھنے سے آخرت کا شوق بڑھے گا، اور دنیا سے دلچسپی کم ہوتی جائے گی اور بجائے اس کے کہ دنیا سے محبت تھی، دنیا سے وحشت اور نفرت ہونے لگے گی۔ اور جو آخرت سے وحشت تھی، بجائے اس کے آخرت سے دلچسپی اور محبت پیدا ہونا شروع ہوگی۔ اور یہ شغل اور تصور علاوہ اس نفع کے خود بھی عبادت ہے اور شریعت میں اس کا حکم ہے اور اس کی فضیلت آئی ہے۔ اس کا ثبوت ان حدیثوں سے ہے:

عن انس رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلّم: اکثروا ذکر الموت، فانه یمحص الذنوب ویزهد فی الدنیا.

اخرجه ابن ابی الدنیا. (شرح الصدور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ موت کو کثرت

سے یاد کیا کرو، کیوں کہ وہ گناہوں سے صاف کرتی ہے اور دنیا سے بے رغبت بناتی ہے۔

عن الوضين بن عطاء رحمه الله قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلّم اذا احس من الناس بغفلة من الموت جاء، فاخذ بعضادتي الباب، ثم هتف ثلاثًا: يا ايها الناس! يا اهل الاسلام! اتتكم المنية راتبة لازمةً، جاء الموت بما جاء به، جاء بالروح والراحة والكثرة المباركة لأولياء الرحمٰن، من اهل دار الخلود الذين كان سعيهم ورغبتهم فيها. اخرجه البيهقي (شرح الصدور)

وضین بن عطاء رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو موت سے غافل دیکھتے تھے، تشریف لاتے اور دروازے کے بازو پکڑ کر تین بار پکار کر فرماتے: اے لوگو! اے اہل اسلام! موت تمہارے پاس ضروری اور لازم ہو کر آ پہنچی، موت مع اپنے متعلقات کے آ پہنچی، موت انبساط (خوشی) اور راحت (آرام) اور کثرت مبارکہ (بڑی برکت) کے ساتھ آ پہنچی، اہل جنت کے مقبولانِ رحمٰن کے لئے جن کی سعی (کوشش) اور رغبت جنت میں تھی۔

فی "شرح الصدور": قيل: يا رسول الله! هل يحشر مع الشهداء احدٌ؟ قال: نعم، من يذكر الموت في اليوم والليلة عشرين مرة. قلت: ومن راقب كما ذكرت كان ذكره له اكثر من عشرين للكثرة في الروايات التي هي محل المراقبة.

"شرح الصدور" میں ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا شہدا کے ساتھ کوئی اور بھی محشور ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جو شخص موت کو دن رات میں بیس بار یاد کرے۔ میں کہتا ہوں کہ جو شخص جس طرح میں نے بیان کیا ہے مراقبہ کیا کرے تو اس کا یاد کرنا موت کو بیس بار سے زیادہ ہو جاوے گا، کیوں کہ جو روایات محل ہیں مراقبہ کا وہ (بیس سے کہیں) زیادہ ہیں۔

اُمید کو اوسط درجہ پر رکھنے کا بیان

مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ ایمان کا کمال نہ صرف خوف سے ہوتا ہے اور نہ صرف امید سے، بلکہ خوف اور امید کے درمیان میں رہنے سے ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اور اس رسالہ میں تمام مضامین امید ہی امید کے لکھے گئے ہیں، خوف کے مضامین بالکل نہیں لکھے گئے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری غرض یہ ہے فقط امید ہی رکھنا چاہئے خوف کو بالکل بھلا دیا جائے، بلکہ ہماری غرض ایسے مضامین کے لکھنے سے دنیا سے نفرت دلانا اور آخرت کا شوق پیدا کرنا ہے۔ اور اس غرض کے پورا ہونے میں امید کے مضامین کو زیادہ دخل ہے، کیوں کہ جب آخرت کا شوق پیدا ہوگا تو نیک کاموں کی خواہ مخواہ ہمت ہوگی اور یہ ہمت ہی اصل غرض ہے۔ عذاب کی خبریں سنانے سے بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ خوف کی خبریں اور امید کی خبریں دونوں اصل غرض ہیں (کہ وہ ہمت اعمال کی دلانا ہے) شریک اور یکساں ہیں۔ بس اس رسالہ کے مضامین جو صرف امید دلانے والے ہیں، درحقیقت خوف کے مضامین کی تاکید کرنے والے ہیں، (کیوں کہ جو غرض خوف کے مضامین سے تھی وہی ان سے ہے) نہ کہ خوف کے مضامین کے خلاف کوئی بات ثابت کرنے والے ہیں، تو یہ نہ ہونا چاہئے کہ آدمی خوف کو بالکل بھلا دے (کیوں کہ حق تعالیٰ نے کمالِ ایمان کی علامت یہ فرمائی ہے: ﴿والذین هم من عذاب ربهم مشفقون ○ ان عذاب ربهم غیر مامون○﴾ (المعارج: ۲۷،۲۸) یعنی مؤمن کامل کی ایک یہ بھی صفت ہے کہ پروردگار کے عذاب سے ڈرتا ہو، کیوں کہ پروردگار کا عذاب ایسی چیز نہیں جس سے کوئی بے خوف ہو جاوے۔ مصطفیٰ)

زیادتی امر کے متعلق تحقیق

تیسرے باب کے اخیر میں ایک شبہ اور اس کا جواب مذکور ہوا ہے۔ وہ شبہ یہ تھا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کو حیات پر ترجیح ہے۔ مگر بعض احادیث میں موت

کی تمنا کرنے سے ممانعت آئی ہے۔ جواب یہ تھا کہ اس اعتبار سے حیات کو موت پر ترجیح ہوسکتی ہے کہ زندگی زیادہ ہوگی تو نیکیاں بڑھیں گی، یا گناہوں سے توبہ ہوسکے گی، ورنہ ترجیح موت ہی کو ہے، کیوں کہ موت کے بعد ہی تمام نعمتیں آخرت کی مل سکتی ہیں۔ اب یہاں بھی اسی جواب کو ذرا اور صاف طور سے بیان کیا جاتا ہے۔

وہ بیان یہ ہے کہ اگر غور کیا جاوے تو ثابت ہوجاوے گا کہ جن حدیثوں سے زندگی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، وہ حدیثیں حقیقت میں ان حدیثوں کی تائید کرتی ہیں جن سے موت کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ ان حدیثوں میں خود موجود ہے کہ موت کی تمنا اس واسطے نہیں چاہئے کہ زندگی میں نیکیوں کی زیادتی اور گناہوں سے توبہ ہوسکتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ زندگی بڑھنے سے موت کی بہتری کی امید ہے، اس واسطے زندگانی کا بڑھنا بہتر ہے، ورنہ زندگی خود مقصود نہیں تو ترجیح موت کو ہوئی، جیسا کہ تیسرے باب کی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اس حدیث سے ثابت ہے جو ہم یہاں لکھتے ہیں:

عن زرعة بن عبدالله رحمه الله ان النبی صلی الله علیه وسلّم قال: یحب الانسان الحیاة والموت خیرٌ لنفسه. اخرجه البیهقی (شرح الصدور)

زرعہ بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی زندگی کو محبوب رکھتا ہے حالاں کہ موت اس کے لئے بہتر ہے۔

بعض اہلِ شوق کے قصے

ان قصوں کے لکھنے میں یہ فائدہ ہے کہ انسان کی طبعی بات ہے کہ انسان اپنے ہم جنسوں کے حالات سے زیادہ اثر قبول کرتا ہے، تو ان قصوں کو آخرت کا شوق پیدا کرنے میں زیادہ اثر ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلّم یقول: ما من نبی یمرض الا خیر بین الدنیا

والآخرة. وكان في شكواه الذى قبضٌ اخذته بحة شديدة، فسمعته يقول: مع الذين انعمت عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين. فعلمت انه خير. متفق عليه (شرح الصدور)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی ایسا نبی نہیں جس کو دنیا وآخرت کے رہنے میں اختیار نہ دیا گیا ہو اور آپ کو اُس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی ہے، سخت بستگیٔ آواز نے پکڑا۔ اس وقت میں نے آپ کو یہ کہتے سنا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔ میں سمجھ گئی کہ اب آپ کو اختیار دیا گیا ہوگا۔

واخرج احمد: ان ملک الموت جاء الٰی ابراهيم عليه صلوات الله وسلامه ليقبض روحهٗ، فقال ابراهيم: يا ملک الموت! هل رأيت خليلًا يقبض روح خليله؟ فعرج ملک الموت الٰی ربه، فقال: قل له: هل رأيت خليلًا يكره لقاء خليله؟ فرجع، قال: فاقبض روحي الساعة. (شرح الصدور)

''مسند احمد'' میں ہے کہ ملک الموت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تا کہ ان کی روح قبض کریں۔ انہوں نے فرمایا: اے ملک الموت! کیا کسی دوست کو دیکھا کہ اپنے دوست کی روح قبض کرے؟ ملک الموت جنابِ باری میں حاضر ہوئے، ارشاد ہوا کہ ان سے کہو کہ کیا کسی دوست کو دیکھا ہے کہ اپنے دوست سے ملنا ناپسند کرے؟ انہوں نے (یہ سن کر) فرمایا: تو بس میری روح کو قبض کر لے۔

عن عمر رضى الله عنه انه قال: اللهم قد ضعفت قوتي وكبر سني وانتشرت رعيتي، فاقبضني اليک غير مضيع ولا مقصر. فما جاوز ذٰلک الشهر حتّٰى قبض. اخرجه مالک (شرح الصدور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دعا کی: اے اللہ! میری قوت ضعیف ہوگئی اور میری عمر زیادہ ہوگئی اور میری رعیت بہت پھیل گئی، مجھ کو اپنے پاس اٹھا لیجئے اس طور پر کہ نہ میں ضائع کیا جاؤں نہ تقصیر کروں۔ پس اس مہینے سے آگے نہیں بڑھے کہ اٹھا لئے گئے۔

عن الحسن رحمة الله قال: كان في مصركم هذا رجلٌ عابدٌ، فخرج من المسجد، فلما وضع رجله في الركاب اتاه ملك الموت، فقال له: مرحبًا! لقد كنت اليک بالاشواق. فقبض روحهٗ. اخرجه المروزي. (شرح الصدور)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ تمہارے اس شہر میں ایک عابد تھا۔ وہ مسجد سے نکلا، جب رکاب میں پاؤں رکھا تو ملک الموت اس کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ اس نے کہا: مرحبا! میں تمہارا مشتاق تھا۔ پس انہوں نے اس کی روح قبض کرلی۔

عن خالد بن معدان رحمه الله قال: مامن دابة في برولا بحر يسرني ان تفديني من الموت. ولو كان الموت علمًا يستبق الناس اليه، ماسبقني اليه احدٌ الا رجلٌ يغلبني بفضل قوته. اخرجه ابن سعد والمروزي. (شرح الصدور)

خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ کوئی جان دار خشکی میں یا دریا میں ایسا نہیں کہ میں موت سے اپنی طرف سے اس کا فدیہ ہونا پسند کروں۔ اگر موت کوئی نشان ہوتا کہ لوگ دوڑ کر وہاں پہنچ سکتے، تو مجھ سے پہلے اس تک کوئی نہ پہنچتا، مگر جو زور میں مجھ سے زیادہ ہوتا۔

عن ابي مسهر قال: سمعت رجلًا يقول لسعيد بن عبدالعزيز التنوخي: اطال الله بقائک. فقال: بل عجل الله بي الىٰ رحمته. اخرجه ابن عساكر. (شرح الصدور)

ابومسہر سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو سعید بن عبدالعزیز تنوخی رحمہ اللہ

سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ خدا تم کو تا دیر سلامت رکھے۔ انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جلدی مجھ کو اپنی رحمت میں بلالے۔

عن عبيدة بن المهاجر رحمه الله قال: لو قيل: من مس هذا العود مات، لقمت حتّٰی امسه. اخرجه ابونعيم.(شرح الصدور)

عبیدہ بن مہاجر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اگر کہا جاوے کہ جو شخص اس لکڑی کو چھولے وہ مرجائے، تو میں فوراً کھڑا ہو کر اس کو چھولوں۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه انه مربهٖ رجلٌ فقال له: اين تريد؟ قال: السوق. قال: ان استطعت ان تشتری لی الموت قبل ان ترجع، فافعل. اخرجه ابن ابی شيبة وابن سعد.(شرح الصدور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس سے ایک شخص گزرا، انہوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: بازار کا۔ فرمایا: اگر ممکن ہو کہ قبل واپسی کے میرے لئے موت خرید لو، تو ضرور خرید لینا۔

عن عبدالله بن ابی زكريا رحمه الله انه كان يقول: لو خيرت بين ان اعمر مئة سنة فی طاعة الله وان اقبض فی يومی هٰذا اوفی ساعتی هٰذه، لاخترت ان اقبض فی يومی هٰذا او فی ساعتی هٰذهٖ، شوقًا الی الله والٰی رسوله والی الصالحين من عبادهٖ. اخرجه ابونعيم. (شرح الصدور)

عبداللہ بن ابی زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، وہ فرماتے تھے کہ اگر مجھ کو دوامر میں اختیار دیا جاوے ایک یہ کہ میری سو سال کی عمر ہو طاعت الٰہی میں اور ایک یہ کہ آج ہی کے دن یا اسی گھڑی میری جان قبض کر لی جاوے، تو میں اسی کو پسند کروں کہ آج ہی کے دن یا اسی گھڑی میں میری جان قبض ہو جاوے، بوجہ اشتیاق کے خدا کی طرف اور رسول کی طرف اور نیک بندوں کی طرف۔

عن احمد بن ابی الحواری رحمه الله قال: سمعت ابا عبد الله

الباجي يقول: لو خيرت بين ان تكون لي الدنيا منذ يوم خلقت اتنعم فيها حلالا لا اسئل عنها يوم القيامة، وبين ان تخرج نفسي الساعة، لا خترت ان تخرج نفسي الساعة اما تحب ان تلقٰى من تطيع؟ اخرجه ابو نعيم وابن عساكر.

احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میں نے ابوعبداللہ الباجی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھ کوایک تو یہ اختیار دیا جاوے کہ مجھ کوتمام دنیا مل جاوے جب سے میں پیدا ہوا ہوں اس طرح پر کہ اس میں حلال طور پر عیش کروں اور پھر قیامت میں کچھ بازپرس بھی نہ ہو، اور ایک یہ اختیار دیا جاوے کہ اسی وقت میرا دم نکل جاوے تو میں اسی کو ترجیح دوں کہ میرا دم اسی وقت نکل جاوے۔ کیا تجھ کو یہ امر مرغوب نہیں کہ اہل طاعت سے جاملے؟

ف: اگر کہا جاوے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے، اگر موت شوق کی چیز ہے تو انہوں نے فرشتے کے ساتھ سختی کیوں فرمائی؟ جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہچانا نہیں، کیوں کہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ اس وقت عیاناً آئے تھے۔

اخرج احمد والبزار والحاكم وصححه عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلّم قال: كان يأتي ملك الموت الناس عيانًا فأتى موسى فلطمه (الٰى قوله:) فكان يأتي بعد الناس خفية. كذا في "شرح الصدور".

اور "صحاح" کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالَم میں جبرئیل علیہ السلام کو بصورت اصلی دیکھنے کے متحمل نہیں ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کو اصلی صورت میں کوئی معاینۃً نہیں دیکھ سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں وہ بصورت بشر آتے تھے، پس نہ پہچاننا کچھ بھی عجب نہیں پس اس سے شوقِ موت کی نفی نہیں ہوتی۔ فقط

بعضے اشعارِ اہلِ ذوق

(اصل کتاب میں صرف فارسی کے اشعار تھے۔ فارسی اشعار کے ساتھ ان کا ترجمہ بھی منظوم کر دیا ہے، پہلے کالم میں فارسی مصرع اور دوسرے کالم میں اس کا منظوم ترجمہ ہے)

اگر گاہ گاہ ان کو پڑھ لیا کریں تو بوجہ اس کے کہ خود کلام کا منظوم ہونا بھی خاص اثر رکھتا ہے، یہ اشعار آتشِ شوق کو زیادہ مشتعل کر دیں گے۔

ارشاد عارف شیرازی رحمہ اللہ

فارسی	ترجمہ
خرم آں روز کزیں منزل ویران بروم	کیا مبارک ہے وہ دن جب کہ ہو دنیا سے سفر
راحت جاں طلبم وزپے جاناں بروم	جاں کو چین ملے اور ملے وہ دل بر
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے	نذر کی ہے جو غم ہجر، کسی دن ہو بسر
تا درِ مے کدہ شاداں وغزل خواں بروم	وجد پہ آ کے کروں میں درِ ساقی پہ گزر

ارشادِ عارف جامی رحمہ اللہ

فارسی	ترجمہ
دلاتا کے دریں کاخِ مجازی	بھلا فانی جہاں میں کب تک اے دل!
کنی مانند طفلاں خاک بازی	رہے گا کھیل تیرا آب اور گل
توئی آں دست پرور مرغ گستاخ	تو ہی ہے لاڈ کا پالا وہ طائر
کہ بودت آشیاں بروں ازیں کاخ	قفس سے آشیاں ہے تیرا طائر
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتے	ہوا اس آشیاں سے کیوں تو محروم
چو دناں چغد ایں ویرانہ گشتے	بنا ہے اس بیاباں کا تو کیوں بوم
بیفشاں بال و پرز آمیزش ز خاک	ہٹا کر بال و پر سے خاکِ تن کو
پر تا کنگر ایوانِ افلاک	لگا پرواز عرشِ ذو المنن کو

ارشادِ عارف رومی رحمہ اللہ

بشنو از نے چوں حکایت می کند — نے سے سنیے کیا حکایت کرتی ہے
و ز جدائیہا شکایت می کند — یوں جدائی کی شکایت کرتی ہے
کزنیستاں تا مرا ببریدہ اند — جب سے کاٹا ہے نیستاں سے مجھے
از نفیر مرد و زن نالیدہ اند — مرد وزن روتے ہیں نالوں سے مرے
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق — چاہتی ہوں سینہ صد پاش فراق
تا بگویم شرح دردِ اشتیاق — تا سناؤں حال دردِ اشتیاق
ہر کسے کہ دور ماند از اصلِ خویش — اصل سے اپنی ہوا ہے جو جدا
باز جوید روزگار وصلِ خویش — چاہتا ہے پھر زمانہ وصل کا
من بہر جمعیتے نالاں شدم — میں ہر ایک محفل میں روئی زار زار
جفتِ خوش حالاں وبد حالاں شدم — نیک و بد کو سمجھی اپنا غم گسار
ہر کسے از ظن خود شد یارِ من — بن گئے اپنی سمجھ میں میرے یار
وزدورنِ من نجست اسرار من — پر نہ سمجھے راز میرا زینہار
سرِ من از نالۂ من دور نیست — راز میرا ہے کہاں نالہ سے دور
لیک چشم و گوش را آں نور نیست — پر کہاں وہ چشم و گوش و سر میں نور
تن زجان و جاں زتن مستور نیست — تن ہے جاں سے جان ہے تن سے قریب
لیک کس را دید جاں دستور نیست — پر ہوا دیدارِ جاں کس کو نصیب
آتش ست ایں بانگ نادے نیست باد — آگ ہے یہ نالہ مت سمجھو ہوا
ہرکہ ایں آتش ندارد نیست باد — جس میں یہ شعلہ نہ ہو وہ ہو فنا

پیرجنگی کے بے ہوش ہونے کا قصہ

گشت آزاد از تن و رنج جہاں — درد دنیا اور بدن سے چھٹ گیا
در جہاں سادہ وصحرائے جاں — وہ جہاں جان کے صحرا میں گیا

جان او آنجا سرایاں ماجرا　　روح نے اس کی وہاں یوں عرض کی
کاندریجا گر بمانندے مرا　　مجھ کو رہنے دیتے گریاں دائمی
خوش بدی جانم ازیں باغ و بہار　　جاں مری خوش رہتی اس گلزار سے
مست ایں صحرائے غیب ولالہ زار　　مست رہتی غیب کے انوار سے
بے پروبے پا سفری کردے　　چلتی اڑتی پھرتی یاں بے پاؤں پر
بےلب و دنداں شکری خوردے　　کھاتی رہتی بے لب و دنداں شکر
ذکروفکرے فارغ از رنج و دماغ　　ذکر کرتی میں ترا بے درد سر
کردمی باساکناں چرغ لاغ　　بولتی ہنستی فرشتوں سے مگر
چشم بستہ عالمی ے دیدے　　بند آنکھوں سے یہ عالم دیکھتی
دردوریحاں بےکفی ے چیدے　　اور بے ہاتھوں کے یاں گل توڑتی
مرغ آبی غرق دریائے عسل　　بن گئی بحرِ عسل میں غوطہ زن
عین ایوبی شراب مغتسل　　چشمۂ ایوب سے نکھرا بدن
کہ بدو ایوب از پا تا بفرق　　حضرتِ ایوب جس سے سر بسر
پاک شد از رنجہا چوں نور شرق　　بن گئے تھے صاف جوں نور سحر
گر دبوداں چرخ دہ جزوے کہ ہست　　آسماں دس حصے بڑھ جائے اگر
نیست نزدآں جہاں جز تنگ وپست　　تب بھی اس عالم سے ہوگا تنگ تر
مثنوی درحجم گر بودے چو چرخ　　مثنوی بن جائے گرچہ آسماں
در نگنجیدے دروزیں نیم برخ　　نصف حصہ بھی نہ ہو اس کا بیاں
کایں زمین و آسماں بس فراخ　　گو زمین و آسماں اعلیٰ بنے
کرد از تنگی دلم را شاخ شاخ　　دل کے ٹکڑے ان کی تنگی نے کیے
دیں جہانے کاندریں خوابم نمود　　یہ جہاں جو خواب میں آیا نظر
از کشالیش پر و بالم را کشود　　اس نے کھولے بندغم سے میرے پر
آں جہاں وراہش ار پیدابدے　　اس جہاں کی راہ گر ہوتی عیاں

کم کسے یک لحظۂ ایں جا یدے	کوئی بھی رہتا نہ اک لحظہ یہاں
مول مولی میزد آنجا جان او	روح کہتی تھی خوشی میں ٹھہر جا
در فضائے رحمت و احسان او	دیکھ یہ احسان و رحمت کی فضا
امر می آمد کہ ہیں طامع مشو	حکم آیا فائدہ کیا حرص سے
چوں زپایت خار بیروں شد برو	پیر کا کانٹا جو نکلا، راہ لے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا
اپنے قاتل سے چشم پوشی کرنے کا قصہ

گفت دشمن راہمی بینم بہ چشم	بولے دشمن کو ہوں ہر دَم دیکھتا
روز و شب بروی ندام ہیچ خشم	پر نہیں کرتا کبھی غصہ ذرا
زانکہ مرگم ہم چو جان خوش آمدست	موت مثلِ روح ہے میری شفیق
مرگ من دربعث چنگ اندر زدست	اس جہاں کی زندگی کی ہے رفیق
مرگ بے مرگی بود ما را حلال	موت ہے بے موت کے مجھ کو روا
برگ بے برگے بود ما را نوال	بے سر و سامانیاں ساماں مرا
برگ بے برگے ترا چوں برگ شد	جب ہوئیں محتاجیاں ساماں ترا
جاں باقی یافتی و مرگ شد	پائی تو نے روح ملک بابقا
ظاہرش مرگ و بباطن زندگی	ہے بظاہر موت باطن میں حیات
ظاہرش ابتر نہاں پایندگی	ہے بظاہر ابتری باطن ثبات
از رحم زادن جنیں را رفتن ست	جیسے بچہ پیٹ سے باہر چلا
در جہاں او را زنو بشگفتن ست	اس نے یاں پائی نئی نشو و نما
ایں کہ مردن پیش جانش تہلکہ است	موت سے ہے جس کی جاں کو کچھ خطر
حکم لَاتُلْقُوْا نگیرد او بدست	اس کو آخر تہلکہ کی کیا خبر

چوں مرا سوئے اجل عشق و ہواست	موت سے جب عشق والفت ہے مجھے
نہی لَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ مراست	تہلکہ سے مجھ کو بچنا چاہئے
زاں کہ نہی از دانۂ شیریں بود	روک تو ہوتی ہے میٹھی چیز سے
تلخ را خود نہی حاجت کے شود	ٹوک کب ہوتی ہے کڑوی کے لئے
دانۂ مردن مرا شیریں شد ست	موت میرے حق میں اک میٹھا ہے پھل
بل ھم احیاءٌ پےِ من آمدست	ہے حیاتِ جاوداں مجھ کو اجل
اقتلونی یا ثقاتے لائما	قتل کرڈالو مجھے اے مہرباں!
ان فی قتلی حیاتی دائمًا	قتل ہے میری حیات جاوداں
ان فی موتی حیاتی یافتی!	موت ہے میری حیات اے یارِ من!
کم افارق موطنی حتی متی	کیوں رہے کب تک رہے ہجر وطن
فرقتی لولم تکن فی ذا السکون	موت ہوتی گر نہ آرام و سکون
لم یقل انا للّٰہ راجعون	تو نہ کہتا رب کہو تم راجعون
راجع آں باشد کہ باز آید بہ شہر	ہے وہی راجع جو لوٹے شہر کو
سوئے وحدت آید از تفریق دہر	سوئے وحدت کو چھوڑ ہجرِ دہر کو

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قصہ

گفت حمزہ چوں کہ بودم من جواں	بولے حمزہ جن دنوں تھا میں جواں
مرگ می دیدم وداع ایں جہاں	موت ہی سمجھوں تھا میں ترک جہاں
سوئی مردن کس برغبت کے رود	موت کے منہ میں کوئی جاتا نہیں
پیش اژدھار برہنہ کے شود	اور برہنہ سوئے مار آتا نہیں
لیک از نور محمد من کنوں	لیکن اب نورِ محمد سے میاں
نیستم ایں شہر فانی را زبوں	مجھ پہ کچھ غالب نہیں فانی جہاں
از بروں حس لشکر گاہ شا	خیمہ گاہِ شاہ حس سے دور ہے

پر ہمی بینم زنور حق سپاہ	نور حق سے فوج سب معمور ہے
خیمہ در خیمہ طناب اندر طناب	نور سے بھرپور ہر خیمہ طناب
شکر آں کہ کرد بیدارم زخواب	اس کا احسان کردیا سب دور خواب
آں کہ مردن پیش او شد فتح باب	موت کو سمجھا ہے جو فوزِ عظیم
سارعوا آمد مراد را در خطاب	جلد آ جا اس کو کہتا ہے کریم
الحذر اے مرگِ بیناں وارعوا	مرگ بینو تن ذرا سے لو سنوار
العجل اے حشر بیناں سارعوا	حشر بینو جلد دوڑو سوئے یار

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے خوشی سے انتقال فرمانے کا قصہ

چوں بلال از ضعف شد ہم چوں ہلال	جب مرض سے ہوگئے لاغر بلال
رنگ مرگ افتاد بر روئے بلال	مردنی چھائی ہوئی چہرہ نڈھال
جفتِ اُویدش بگفتا وا حرب	دیکھ کر بولیں یہ بی بی ہے غضب
پس بلالش گفت نے نے وا طرب	بولے وہ حضرت، نہیں یہ ہے طرب
تا کنوں اندر حرب بودم زریست	اب تلک تھا قیدی جنگِ حیات
تو چہ دانی مرگ چہ عیش ست و چیست	تجھکو کیا معلوم یہ عیشِ ممات
ایں ہمی گفت ورخش در عین گفت	ان جوابوں میں جو وہ خوش ذات تھا
نرگس و گلِ برگ و لالہ می شگفت	لالہ و گل رخ سے اس کے مات تھا
تاب روی و چشم پُر انوار او	روشنی چہرہ کی اور آنکھوں کا نور
می گواہی داد برگفتار او	اس کی باتوں کے تھے شاہد پر ضرور
گفت جفتش الفراق اے خوش خصال	بولیں یوں بی بی فراق اے خوش خصال!
گفت نے نے الوصال است الوصال	آپ یوں بولے، نہیں یہ ہے وصال
گشت جفت امشب غریبی می روی	بولیں وہ رہ گیرِ غربت ہو چلے
از تبار و خویش غائب می شوی	اَقربا سے اپنے رخصت ہو چلے

گفت نے نے بلکہ امشب جان من	بولے وہ حضرت، نہیں اے جانِ من
می رسد خوش از غریبی در وطن	روح غربت سے چلی سوئے وطن
گفت اے جاں و دلم وا حسرتا	بولیں وہ کیا حالت حسرت ہے یہ
گفت نے نے جان من وا دولتا	آپ بولے جانِ من دولت ہے یہ
گفت آں رؤیت کجا بیلیم ما	بولیں وہ میں تم کو دیکھوں گی کہاں
گفت اندر خلوت خاص خدا	آپ بولے عرشِ رب کے درمیان
من چو آدم بودم اول حبس و کرب	مثل آدم یاں ہوا تھا جتلا
پر شد اکنوں نسل جانم شرق و غرب	لیکن اب ہر سو ہے میرا سلسلہ
من گدا بودم دریں خانہ چو چاہ	میں کنویں جیسے جہاں میں تھا گدا
شاہ گشتم قصر باید بہر شاہ	اب ہوں سلطان، قصرِ سلطانی ملا
قصرہا خود مرشہاں را مانس ست	قصر سے ہوتا ہے جیسے اُنسِ شاہ
مردہ راخانہ و مکاں گورے بس ست	قبر ہے مردہ کا محلِ عز و جاہ

ایک عاشق کا ملامت کرنے والے کو جواب دینے کا فیصلہ

گفت اے ناصح خمش کن چند پند	بولا عاشق ناصحا! کب تک یہ پند
پندکم دہ زاں کہ بس سخت ست بند	ختم کر بس عشق ہے اک سخت بند
تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من	قتل ہونے سے مجھے تو مت ڈرا
تشنۂ زارم بخون خویشتن	میں بہت تشنہ ہوں اپنے خون کا
عاشقاں را ہر زمانے مُردنے ست	عاشقوں کو عشق میں ہر دم ہے موت
مردن عشاق خود یک نوع نیست	عاشقوں کو ہے کہاں اک طور فوت
او دو صد جاں دارد از نورِ ہدیٰ	نور حق کرتا ہے بے حد جاں عطا
واں دو صد را می کند ہر دم فدا	اور وہ کرتا ہے ان سب کو فدا
ہر یکے جاں را ستاند دہ بہا	ایک کی لیتا ہے دس وہ زود رس

از بنے خواں عشرۃ امثالھا — پڑھ لے قرآن میں، ہیں ایک نیکی کی دس
گر بریزد خون من آں دوست زو — قتل کردے گر مجھے وہ مہربان
پائے کو بان جان پر افشانم برو — وجد میں قربان کروں میں اس پہ جان
آزمودم مرگ من در زندگی ست — در حقیقت موت ہے یہ زندگی
چوں رہم زیں زندگی پابندگی ست — اس سے جب چھوٹا تو ہے پابندگی
اقتلونی اقتلونی یا ثقات — قتل کردو قتل مجھ کو مہرباں
ان فی قتلی حیاۃ فی حیاۃ — قتل ہے میری حیاتِ جاوداں
یا منیر الخد یا روح البقاء — اے سراپا نور اے جانِ بقا
اجتذب قلبی وجد لی باللقاء — جذب کرلے دل کو دکھلادے بقا
لی حبیب حبہ یشوی الحشا — اس کی اُلفت میں جلے جان و جگر
لو یشاء یمشی علٰی عینی مشا — اس کے چلنے کو ہیں آنکھیں رہ گزر

حب وطن کی تشریح

اے مسافر با مسافر رائے زن — اے مسافر کر مسافر سے صلاح
زاں کہ پایت لنگ دارد رائے زن — تا نہ روکے رائے زن راہ فلاح
از دم حب الوطن بگذر مایست — مت ٹھہر مت ترک کر حب وطن
کہ وطن آنسوست جاں ایں سوی نیست — اس وطن میں جاں ہے یاں ہے صرف تن
گر وطن خواہی گذر زاں سوائے شط — گر وطن چاہے تو پرلے پار ہو
ایں حدیث راست راکم خواں غلط — اس حدیثِ حق سے مت بیزار ہو
معنی حب الوطن آمد درست — معنی حب الوطن یوں ہے صحیح
تو وطن بشناس اے خواجہ نخست — تو وطن پہچان اے مرد فصیح

آخرت کے شوق کیلئے دُعا

اس کتاب میں یہاں تک جو حدیثیں آخرت کو یاد رکھنے کے لئے لکھی گئیں، اور

آخر میں جو قصے اور نظمیں آخرت کو یاد دلانے، اور یاد کو دہرانے کے لئے لکھی گئیں۔

یہ سب تدبیریں اور ذرائع ہیں وطن اصلی (آخرت) کے شوق اور آخرت کی بھلائی بدرجۂ کمال حاصل کرنے کے، لیکن یہ بھی مسلم ہے کہ تدبیروں اور ذرائع کا موجود ہونا، اور ان پر نتیجہ کا پیدا ہونا، ان سب کا اصلی سبب خالق اسباب (خالق تعالیٰ) کا چاہنا اور فضل ہے۔ جیسا کہ مولانا رومی کچھ تدبیریں اصلاح باطن کے متعلق بیان کر کے فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

کہہ دیا سب کچھ مگر آخر ہے یہ   بے خدا کے فضل کے وہ ہے نہ یہ

اس لئے ضروری اور سخت ضروری ہے کہ تدبیروں اور ذرائع کو اختیار کرنے کے بعد ان ہی پر بس نہ کرے، بلکہ حق تعالیٰ سے دعا بھی کرے کہ ہمارے اس کام میں مدد فرمائے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ یہاں اخیر میں کچھ دعائیں بھی جو اس کتاب کے مضمون کے مناسب ہیں، مناجاتِ مقبول میں سے نقل کردی جاویں، تاکہ کتاب کے مضمونوں کے ساتھ ان دعاؤں کو بھی حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کریں۔

اور چوں کہ شوق کی دعا میں معنی کا سمجھنا بہت کچھ اثر رکھتا ہے، اس واسطے ساتھ مناجات مقبول ہی سے ان دعاؤں کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے۔

اب پڑھنے والوں کو اختیار ہے، چاہے اصل عربی کی دعاؤں کو پڑھیں چاہے اردو ترجمہ کو، یا دونوں کو ساتھ، غرض ہر طرح حاصل ہے۔ اصل مطلب میں کسی عبارت کی تخصیص نہیں، اگرچہ الفاظ حدیث میں جو ایک زائد فضیلت ہے اس کا انکار بھی صحیح نہیں۔ مولانا رومی نے ایسے ہی موقع پر کیا خوب کہا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

فارسی سے عربی اچھی ہے ضرور   کہیے لیکن فارسی ہی اے حضور!
عشق کو فارسی عربی ہے کیا   عشق خود ہے سو زبانیں بولتا
مہکتی خوش بو ہے اس دل بر کی جب   یہ زبانیں گنگ رہ جاتی ہیں سب

مجموعۂ مناجاتِ مقبول سے چند مفید دعائیں

مع اصل عربی اور نظم اُردو کے

۱. فاطر السماوات والارض، انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ، توفنی مسلمًا والحقنی بالصالحین.

۲. اللھم اسألک نعیمًا لا ینفد، وقرۃ عین لا تنقطع، والرضاء بالقضاء، وبرد العیش بعد الموت، ولذۃ النظر الیٰ وجھک، والشوق الی لقائک، من غیر ضراء مضرۃ، وفتنۃ مضلۃ.

۳. اللھم لقنی حجۃ الایمان عند الممات.

۴. اللھم اغفرلی ذنبی، واخسأ شیطانی، وفک رھانی، وثقل میزانی واجعلنی فی الندی الاعلیٰ.

۵. اللھم انی اسألک الفوز فی القضاء، ونزل الشھداء، وعیش السعداء، ومرافقۃ الانبیاء، والنظر علی الاعداء، انک سمیع الدعاء.

۶. اللھم لاعیش الا عیش الآخرۃ.

۷. اللھم اجعل حبک احب الاشیاء الی، واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی، واقطع عنی حاجات الدنیا بالشوق الیٰ لقائک، واذا اقررت اعین اھل الدنیا من دنیاھم، فاقرر عینی من عبادتک.

۸. اللھم اعنی علیٰ غمرات الموت وسکرات الموت.

۹. اللھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ، حسبی اللہ عند الموت، حسبی اللہ عند المسألۃ فی القبر، حسبی اللہ عند المیزان، حسبی اللہ عند الصراط، حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو، علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم.

اے خدائے خالقِ ارض و سما اے خدا اے مالکِ روزِ جزا
ہے تو ہی دنیا میں میرا کارساز اور توہی آخرت کا کارساز
موت دے یا رب مجھے اسلام پر اور مجھ کو صالحوں کے ساتھ کر
دے وہ ٹھنڈک آنکھ میں اے ذوالجلال اور وہ نعمت دے نہ ہو جس کو زوال
رکھ رضا مند اپنی خواہش پر مجھے کر نہ دے حرص و ہوا مضطر مجھے
بعد مرنے کے مجھے راحت ملے اور تیرے دیدار کی لذت ملے
کر عطا اپنا مجھے شوقِ لقا دین و دنیا کی خرابی سے بچا
اور دلیل ایمان کی دل کو مرے یا الٰہی مرتے دم سکھلا تو دے
مغفرت میری کر اے رب غفور اور کردے مجھ سے تو شیطان کو دور
مجھ سے ہر ایک بند میرا دے چھڑا کر مجھے قید معاصی سے رہا
پلہ میری نیکیوں کا اور ثواب کردے بھاری اور بڑھا روز حساب
طبقۂ اعلیٰ میں دے مجھ کو جگہ مجلسِ بالا میں دے مجھ کو جگہ
چاہتا ہوں میں یہ تیرے فضل سے کامیابی میری قسمت میں ملے
اور شہیدوں کی طرح اے مستعان کر مجھے اپنا معزز مہمان
خوش نصیبوں کا سا مجھ کو عیش دے زندگی میری فراغت سے کٹے
اور مجھے پیغمبروں کے ساتھ کر دشمنوں پر دے مجھے فتح و ظفر
تو ہی سن لیتا ہے بندوں کی دعا کرلے مقبول اے خدا میری دعا
عیش تو یا رب ہے عیشِ آخرت دے مجھے وہ عیش اور کر مغفرت
دے مجھے اپنی محبت اس قدر ہر محبت سے یہی ہو بیش تر
اور محبت ہی سے تیرے اے غنی سب سے بڑھ کر ہو مجھے دل بستگی
دے مجھے خوف اپنا سب سے بیش تر سب سے بڑھ کر ہو مجھے تیرا ہی ڈر
تیرے ملنے کا ہو شوق اتنا مجھے کردے جو دنیا سے بے پروا مجھے

اور ہیں دنیا کی جتنی حاجتیں   بھول بیٹھوں سب کو میں اس شوق میں
جس طرح دنیا سے دنیا دار کی   ٹھنڈی کرتا ہے تو آنکھیں سب کی
کر مری آنکھوں کو بھی ٹھنڈک عطا   بندگی سے اپنی اے رب دو
موت کی سختی میں اور سکرات میں   جب لگا رہتا ہے شیطان گھات میں
ہو الٰہی! تو مدد گار و معین   مجھ پہ غالب ہو نہ جو دے وہ
کل گناہوں سے مرے تو درگزر   اور مجھ پر رحم اے رحمٰن
طبقۂ اعلیٰ میں جو بندے ترے   تیرے سب بندوں میں ہیں خاص
مجھ کو بھی یا رب ہو ساتھ ان کا نصیب   ان سے کردے اے خدا مجھ کو قریب
مرتے دم اور قبر میں وقت سوال   حسبی اللہ بس ہے فضل ذوالجلال
تولے جائیں گے عمل میزاں میں جب   پل پہ جب چلنے لگیں گے لوگ سب
ہر جگہ ہر حال میں اور ہر نفس   حسبی اللہ ہے مجھے اللہ بس
ہے وہی معبودِ برحق اور خدا   اور اسی پر بس بھروسا ہے مرا
اور وہی ہے صاحبِ عرشِ عظیم   ہے وہی غفار و ستار و حلیم

قدتم ما اردناہ بتوفیقہٖ تعالٰی لیلۃ المعراج النبوی صلی اللہ علی صاحبہٖ وسلم ۱۳۲۷ھ، وللہ الحمد.

حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالی کے وعظوں میں سے انتخاب کئے ہوئے بعض وہ مضامین جوشوق وطن کے مناسب ہیں مع وعظ کے نام سے

قال اللہ تعالٰی: ﴿وقضی بینھم بالحق وھم لایظلمون۝﴾ (الزمر:۶۹)
''اور تمام فیصلے ٹھیک ٹھیک کیے جاویں گے اور کسی کا حق نہیں مارا جاوے گا۔''

یعنی یہ نہیں ہوگا کہ کسی نے کوئی نیکی ذرا سی بھی کی ہو اور وہ نامۂ اعمال میں نہ ہو، یا کوئی برائی کسی نے نہ کی ہو اور وہ نامۂ اعمال میں درج کردی ہو۔ بلکہ بہ مقتضائے ''سَبقت رحمتی علٰی غضبی'' ایسا ہوگا کہ ایک نیکی انسان نے نہ کی ہو اور نامہ

اعمال میں درج ہو۔ (مثلاً: جن نیکیوں کا ارادہ کیا اور کرنے نہیں پایا، یا اعمال بیماری یا سفر میں ناغہ ہوگئے، یا اس کے مرنے کے بعد کسی کے بخشنے سے اعمال میں درج کر دیئے گئے۔ محمد مصطفیٰ۔) وہاں داد و دہش اور انعامات بہت ہوں گے۔

بات بات پر رحمت ہوگی، بعضوں کی بخشش صرف اتنی سی بات پر ہو جاوے گی کہ راستہ سے انہوں نے ایک کانٹا ہٹا دیا تھا۔ ایک عورت کی بخشش اس بات پر ہو جاوے گی کہ اس نے ایک کتے کو دیکھا کہ کنویں کے کنارے پر پیاس کے مارے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے، اس کو رحم آیا اور اپنے چرمی موزے کو اس نے اپنی اوڑھنی میں باندھ کر کنویں میں لٹکا کر پانی نکالا اور اس کو پلایا۔ وہ عورت بدکار تھی، لیکن حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے ہماری مخلوق پر رحم کیا ہے، لہٰذا ہم اس پر رحم کرتے ہیں۔

یہ دونوں قصے حدیث میں آئے ہیں اور مکشوفات تو ایسی بہت ہیں۔ مثلاً: ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ نیکوکار اور پرہیزگار تھا۔ اس کا انتقال ہوگیا، کسی نے خواب میں اس کو دیکھا۔ پوچھا: کہیے کیا معاملہ ہوا؟ کہا: یہاں مجاہدے اور ریاضتیں تو کچھ کام نہیں آئیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں کسر تھی اور وہ اس قابل نہ تھے کہ ان پر بخشش کا استحقاق سمجھا جاوے۔ یہ اس واسطے کہا گیا کہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ مجاہدہ و ریاضت اور اعمال بےکار چیزیں ہیں۔ یہ ضرور کام کی چیزیں ہیں، مگر ایسے اعمال کر کون سکتا ہے جو دربارِ خداوندی میں پیش کیے جا سکیں؟ اس واسطے کہا ہے:

بندہ وہی ہے کہ خدا کے حضور ۔۔۔ عجز کرے ہو کے سراپا قصور
ورنہ حقوق اس کے خدا ہونے کے ۔۔۔ کون ہے وہ جو کہ ادا کر سکے

غرض اس نے کہا: مجاہدے ریاضت تو کچھ کام نہیں آئے، مگر حکم ہوا کہ جاؤ، تم نے ایک دن ایک بلی کے بچہ پر رحم کیا تھا کہ وہ سردی سے کانپ رہا تھا تم نے اس کو لحاف میں لے لیا۔ جاؤ، تم کو ہم نے اس کے عوض میں بخشا۔ آدمی کبھی کسی ادنیٰ سے عمل کو بھی حقیر نہ سمجھے، کیا خبر کس عمل کو حق تعالیٰ قبول فرمالیں اور بخش دیں۔ حدیث میں ہے:

یا عائشۃ! لا تستحقری طاعۃً، او نحوہ.

یعنی اے عائشہ! کسی نیک عمل کو حقیر نہ سمجھو۔

الحاصل وہاں بات بات پر رحمت کا بہانہ ہوگا۔ ہاں یہ نہ ہوگا کہ بلا پچھ کیے کسی کو پکڑ لیا جاوے، یہ معنی ہیں: ﴿وھم لا یظلمون﴾ کے، یعنی کسی کا حق مارا نہیں جاوے گا۔ (السوق لأہل الشوق، ص۴۶)

معاملاتِ جزا تین قسم کے ہو سکتے ہیں
ظلم.... عدل اور رحمت

ظلم یہ ہے کہ کسی کا حق مار لیا جاوے اور اس کی کی ہوئی نیکی کا اجر نہ دیا جائے۔ اور عدل یہ ہے کہ گناہوں کی سزا دی جائے اور نیکیوں کا اجر برابر سرابر دیا جائے۔ اور رحمت یہ ہے کہ گناہوں کو نظر انداز کیا جائے اور نیکیوں کا اجر بڑھا دیا جائے۔

حق تعالیٰ بندوں پر ظلم تو کیا کرتے محض عدل کا برتاؤ بھی نہیں کریں گے، بلکہ بہت سے گناہوں کو عفو فرماویں گے اور نیکیوں کا ثواب قانون سے بہت زیادہ دیں گے کہ ایک نیکی دس نیکی کی برابر تو ضرور ہی ہوگی، بلکہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن مؤمنین کے ساتھ یہ برتاؤ ہوگا کہ ان کو بعض وہ نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی ملیں گی جو انہوں نے کی بھی نہیں تھیں۔ اور گناہوں کی بعض کے ساتھ یہ حالت ہوگی کہ اول بندہ کے سامنے چھوٹے گناہ پیش کئے جاویں گے اور بڑے پیش بھی نہیں کئے جائیں گے۔ پھر ان چھوٹوں کی نسبت بھی یہ حکم ہوگا کہ ان کو معاف کرو اور ان کو نیکی سے بدل دو۔ اب کیا ہے، اس وقت یہ حالت ہوگی کہ یا تو ڈر رہا تھا کہ کہیں بڑے گناہ پیش نہ ہوں، اور یا جب گناہوں کے عوض نیکیاں ملتی دیکھیں تو خود کہے گا کہ میں نے تو اور بھی بہت بڑے بڑے گناہ کئے تھے، وہ کہاں ہیں؟ ان کو مجھ پر کیوں نہیں ظاہر کیا گیا؟ اور اس سے غرض یہ ہوگی کہ جب چھوٹے گناہوں کی جگہ یہ نیکیاں ملی ہیں، تو

بڑے گناہوں پر ان سے بڑی نیکیاں ملیں گی، اس امید میں بے ساختہ کہنے لگے گا کہ میرے بڑے بڑے گناہ کہاں گئے؟ سبحان اللہ! کچھ حد ہے رحمت کی۔

اور یہ بھی ہوگا کہ بعضے گناہ وہ ہوں گے جو بندہ نے کئے تھے، لیکن وہ نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے نہ ہوں گے۔ پہلی قسم تو وہ تھی کہ گناہ نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے تھے، مگر پیش نہیں کئے گئے اور یہ قسم وہ ہے کہ گناہ نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے ہی نہیں ہیں، یہ وہ گناہ ہیں جن سے توبہ کرلی گئی ہے۔ اور اہل سنت کی تحقیق تو یہ ہے کہ بلا توبہ بھی عفو ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی گناہ سے توبہ بھی نہ کی ہو اور حق تعالیٰ نے محض اپنی طرف سے اس کو معاف کردیا ہو۔ غرض کس قدر رحمت ہے کہ بہت سے گناہ جو کئے گئے تھے وہ نامۂ اعمال میں نہ ہوں گے اور بہت سی نیکیاں جن کو بندہ نے کیا بھی نہیں وہ نامۂ اعمال میں موجود ہوں گی۔ یہ شانِ رحمت ہے جو عدل سے بالاتر ہے اور ظلم کا تو ذکر ہی کیا۔ (اسوق الی الشوق ص ۴۹)

جنت مشتاق ہوگی اہل جنت کی، جیسے کوئی بڑا عزیز مہمان۔ گویا کسی کا بچہ مدت کے بعد دور دراز سے آوے تو اس کے لینے کے لئے ماں گود پھیلائے بیٹھی ہوتی ہے۔ تو جیسے جنتی مشتاق ہیں جنت کے، جنت بھی ان کی مشتاق ہے۔ اور اس میں جو کچھ خدم و حشم، حور وغلمان ہیں، وہ سب بھی مشتاق ہیں۔ یہ مضمون حدیث سے بھی ثابت ہے۔ یہ تو اہل جنت کے لئے لذتِ جسمانی ہوئی کہ ایک قول پر دروازے بند ہوں گے، اور یہ انتظار کرتے ہوئے اور باہر کی آرائش دیکھتے ہوئے اطمینان کے ساتھ جاویں گے، پھر یک دم دروازے کھول دیئے جاویں گے۔ یا دوسرے قول پر دروازے کھلے ہوئے ہوں گے، اور جنت اور مافیہا ان کی مشتاق ہوگی۔ آگے لذتِ روحانی کا بیان ہے۔ ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا﴾ (الزمر:۷۳) ''اور کہیں گے ان سے وہاں کے کارکن'' یعنی فرشتے: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝﴾ (الزمر:۷۳) یہ اکرام ہے ان کا، اور اظہار عظمت ہے کہ فرشتے ان کو سلام کریں گے اور مبارک باد دیں گے کہ تم اچھے رہے، اب چین کرو اور جنت میں چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ کیسی خوشی کا وقت

ہے؟ اہل جنت جوش میں آ کر کہیں گے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ (الزمر:۷۴) ''حق تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا۔'' ایمان لانے پر ہم سے جنت کا وعدہ کیا تھا سو اس کو کر کے دکھادیا۔ ﴿وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ﴾ ''مالک بنادیا ہم کو زمین کا۔'' یعنی جنت کی زمین کا جیسا کہ آگے تصریح موجود ہے۔ اور کسی خاص حصہ کا مالک نہیں بنایا، بلکہ ﴿نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ﴾ (الزمر:۷۴) ''جنت میں سے جہاں ہم چاہیں جگہ لے سکتے ہیں۔''

یہ آزادی ہوگی کہ جہاں جس کا جی چاہے گا وہاں پہنچ جائے گا۔ ایسا نہ ہوگا جیسے کوئی نظر بند ہوتا ہے کہ کسی ایک باغ میں یا ایک شہر میں رہتا ہے کہ اس سے باہر نہیں جاسکتا۔ اہل جنت کے لئے کوئی حد نہ ہوگی۔ بے قید کھلے آزاد ہوں گے۔ جہاں چاہیں جائیں، جو چاہیں کریں۔ دوستوں سے ملیں، تہ خانوں میں رہیں، دیواروں سے لپٹیں، چھت پر چڑھیں۔ غرض کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہوگی، کسی بات سے دل مارنا نہ پڑے گا، عجب لطف ہوگا۔ بقول مولانا محمد یعقوب صاحب کے: ''چھوٹی سی خدائی ہوگی'' چھوٹی سی کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی خدائی میں تو سب کچھ اختیار اور ارادہ سے ہوتا ہے، اور اس میں ان کے اختیار سے تو کچھ نہ ہوگا، مگر مرضی کے موافق سب کچھ ہو جاوے گا۔ یعنی جس چیز کو ان کا جی چاہے گا فوراً حق تعالیٰ اس کو حکم دیں گے اور وہ ہو جائے گی۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے: ﴿لکم فیها ماتشتهیه الانفسُ وتلَذُّ الاعینُ﴾ (الزخرف:۷۱)

ترجمہ: تمہارے واسطے اے اہل جنت! جنت میں وہ ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور جس سے آنکھیں لذت پائیں۔ ''ما'' کا لفظ عام ہے، تو جو کچھ کسی کا جی چاہے تو وہی ہوگا۔ مثلاً چھت دار مکان میں بیٹھے ہیں اور دل چاہا کہ چھت نہ رہے، تو چھت فوراً ہٹ جاوے گی۔ یا میدان میں ہیں اور جی چاہا کہ اس جگہ چھت دار مکان ہوتا، تو فوراً خدائے تعالیٰ کے حکم سے ایک آن میں جیسا مکان خیال میں آیا تھا ویسا ہی موجود ہو جائے گا۔ اور جی چاہا کہ سائبان نہ رہے تو فوراً ہٹ جاوے گا۔

ایک پرند خوب صورت درخت پر بیٹھا ہے، جی چاہا کہ اس کے کباب کھاتے۔ بس یہ خیال آنا تھا اور وہ کباب بن کر، قاب میں تیار ہوکر سامنے آ گیا۔ مزے سے کھائے۔ لطف یہ ہے کہ یہاں کباب کھائے گئے اور ادھر دیکھتے ہیں کہ وہی پرند بزرگوار بیٹھے چہچہا رہے ہیں۔ جنت کی ہوا میں حیات ہے، جیسے عرفی نے کشمیر کی تعریف میں ایک شعر کہا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

مرغِ بریاں بھی جو کشمیر میں آ جاتا ہے وہ بھی اک بار جنم دوسرا پا جاتا ہے

یہ کشمیر کے بارے میں تو مبالغہ ہے اور جنت کے بارے میں حقیقت ہے۔ قرآن شریف میں اس کی تصریح موجود ہے، یعنی اس کے میوے ہمیشہ رہنے والے اور غیر فانی ہیں۔ میوہ درخت سے ٹوٹ کر آنے کے بعد کھالیا جائے گا اور درخت پر پختہ موجود رہے گا۔ اس پر ایک معقولی صاحب نے اعتراض کیا کہ جب وہ کھالیا گیا تو فنا ہوگیا، پھر دوام کہاں رہا؟ میں نے کہا: دوام نوعی مراد ہے نہ کہ شخصی، یعنی جس کو کھایا وہی نہیں رہے گا، بلکہ اسی جنس کا دوسرا اس کی جگہ فوراً پیدا ہوجائے گا، تو دوام صحیح رہا۔ غرض جو چاہیں گے فوراً موجود ہوجائے گا۔ دھوپ چاہیں تو دھوپ ہوجائے گی، سایہ ہٹ جائے گا۔ اس سے مراد دنیا کی سی دھوپ نہیں جس سے تکلیف ہو، بلکہ وہاں کی سی دھوپ جو جنت کے لائق ہے، جس سے تکلیف بالکل نہ ہو۔

یہ اس واسطے کہہ دیا کہ شاید کوئی اعتراض کرے کہ قرآن میں تو صاف موجود ہے: ﴿لایرون فیھا شمسًا ولا زمھریرًا○﴾ (الانسان:۱۳) یعنی اہل جنت جنت میں نہ دھوپ پائیں گے اور نہ سردی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں دھوپ نہ ہوگی۔ اور میں نے کہا کہ کوئی دھوپ کو چاہے تو جنت میں دھوپ بھی ہوجائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ ایسی دھوپ نہ ہوگی جس سے تکلیف ہو۔ زمہریر کے مقابلہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ زمہریر سخت سردی کو کہتے ہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ وہاں نہ ایسی چھاں ہوگی جس سے سردی لگے اور نہ ایسی دھوپ ہوگی جس سے گرمی لگے۔

پس ایسی دھوپ کا ہونا جو موجب تکلیف نہ ہو، اس آیت کے خلاف نہ ہوا اور وہ بھی ہر وقت نہیں، بلکہ اگر کسی کا جی دھوپ کو چاہے تو ہو جائے گی۔ بعضوں کا دل چاہے گا کہ ہمارے بیٹا ہوتا (ہائے کوئی بے اولاد ہوگا) یہ بھی ہو جائے گا۔ وہاں کیا دیر لگتی ہے، فوراً تیار پلا پلایا برابر کا فرزند موجود۔ کسی کا کھیتی کو دل چاہے تو آناً فاناً میں کھیتی تیار اور غلہ گھایا ہوا صاف شدہ سامنے آ کر ڈھیر ہو گیا۔ یہی سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا، تو ایک شخص نے کہا کہ یہ کھیتی مانگنے والا کوئی انصاری ہوگا یہ اس واسطے کہا کہ انصار اہل زراعت تھے۔ میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے سنا، ان کی نظر بہت وسیع تھی، غالباً کسی روایت میں دیکھا ہوگا کہ جنت میں یہ بھی ہوگا کہ ایک پھل ہاتھ میں لیا کھانے کے لئے اور اس میں ایک دَم ایک حور نکل آئی اور کہا: السلام علیکم۔ پس دیکھ کر طبیعت بھڑک گئی۔ بعض میں سے ایک جوڑا پوشاک کا نکل آیا، یہ بھی ایک حظ ہے کہ ایک نامعلوم چیز دفعتاً پیدا ہو جاوے۔ نعمت کے ملنے سے خوشی تو ہر طرح ہوتی ہے، لیکن اگر اس طرح ملے کہ اس کا وہم وگمان بھی پہلے سے نہ ہو تو عجب حظ ہوتا ہے۔

ایک رئیس کا قصہ اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے سنا کہ ان کے یہاں دو قصباتی مہمان آئے، تو باورچی نے ان کے سامنے ناشتہ لا کر رکھا، جس میں صرف ایک دسترخوان ڈیڑھ بالشت کا اور ایک چھوٹا پیالہ قورمہ کا اور ایک طشتری میٹھے چاول کی اور چار پتلی پتلی چپاتیاں۔ اس مختصر ناشتے کو دیکھ کر مہمانوں کا جی جل گیا اور دل میں کہا کہ یہ رئیس لوگ جیسے خود کم کھاتے ہیں جس کی وجہ دودھ گھی کی کثرت ہے، ایسے ہی دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں۔ خیر جبراً قہراً وہ چاول اور چپاتیاں جھلا کر جلدی سے ختم کر دیں اور چپ ہو کر بیٹھ رہے۔ خادم نے کہا: حضرت نوش فرمائیے۔ یہ اور جل گئے اور کہا: کیا کھائیں؟ اس نے پیالہ کو اٹھا کر توڑ کر سامنے رکھ دیا، یہ نمکین بالائی جمائی ہوئی تھی۔

اس کے بعد اس طشتری کے بھی ٹکڑے کر کے آگے رکھ دیئے، وہ میٹھی بالائی تھی۔ پھر دسترخوان اٹھا کر ٹکڑے کر کے سامنے رکھ دیا کہ جناب ابھی تو بہت کھانا موجود ہے،

آپ گھبرائیے نہیں، یہ دستر خوان باقر خوانی روٹی تھی۔ پورا دستر خوان ان سے کھایا بھی نہ گیا اور پیٹ بھر گیا، تب ان کی آنکھیں کھلیں۔

دیکھئے! اگر پہلے ان مہمانوں سے کہہ دیا جاتا کہ دستر خوان یہ ہے اور پیالہ یہ ہے، تو اتنا حظ نہ آتا جتنا کہ دفعتاً معلوم ہونے کے بعد کھانے سے ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نعمت کا ایک غیر متوقع صورت اور نئے طریق سے نمودار ہونا باعث زیادتِ حظ کا ہوتا ہے، اس کے واسطے کوششیں کی جاتی ہیں اور روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔

ایک مسلمان راجہ نے ایک مرتبہ لیفٹیننٹ گورنر کے لئے کسی کاری گر سے ایک مٹھائی کا انار بنوایا، جس کی صورت بالکل انار کی سی تھی، دانے بھی ویسے ہی تھے، چھلکا بھی ویسا ہی تھا، مگر تھی سب مٹھائی۔ ایک انار کے بنوانے میں دوسو روپیہ خرچ ہوئے تھے (دیکھئے خدا تعالیٰ کی نعمتیں کہ دوسو روپیہ میں ایک انار تیار ہوا اور پھر بھی نقلی کا نقلی کہ نہ اس میں دانہ اصلی جیسا نہ گٹھلی اصلی جیسی۔ بس صورت ہی صورت تھی اور خدا کے بنائے ہوئے اصلی انار جن کے برابر یہ دوسو روپیہ کا انار کبھی نہیں ہوسکتا، پیسہ کے دو دو آتے ہیں۔ سبحان اللہ!)

اور ایک شخص نے بیان کیا کہ کسی دعوت میں ایک قاب میں چنبیلی کے پھول لائے گئے کہ وہ حقیقت میں چاول پکے ہوئے تھے۔ کاری گر کی صنعت اور محنت دیکھیے کہ کوئی مصالحہ تیار کیا، جس میں ایک ایک چاول کو آدھا آدھا ڈبو کر پکایا تھا اس کے اثر سے وہ آدھا پھول کی طرح کھل گیا۔ اور آدھا ڈنڈی کی طرح رہ گیا اور بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ قاب چنبیلی کے پھولوں سے بھری ہوئی ہے۔ پھول اٹھانے کے لئے ہاتھ ڈالا گیا۔

تو معلوم ہوا کہ چاول ہیں اور کھانے کی چیز ہے، دیکھئے کتنا بکھیڑا کیا گیا صرف اس واسطے کہ نیا حظ حاصل ہو۔ اسی طرح جنت میں طرح طرح سے نئے حظ حاصل ہوں گے، پھل میں سے کوئی پرند خوش الحان نکل آیا، یا کوئی حور نکل آئی، تاکہ اہل جنت کو ایک جدید حظ حاصل ہو۔ سبحان اللہ! ﴿نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ﴾ (الزمر: ۷۴) ترجمہ: ہم جنت میں جہاں چاہیں پھریں اور جہاں چاہیں رہیں۔

کہیں روک ٹوک نہ ہوگی، بالکل مخلی بالطبع ہوں گے۔

اس آزادی کا ترجمہ کسی مسخرہ نے آوارہ گردی کیا تھا۔ خیر لفظی ترجمہ تو برے عنوان سے یہ ہوسکتا ہے، مگر یہ وہ آوارہ گردی نہیں ہے جو دنیا میں بری سمجھی جاتی ہے، کیوں کہ آوارہ گردی دنیا میں اس وجہ سے عیب ہے کہ مانع عن الکمالات ہے۔

دنیا میں ضرورت ہے انسان کو بہت سے کمالات حاصل کرنے کی۔ پڑھنے لکھنے کی، صنعت وحرفت حاصل کرنے کی، روپیہ کمانے کی، مکان بنانے کی، اولاد حاصل کرنے کی وغیرہ وغیرہ۔ اور ان سب کی تحصیل چاہتی ہے مشغولیت اور مصروفیت کو جس سے آوارہ گردی مانع ہوتی ہے، لہٰذا عیب سمجھی جاتی ہے۔

اور جنت میں کوئی کمال حاصل کرنا نہیں ہے، وہاں ہر چیز کا ذمہ حق تعالیٰ نے لیا ہے، ہم کو کسی مصروفیت اور مشغولیت کی ضرورت نہیں، تو وہاں ادھرادھر آزاد پھرنا جس کو آوارہ گردی سے تعبیر کیا تھا، کسی کمال کی تحصیل میں مانع نہیں، بلکہ تمام کمالات کے حصول کا ثمرہ ہے کہ ہم ایسے فارغ ہیں کہ کسی کمال کی تحصیل باقی نہیں، پھر آزادی سے کیوں نہ پھریں۔ اس واسطے خوشی میں کہتے ہیں:

﴿نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَاءُ﴾ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اہل جنت آپس میں احباب سے مل سکیں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے جنت کی اس وقت سے تمنا ہوگئی جب سے سنا ہے کہ وہاں دوستوں سے ملاقات ہوسکے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوستوں سے ملنا بڑی چیز ہے اور ایسی نعمت ہے جس کی وجہ سے جنت کی تمنا کی گئی۔ گویا جنت ذریعہ ہے دوستوں سے ملنے کا، تو دوستوں سے ملنا لذات جنت کا مکمل ہوا، مگر وہی دوست جو خدائی دوست ہیں۔

﴿فنعم اجر العٰمِلِیْنَ o﴾ (الزمر:۷۴) (ترجمہ) پس کیسا اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جنت اور مافیہا جو کچھ ملا ہے، یہ سب عمل کی بدولت ملا ہے۔ بڑی چیز عمل ہے، جس سے آج کل غفلت ہے۔ (السوق لأہل الشوق، ص ۸۵)۔

ہر چیز وہاں کی دنیا کی چیزوں کی بہ نسبت بدرجہا اچھی ہے۔ گویا نام وہاں کی چیزوں کے دنیا کی چیزوں کے سے ہیں، مگر ان سے کچھ نسبت ہی نہیں۔

مثلاً آیا ہے: ﴿فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ﴾ (الرحمٰن: ٦٨) یعنی جنت میں میوے ہوں گے اور کھجور کے درخت ہوں گے اور انار ہوں گے۔ اور آیا ہے:

﴿فِيهَا أَنْهٰرٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ﴾ (محمد: ١٥) یعنی پانی کی نہریں ہوں گی۔

اور آیا ہے کہ دودھ کی نہریں ہوں گی اور شہد کی نہریں ہوں گی اور شراب کی نہریں ہوں گی نام ان سب چیزوں کے دنیا ہی کی چیزوں کے سے ہیں، مگر وہ چیزیں دنیا کی سی نہیں ہیں۔ نہ وہاں کا میوہ دنیا کا سا میوہ ہے اور نہ وہاں کی کھجور دنیا کی سی کھجور ہے اور نہ وہاں کا انار دنیا کا سا انار ہے اور نہ وہاں کا پانی دنیا کا سا پانی ہے۔

چناں چہ اس کی صفت بیان فرمائی ہے: ﴿غَيْرِ اٰسِنٍ﴾ یعنی ''خراب نہ ہونے والا''۔ دنیا کا پانی تھوڑے عرصہ میں متغیر ہو جاتا ہے اور وہ کبھی متغیر نہ ہوگا۔ اور نہ وہاں کا دودھ دنیا کا سا دودھ ہے۔ چناں چہ فرمایا ہے: ﴿وانھر من لبن لم یتغیر طعمہٗ﴾ (محمد: ١٥) یعنی ''اس دودھ کا مزہ نہ بدلا ہوگا۔'' دنیا کا دودھ باسی ہونے سے بھی خراب ہو جاتا ہے اور وہاں کا دودھ ہزاروں برس گزرنے سے بھی ویسا ہی رہے گا۔ اور نہ وہاں کی شراب دنیا کی سی شراب ہے۔ وہاں کی شراب وہ ہے جس کو دنیا میں کسی نے دیکھا ہی نہیں۔ دنیا کی شراب ناپاک ہے اور بدمزہ ہے، اور وہ شراب بدمزہ نہیں، بلکہ ﴿لَذَّةٌ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ (مزہ کی چیز پینے والوں کے لئے) اس کی صفت ہے اور طہور ہے۔ طہور صیغہ مبالغہ کا ہے، یعنی بہت پاک کرنے والی کہ سینہ اور روح کو پاک صاف کر دے گی۔ دنیا کی شراب نشہ لاتی ہے، اور حواس اور عقل کو مکدر کرتی ہے، اور وہ نشہ نہیں لاتی، اور حواس اور عقل کو اور زیادہ صاف کرنے والی ہے۔

حق تعالیٰ نے اس کو صرف طاہر ہی نہیں فرمایا، بلکہ طہور فرمایا بمعنی مطہر، یعنی دوسری چیز کو بھی پاک کر دینے والی۔ اس سے اس کا خود طاہر ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا،

کیوں کہ جو چیز دوسرے کو پاک کرتی ہے وہ خود ضرور پاک ہوگی۔غرض وہاں کی کسی چیز کو دنیا کی کسی چیز سے سوائے شرکت اسمی کے کچھ نسبت نہیں۔جن پھلوں کے نام آئے ہیں دنیا میں بھی گو وہ پھل موجود ہیں، مگر وہاں کے پھلوں سے کچھ نسبت نہیں رکھتے۔اسی طرح وہاں عورتیں بھی ہیں جن کو حورعین فرمایا گیا ہے، ایسی عورتیں اس عالم میں کہیں بھی موجود نہیں۔غرض وہاں کی کسی چیز کو دنیا کی کسی چیز سے کچھ مشابہت نہیں۔

یہاں ایک اور مضمون ذہن میں آتا ہے۔وہ یہ ہے کہ جنت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں سے اچھا کہنے کے معنی یہ نہیں کہ چیزیں جنت میں وہی ہیں جو دنیا میں ہیں مگر اعلیٰ درجہ کی ہیں، جیسا دنیا کی چیزوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ایک میلا پانی اور ایک صاف ستھرا چھنا ہوا پانی کہ حقیقت دونوں کی ایک ہے، صرف وصف میں فرق ہے۔ بلکہ اچھا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جنت کی چیزوں کی حقیقت ہی دوسری ہے اس حقیقت کی چیز دنیا میں موجود ہی نہیں۔رہا یہ کہ پھر ان کا نام دنیا کی چیزوں کا کیوں ہے؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اور کوئی عنوان ان سے تعبیر کرنے کا نہیں۔اگر کوئی عنوان ہے تو یہی ہے جو دنیا کی چیز کا ہے، بایں معنی کہ اگر اس سے کچھ مناسبت اور قرب ہے صورت یا کسی معنی کو تو فلاں چیز کو ہے، اس لحاظ سے اس کا نام اس کا سا رکھ دیا۔

مثلاً انار ایک چیز ہے جو دنیا میں موجود ہے اور انار بھی وہ لیجئے جو سب سے بڑھیا ہو، اور انار جنت میں بھی موجود ہے، جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے، لیکن دونوں میں کچھ بھی علاقہ نہیں سوائے اس کے کہ صورتاً ایک کہے جاویں۔یہ مضمون ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور جنت کی نعمتوں کا صرف نام ہی مشترک ہے، ورنہ وہاں اور چیزیں ہیں جن کا خیال بھی نہیں آسکتا۔

بلکہ یہ مضمون حدیث میں ہے، وہ یہ ہے: **أعددت لعبادی الصالحین مالا عینٌ رأت، ولا اذنٌ سمعت ولا خطر علٰی قلب بشر.** یعنی فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے

دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا۔

معلوم ہوا کہ وہاں کی چیزیں ایسی ہیں جو یہاں موجود نہیں، ورنہ کوئی آنکھ تو دیکھتی۔ اور نہ کبھی ہم سے پہلے زمانہ میں پیدا ہوئیں، ورنہ ان کا ذکر تو کان سے سنتے۔ بلکہ ان کو یہاں کی چیزوں سے اس قدر مغایرت ہے کہ خیال بھی ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے معنی تو یہی ہوئے کہ وہاں کی چیزیں دنیا سے علیحدہ ہی ہیں۔

وہاں کا انار دنیا کا سا انار نہیں ہے، وہاں کی کھجور دنیا کی سی کھجور نہیں ہے، وہاں کا پانی دنیا کا سا پانی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہاں کے انار کو دنیا کے پھلوں میں سے کسی پھل سے اگر کچھ مشابہت ہے تو انار سے ہے، اس واسطے اس کو انار کہا گیا، ورنہ وہ ایسی چیز ہے جس کی حقیقت بلا کھائے سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

علیٰ ہذا وہاں ایک نام پانی بھی آیا ہے، اس معنی پر کہ اگر کسی چیز سے اس کو مشابہت ہے تو پانی سے ہے، اس واسطے اس کو پانی فرما دیا، باقی خدا جانے کیا ہے، حقیقت پینے سے ہی معلوم ہوگی۔ آیات میں بعض جگہ یہ مضمون بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہے، مثلاً وہاں کے برتنوں کی نسبت آیا ہے ﴿کانت قواریرًا﴾، یعنی ''وہ برتن شفاف ہوں گے، جیسے بلور کے برتن'' کہ ادھر کی چیز ادھر سے نظر آئے گی۔ اور اس سے آگے فرمایا ہے: ﴿قواریرا من فضة﴾، یعنی ''وہ شفاف برتن چاندی کے ہوں گے''۔ ان کو ''قواریر'' بھی فرماتے ہیں اور ''فضة'' بھی فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ برتن ہوں گے تو چاندی کے، مگر شفاف ہوں گے مثل شیشہ کے، تو شفاف چیز واقع میں چاندی کہاں ہوئی؟ دنیا میں کون سی چاندی ایسی صاف ہے؟ عمدہ سے عمدہ چاندی اینٹ کی مانی جاتی ہے، مگر شفاف وہ بھی نہیں۔ اور وہاں کی چاندی ایسی ہوگی جس میں نظر آر پار ہو جائے گی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ بس نام چاندی کا ہے اور حقیقت کچھ اور ہے۔ چاندی اس کو اس وجہ سے کہہ دیا ہے کہ دنیا کے اگر کسی جسم سے اس کو مشابہت ہے تو چاندی کے ساتھ ہے۔ اور مثلاً: وہاں کی عورتیں جو ''حور'' کہلاتی

ہیں۔ان کا نام سن کر خیال ہوتا ہے کہ دنیا کی حسین عورتوں کی قسم سے ہوں گی۔

خود دنیا میں بھی ایک سے ایک حسین موجود ہے، مگر حدیث میں جوان کی صفات آئی ہیں ان کو سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ حور کسی اور نوع سے ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ اگر حورِعین کے کپڑے کا ایک کونہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی سے سورج اور چاند ماند ہو جائیں گے۔جس کے کپڑے کا یہ حسن ہو اس کی ذات کا کیا حسن ہوگا؟ اس کا حسن تو وہم وگمان سے باہر ہے۔چناں چہ حدیث میں ان کے حسن کی نسبت آیا ہے: یُرٰی مُخُّ سُوْقِهِنَّ مِنْ وَّرَائِهِنَّ. یعنی ان کا جسم ایسا صاف شفاف ہوگا کہ کپڑوں کے اندر سے اور کھال کے اندر سے اور ہڈی کے اندر سے پنڈلی کا گودا نظر آوے گا۔یہ مبالغہ نہیں ہے، بلکہ سچی بات ہے، کیوں کہ حدیث میں آچکی ہے۔قرآن وحدیث میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا، سچی سچی اور سیدھی باتیں بیان ہوتی ہیں۔

حور واقع میں ایسی ہی ہوگی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کیوں کہ وہاں کے حالات میں اور یہاں کے حالات میں بڑا فرق ہے، وہاں کے حالات یہاں ذہن میں آ ہی نہیں سکتے،اس واسطے کہ ان کی کوئی نظیر کبھی نظر سے نہیں گزری۔(السلام التحقیقی)

جنت میں شائبہ بھی کلفت کا نہیں،جس بات کو دل چاہے بلا تکلف اور بلا محنت اور بلا کسی ذریعہ کے فوراً موجود ہے۔مثلاً: ایک پرند سامنے بیٹھا ہے۔کسی جنتی کا جی چاہا کہ اس کا کباب کھاتے۔بس وہ فوراً کباب بن کر تیار ہو کر سامنے آ گیا۔نہ اس کے واسطے غلیل کی ضرورت نہ بندوق کی۔نہ ذبح کی نہ کھال اتارنے کی۔نہ پکانے کی، نہ گھی کی، نہ مصالحہ کی۔ بنا بنایا کباب سامنے آ گیا۔یا مثلاً: ایک مکان میں بیٹھے ہیں اور وہ مکان آراستہ وپیراستہ ہے۔چھت اس کی مرصع ہے، مگر جی چاہا کہ کھلا ہوا مکان ہوتا۔اس کے لئے آپ کو اس مکان سے اٹھنے اور دوسرے مکان میں جانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ بھی ایک تکلیف ہے۔وہاں یہ ہوگا کہ چھت غائب اور کھلا ہوا مکان موجود۔ قرآن شریف میں ہے: ﴿لَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ﴾ (فصلت:۳۱) یعنی جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کو اہل جنت کا جی چاہے۔(السلام التحقیقی)

رسالہ خاتم بالخیر

ضمیمہ: بعد الحمد والصلوٰۃ، احقر عبدالمجید بچھرایونی عرض رسا ہے کہ رسالہ ''تسہیل شوق وطن'' کے دیباچہ سے واضح ہو گیا ہو گا کہ اصلی مقصود رسالۂ مذکورہ کا حسن خاتمہ کے اسباب کا جمع کرنا ہے۔ چوں کہ اس مقصود میں بعض اوقات بعض شبہات بھی موجب پریشانی ہو کر مخل ہو جاتے ہیں، جن میں ایک بڑا شبہ وہ ہے جس کے جواب میں حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب مدظلہم العالی نے رسالہ ''خاتمہ بالخیر'' لکھا ہے، اس لئے اشتراک فی المقصود کے سبب مناسب معلوم ہوا کہ رسالہ ''تسہیل شوقِ وطن'' کے ساتھ رسالہ ''خاتمہ بالخیر'' کی بھی اشاعت کر دی جائے۔ چناں چہ اس کو اصل رسالہ کے اخیر میں ملحق کر دیا گیا ہے۔ وھی ھٰذہٖ۔ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾

رسالہ خاتمہ بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

نحمدک اللھم علٰی مایسرت لنا أسباب العبادۃ، ونصلی علٰی نبیک محمد وآلہٖ واصحابہٖ علٰی ما ارشدنا الٰی ابواب السعادۃ.

بعد حمد وصلوٰۃ!، امر مطلوب البیان یہ ہے کہ ایک روز منبع الفضل مجمع الشرف جناب مولوی محمد اشرف صاحب کانپوری **سلمھم اللہ تعالٰی عن الضیاع والتلف**، اس ناداں کے پاس ''احیاء العلوم'' لے کر تشریف لائے اور کتاب الخوف میں امام نے سوئے خاتمہ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کی ظاہر عبارت پر جو اشکال ہے اس کی تقریر فرمائی، جس کے ضمن میں جانبین سے مختلف سوال و جواب معرض بیان میں آئے۔ بعد حصول اطمینان ارشاد فرمایا کہ اگر یہ تقریر قید تحریر میں آ جائے تو مجھ کو بھی اطمینانِ کامل ہو، اور دوسروں کو بھی جن کو یہ اشکال پیش آیا ہو گا نفع حاصل ہو گا۔ چوں کہ مشورہ نیک تھا بنامِ خدا قلم اٹھاتا ہوں اور شرح اس مقام کی جزِ تحریر میں لاتا ہوں۔

اس میں اولاً خلاصہ تقریر امام، ثانیاً تقریر اشکال، ثالثاً تقریر جواب منقول ہے۔ اور مقاصدِ سگانہ کے لئے کل رسالہ کے تین فصول ہیں:

فصل اوّل

خلاصۂ تقریر امام غزالی میں۔ جاننا چاہئے کہ سوئے خاتمہ کے دو مرتبہ ہیں، جن میں ایک مرتبہ دوسرے سے زیادہ سخت ہے۔ سو وہ مرتبۂ عظیمہ ہول ناک یہ ہے کہ سکرات موت اور اس کی ہولیں ظاہر ہونے کے وقت قلب پر شک یا انکار کا غلبہ ہوجاوے، اور اسی حالت میں روح قبض ہوجاوے اور دوسرا مرتبہ جو اس سے ادنیٰ ہے، وہ یہ ہے کہ موت کے وقت امورِ دنیا میں سے کسی امر کی محبت اور شہواتِ دنیا میں سے کوئی شہوت قلب پر غالب ہوجاوے، اور وہ اس کے قلب میں صورت پکڑ لے اور اس کو گھیر لے۔

یہاں تک کہ اس حالت میں کسی اور شے کی گنجائش نہ رہے اور اتفاقاً اسی وقت اس کی روح قبض ہوجاوے، لیکن ہرگاہ کہ اصل ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت مدت تک قلب میں راسخ رہ چکی ہے اور اعمال صالحہ سے اس کو پختگی ہوچکی ہے، اس لئے یہ حالت جو مرتے وقت عارضی طور پر پیش آ گئی تھی، قلب سے محو ہوجاتی ہے۔ پس اگر اس شخص کا ایمان قوت میں حدِ مثقال تک ہے، تو اس کو دوزخ سے بہت نزدیک زمانہ میں نکال لے گا اور اگر اس سے بھی کم ہے تو وہ زمانہ دوزخ میں رہنے کا طویل ہوگا، لیکن دوزخ سے اس کو نکال ضرور لے گا گو ہزاروں سال بعد سہی، اگرچہ حبہ ہی کے برابر اس کا ایمان ہو۔

اب سمجھنا چاہئے کہ شک و انکار پر خاتمہ کیوں ہوتا ہے؟ سو اس کے دو سبب ہیں: ایک سبب تو باوجود کمالِ ورع و زہد و درستیٔ اعمال کے بھی متصور ہوسکتا ہے، جیسا بدعتی زاہد۔ اور مراد ہماری بدعت سے یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے باب میں خلاف واقع اعتقاد کرے۔ خواہ اپنی رائے اور عقل سے، اور خواہ کسی ایسے ہی شخص کی تقلید سے۔ پس جس وقت موت کا قرب ہوتا ہے اور ملک الموت کی شکل اس کو ظاہر ہوتی ہے اور اس سے قلب میں اضطراب پیدا ہوتا ہے، اس حالت

سکرات میں بعض اوقات اپنے عقائد جہلیہ کا باطل ہونا منکشف ہوتا ہے، کیوں کہ موت کی حالت پردہ کھل جانے کی حالت ہے، پس جب اس کے نزدیک اپنا وہ اعتقاد باطل ٹھہر گیا اور حالاں کہ اس کو یقینی اور قطعی طور پر مانے ہوئے تھا، اس وقت یہ گمان غالب ہوتا ہے کہ جس قدر باتوں کا میں نے اعتقاد کر رکھا تھا وہ سب بے اصل ہیں۔ پس اگر اتفاق سے اسی خطرہ میں اصل ایمان کی طرف رجوع اور ثبات ہونے سے پہلے اس کی جان نکل گئی، پس اس کا خاتمہ خراب ہوگیا اور اس کی جان معاذ اللہ شرک پر نکلی۔ اور جس طرح آئندہ ہونے والے اُمور کبھی خواب میں منکشف ہوجاتے ہیں، اسی طرح سکرات میں بعض اُمور منکشف ہوجاتے ہیں۔

رہ گیا دوسرا سبب سو وہ اصل میں ایمان کا ضعیف ہونا، پھر اس پر حب دنیا کا قلب پر غالب ہونا ہے۔ اور جتنا ایمان ضعیف ہوگا اتنی اللہ کی محبت ضعیف ہوگی اور دنیا کی محبت قوی ہوگی۔ پس یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ قلب میں بجز ایک خیالی بات کے محبت الٰہی کی جگہ باقی نہیں رہتی۔ پس جب سکراتِ موت کا وقت آتا ہے وہ محبتِ الٰہی اور زیادہ ضعیف ہوجاتی ہے۔ چوں کہ مفارقتِ دنیا کا حال اس کو ظاہر اور معلوم ہوتا ہے، اور وہ اس کی محبوب تھی اور قلب پر غالب تھی اس لئے مفارقت دنیا کی معلوم کرنے سے اس کا دل دکھتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے۔ پس اس کے لئے موت کے مقدر ہونے کا ناپسند ہونا اور اس کے من جانب اللہ ہونے کا ناگوار ہونا، اس کے باطن میں کھٹکتا ہے۔ بس اس امر کا اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں بجائے محبت کے اللہ تعالیٰ کا بغض جوش زن ہو۔ پس جس لحظہ میں کہ یہ خطرہ اس کو آیا ہے، اگر اتفاق سے اس کی جان نکل گئی تو اس کا خاتمہ خراب ہوگیا اور ہمیشہ کے لئے برباد ہوا۔

اب رہ گیا دوسرا مرتبہ خاتمہ کا جو پہلے سے ادنیٰ ہے اور جہنم میں ہمیشہ رہنے کو مقتضی نہیں۔ اس کے بھی دو سبب ہیں:

ایک سبب معاصی کی کثرت ہے، اگرچہ ایمان قوی ہو۔ دوسرا سبب ایمان کا ضعف

ہے، اگرچہ معاصی قلیل ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ارتکابِ معاصی کا سبب شہوات کا غالب ہونا، اور بوجہ کثرتِ اُلفت اور عادت کے ان کا قلب میں راسخ ہونا ہے۔ اور انسان کو اپنی عمر بھر میں جس چیز سے اُلفت ہو جاتی ہے، مرتے وقت اس کی یاد قلب کی طرف عود کرتی ہے۔ پس اگر اس کا میلان طاعات کی طرف زائد ہوا تو مرتے وقت اس کی یاد مستحضر ہوگی اور اگر اس کا میلان معاصی کی طرف زیادہ ہوا تو مرتے وقت اس کی یاد قلب پر غالب ہوگی۔ پس بعض اوقات کسی دنیوی خواہش اور کسی مصیبت کے غلبہ کے وقت اس کی روح قبض ہو جاتی ہے۔ پس اس کا قلب اس میں مقید رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے۔ اور اس مضمون کو ایک مثال سے سمجھ سکتے ہو۔ وہ یہ کہ یہ بات تم سے مخفی نہیں کہ انسان اپنے خواب میں ان احوال کا زیادہ حصہ دیکھتا ہے جن کو عمر بھر دیکھتا رہا ہے۔ اور موت بھی مشابہ خواب کے ہے اور یوں اس سے بڑھ کر ہے، لیکن پھر بھی سکراتِ موت اور اس سے قبل جو غشی ہوتی ہے خواب کے قریب قریب ہوتی ہے، تو یہ بھی اُلوف چیزوں کی یاد آنے کی مقتضی ہوگی۔

پس غلبۂ اُلفت اس باب کا سبب بن جاتا ہے کہ کوئی بے ہودہ تصور اس کے قلب میں متشکل ہو جاوے اور اس کا نفس اس کی طرف مائل ہو اور کسی وقت اس حالت میں اس کی جان قبض ہو جاوے۔ اور یہی خاتمہ کی خرابی ہو جاوے اگرچہ اصل ایمان باقی ہو جس سے اُمید ہے کہ اس حالت سے اس کی خلاصی ہو جاوے گی۔ اور جس طرح بیداری میں جو خطرات آتے ہیں ان خطرات کا کوئی خاص سبب ہوتا ہے، اسی طرح خواب میں خطرات کے منتقل ہونے کے لئے بہت سے اسباب ہیں۔ اور اسی طرح سکرات موت کے وقت بھی جب سوئے خاتمہ کا مرجع احوالِ قلب اور اختلاجِ خطرات ٹھہرا۔ اور مقلب القلوب اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور برے خطرات کے اِقتضا کرنے والے جو اتفاقی اسباب ہیں، وہ اختیار کے تحت میں پورے طور سے داخل نہیں۔ اگرچہ طولِ اُلفت کو اس میں تاثیر ضرور ہے، اسی وجہ سے عارفین کو سوئے خاتمہ سے

...خوف ہوا ہے، کیوں کہ اگر انسان یوں چاہے کہ خواب میں صرف صلحا کے حالات نظر آیا کریں تو یہ امر اس پر دشوار ہوگا۔ اگر چہ کثرتِ صلاح اور اس کی پابندی کچھ مؤثر ہوگی لیکن خیالات کی حرکت پورے طور پر ضبط میں نہیں آسکتی۔

اگر چہ اکثر یہی ہے کہ خواب میں نظر آنے والی چیزیں اسی کے مناسب ہوتی ہیں جس کا بیداری میں غلبہ ہوتا ہے۔ اور اس سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ دمِ اخیر جس میں جان نکلتی ہے، اگر اس میں سلامتی نہ رہی تو عمر بھر کے تمام اعمال ضائع و بیکار ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ خطرات کے تموّج میں سلامتی رہنا سخت مشکل ہے، کیوں کہ مؤمن کا قلب کشتی سے زیادہ ڈانواں ڈول ہونے والا ہے اور خطرات کی موجیں موجِ دریا سے زیادہ طلاطم کرنے والی ہیں۔ اور بڑے اندیشہ کی چیز موت کے وقت یہی ہے کہ کوئی برا خطرہ نہ آئے۔ اور یہ وہی چیز ہے جس کے حق میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بعض آدمی پچاس سال تک جنتیوں کا سا عمل کرتا رہتا ہے۔

یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف اس قدر فصل رہ جاتا ہے جیسا اونٹنی کا ایک بار دودھ نکال کر بقیہ دودھ اترنے کے لئے تھوڑی دیر چھوڑ کر دوبارہ پھر نکالنے لگتے ہیں۔ یعنی جس قدر فصل دوبارہ دودھ نکالنے کے درمیان میں ہوتا ہے اتنا ہی اس شخص میں اور جنت میں رہ جاتا ہے۔ اور اس کا خاتمہ اس حالت پر ہوتا ہے جو پہلے سے نوشتہ ہو چکا ہے۔ اور اتنی فصل میں ایسے اعمال کی گنجائش نہیں ہوسکتی جو موجب شقاوت ہوں، بلکہ یہ امور جو اتنی دیر میں واقع ہوسکتے ہیں وہی خطرات ہیں جو قلب میں جنبش کرتے ہیں اور کوندنے والی بجلی کی طرح خطور کرتے ہیں۔

اور اسی خطرِ عظیم کی وجہ سے شہادت تمنا کی چیز ٹھہری اور موتِ ناگہانی ناپسند ہوئی، کیوں کہ ناگہانی موت بعض اوقات ایسے وقت اتفاقاً واقع ہوتی ہے کہ اس وقت کسی برے خطرے کا قلب پر غلبہ اور تسلط تھا۔ اور قلب اس قسم کے خیالات سے کم خالی رہتا ہے، ہاں اگر کراہت یا نورِ معرفت سے ان خیالات کا دفعیہ ہوتا رہے تو اور بات ہے۔

رہی شہادت تو اس کا حاصل یہ ہے کہ روح ایسی حالت میں قبض ہوتی ہے کہ اس وقت قلب میں بجز اللہ تعالیٰ کی محبت کے کوئی چیز نہیں رہتی۔

اور جب تم کو سوئے خاتمہ کے معنی معلوم ہو گئے تو اس کی تیاری میں مشغول ہو جاؤ اور یادِ الٰہی پر مواظبت کرو، اور اپنے قلب سے دنیا کی محبت نکال دو، اور اپنے اعضا کو معاصی کرنے سے اور اپنے قلب کو معاصی کے تصور سے محفوظ رکھو۔

اور ایسا نہ کرنا کہ ٹالتے رہو، اور یہی کہتے رہو کہ جب خاتمہ کا وقت آوے گا اس وقت تیاری کرلوں گا، کیوں کہ تمہارا ہر دم خاتمہ ہی ہے۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ اسی دم تمہاری جان نکل جاوے۔ پس اپنے قلب کی ہر لحظہ نگرانی رکھو اور ایک لحظہ کے لئے اس کو مہمل مت چھوڑو، شاید یہی لحظہ تمہارا خاتمہ ہو۔

یہ حالت تو جاگنے تک رہنا چاہئے اور جب سونے لگو تو بلا ظاہری و باطنی طہارت کے مت سو اور جب تک تمہارے قلب پر ذکر اللہ کا غلبہ نہ ہو تب تک مت سو۔ اور جاننا چاہئے کہ یہ بات اس وقت میسر ہو سکتی ہے کہ دنیا سے قدرِ ضرورت پر قناعت کرو۔ جب اس پر بس کرو گے تو اللہ کے کام کے لئے فارغ ہو جاؤ گے اور خاتمے کی تیاری کر سکو گے۔ اور اگر حدِ ضرورت سے تجاوز کر کے ہوسوں کے جنگل میں جا پڑو گے، تو افکارِ مختلفہ تم کو پریشان کریں گے اور خدائے تعالیٰ کو کچھ بھی تمہاری پروانہ ہوگی کہ تم کس جنگل میں مر گئے اور کھپ گئے۔ ختم ہوا کلام امام غزالی رحمہ اللہ کا اختصار کے ساتھ۔

فصل دوم

تقریر اشکال میں جو امام رحمہ اللہ کے ظاہر کلام پر وارد ہوتا ہے۔ اس تقریر میں ظاہراً یہ اشکال ہے کہ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے خطراتِ بد پر بھی جو کہ اختیار سے خارج ہیں مواخذہ ہوتا ہے اور اس سے بھی کفر یا فسق لازم آتا ہے۔ اس صورت میں کفر یا فسق اختیارِ عبد سے خارج ٹھہرا، حالاں کہ کفر یا فسق افعالِ اختیاری سے ہیں اور اگر اس کو غیر اختیاری کہا جاوے تو اولاً مذہب جبریہ کی صحت لازم آتی ہے، ثانیاً اس

سے بہت مایوسی و دل شکنی ہوتی ہے کہ اگر آدمی خود بھی کفر وفسق سے بچنے کا اہتمام کرلے، تب بھی اس میں کامیابی مشکوک ہے، تو پھر تمام عمر طاعت میں مشغول رہنا بے کار ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی تمام عمر کی کوشش بلا اس کے قصد واختیار کے ضائع ہو جاوے اور یہ امر عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ پس کلام امام کا بظاہر ان ادلۂ قطعیہ کے خلاف ٹھہرتا ہے۔ پس یا ان کے کلام کو نہ مانا جاوے، یا ان ادلۂ صحیحہ کا انکار کیا جاوے۔ اور امرِ اول مستبعد ہے اور دوسرا امر محال وباطل ہے۔

فصل سوم

اس اشکال کے رفع اور اس کلام کی توجیہ کے بیان میں۔ یہ کلام ظاہراً مشکل ہے اور دوسرے قواعد صحیحہ سے معارض ہے، مگر جب دو صریح دلیلوں میں تعارض ہوتا ہے ایک میں تاویل ضرور ہے۔ اور تاویل کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کلام کو اس کے ظاہری معنی سے پھیرنا۔ اور ادلۂ قطعیہ کو ان کے ظاہر سے منصرف ومنحرف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس لابد کلام امام میں تاویل کرنا چاہئے۔ سو میں کہتا ہوں کہ اس مقام پر گو بوجہ غلبۂ حال خوف کے حضرت امام کا قلم ہیبت کے طاری ہونے سے تیز ہو گیا ہے، مگر جو ظاہری مطلب مفہوم ہوتا ہے وہ مقصود میں مخل نہیں، کیوں کہ اولاً قرآن مجید میں خود منصوص ہے: ﴿لایکلف اللہ نفسًا الا وسعها﴾ (البقرة:۲۸٦) جس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کو ایسی کسی چیز کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے جو اس کے اختیار سے خارج ہو۔

ثانیاً احادیث صحیحہ میں وارد ہے: "**ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا مالم تعمل او تتکلم**" یعنی صرف وسوسہ اور خطرے پر مواخذہ نہیں ہے جب تک آدمی باختیار خود وہ کام نہ کرے یا کلام نہ کرے۔ بلکہ اگر عمل یا کلام بھی کفر یا فسق کا ہو، مگر اختیارِ صحیح سے نہ ہو، یعنی یا تو سبقتِ لسانی وخطا ونسیان سے کوئی کلام یا عمل صادر ہو گیا ہو، یا کسی ظالم کے جبر واکراہ سے جس میں اِتلاف جان وغیرہ کا خوف قوی ہو، ایسا فعل ہوا۔ اس میں باوجود عمل وتکلم کے بھی مواخذہ نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں

آیاتِ آخر سورۂ بقرہ میں خطا ونسیان پر مواخذہ نہ ہونا صاف صاف مذکور ہے۔

حدیث میں: "رفع عن امتی الخطا والنسیان وما استکرھوا علیہ" مختلف الفاظ میں مصرح ہے۔ حدیث توبہ میں ایک شخص کے منہ سے جناب باری تعالیٰ کی شان میں یہ نکل جانا: میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے، اور اس پر شارع علیہ السلام کا انکار نہ فرمانا سبق لسانی کے معافی کی صریح دلیل ہے۔

ثالثاً فقہائے مقبولین نے بالاجماع خطا ونسیان وسبق لسان واکراہ کو بہت مسائل میں اَعذار سے شمار کیا ہے، بالخصوص کفر وایمان کے قصہ میں۔ چناں چہ کتبِ فقہ میں مذکور ومشہور ہے۔

رابعاً خود حضرت امام غزالی نے کتاب "أحوال القلب" میں اس مسئلہ کی تخصیص وتصریح فرمادی ہے کہ خطرے پر بوجہ غیر اختیاری ہونے کے مواخذہ نہیں۔ چناں چہ اس مقام پر فرماتے ہیں کہ اول جو قلب پر وارد ہوتا ہے خاطر ہے۔ مثلاً: کسی عورت کی صورت کا خیال آیا اور وہ راہ میں اس کی پشت کی طرف ہے کہ اگر یہ شخص پیٹھ پھیر کے دیکھے تو اسے دیکھ لے۔ دوسرا درجہ رغبتِ نظر کا ہیجان ہے اور وہ شہوتِ طبعیہ کی حرکت ہے۔ اور یہ خاطرِ اول سے پیدا ہوتی ہے اور ہم اس کو میل طبع کہتے ہیں۔ اور پہلے درجہ کا نام حدیث النفس رکھتے ہیں۔ تیسرا مرتبہ قلب کا حکم کرنا کہ اس کام کو کرنا چاہیے، اس کو اعتقاد (یہ اعتقاد کی دوسری اصطلاحی تفسیر ہے، معنی مشہور مراد نہیں، کیوں کہ وہ عملی اختیاری ہے اور اس پر مطلقاً مواخذہ ہے) کہا جاتا ہے، اور یہ خاطر اور میل کے جن کا اوپر ذکر ہوا تابع ہے۔ چوتھا مرتبہ عزم بالجزم کر لینا اس طرف دیکھنے پر۔ اور ہم اس کا نام ہَمّ اور قصد رکھتے ہیں۔ پس مقام پر عمل کرنے کے قبل قلب کے چار احوال ہوئے: حدیث النفس، پھر میل، پھر اعتقاد، پھر ہم۔

اب ہم کہتے ہیں کہ خاطر پر مواخذہ نہیں، کیوں کہ وہ اختیار کے تحت میں داخل نہیں۔ اسی طرح میل اور ہیجان شہوت، کیوں کہ وہ دونوں بھی اختیار کے تحت میں

داخل نہیں۔ رہ گیا تیسرا درجہ اور وہ اعتقاد ہے اور قلب کا حکم کرنا کہ اس کام کو کرنا چاہئے، سو یہ درجہ بین بین ہے۔ یعنی کبھی اضطراری ہوتا ہے کبھی اختیاری ہوتا ہے۔ سو اختیاری پر تو مواخذہ ہوتا ہے اور اضطراری پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ رہ گیا چوتھا درجہ اور وہ اس فعل کا ہم ہے، اس پر بے شک مواخذہ ہے۔ اور وہ خطرات اور حدیث النفس اور ہیجان رغبت یہ سب اختیار سے خارج ہے، اس پر مواخذہ ہونا تکلیف مالا یطاق ہے۔ پس اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اعمالِ قلب میں سے جو امر وسعت میں داخل نہ ہو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ تمام ہوا کلام امام رحمہ اللہ کا بطور خلاصہ کے۔

پس ہر گاہ قرآن اور حدیث و اجماعِ فقہا اور خود امام رحمہ اللہ کے کلام سے متحقق ہو گیا کہ خطرات اور حدیث النفس اور میلان و ہیجان پر مطلقاً اور حکم قلب پر دواماً مواخذہ نہیں۔ صرف گاہ گاہ قلب پر اور مطلقاً عزم بالجزم پر مواخذہ ہے۔ اس لئے یہ کلام اپنے ظاہری متبادر معنی پر محمول نہیں ہوسکتا، بلکہ واجب ہوگا کہ اس کلام میں تاویل کی جاوے، تا کہ ان دلائل صحیحہ اور خود اپنے ایک صحیح مدلل کلام سے تعارض نہ لازم آوے۔

پس بتوفیق الٰہی کہتا ہوں کہ تاویل کلام کی یہ ہے کہ مراد (یہ الفاظ ان عباراتِ خطبہ میں مذکور ہیں) خطرہ (یعنی ان کے کفر ہونے کی اطلاع نہ تھی) وخلجان و جوش و میلان وغیرہا سے وہ مرتبۂ غیر اختیاری نہیں جس پر مواخذہ نہیں ہوتا، بلکہ کبھی خطرہ وغیرہ کے بعد انسان بوجہ غلبۂ جہل یا انہماکِ ہوائے نفسانی اپنے اختیار اور قصد سے حالتِ بقائے عقل میں اس خطرہ وغیرہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہے، اور اس پر جزم و عزم کر لیتا ہے۔ چوں کہ سبب اور منشا اس عزم و جزم کا وہی خطرہ تھا، اس لئے مجازاً اس مرتبۂ اختیاری کو بھی خطرہ سے تعبیر کر دیا، جیسا سبب پر اسمِ سبب کا اطلاق علاقات مجاز سے مستعمل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مرتبہ جزم و عزم کا اختیاری ہے، اس پر مواخذہ ہونا نہ عقلاً تکلیف مالا یطاق ہے نہ شرعاً کسی دلیل صحیح کے خلاف ہے اور چوں کہ سبب اس کا وہی خطرۂ غیر اختیاری ہے، اس لئے جن عبارات میں اس کو غیر اختیاری کہا ہے مراد اس

سے اسی سبب کا مرتبہ ہے۔ یہ گفتگو تو اس کیفیت میں ہے جو مرتے وقت حالت ہوش میں پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کفر یا فسق وغیرہ پہلے سے اس کی قلب میں پیدا ہو چکا تھا، مگر بوجہ جہلِ علوم شرعیہ اور انہماکِ شہواتِ مذمومہ کے اس کی اطلاع اور اس کی جانب التفات نہ تھا۔ مرتے وقت چوں کہ حجاباتِ مذکورہ مرتفع ہو گئے اس وقت سمجھ میں آیا کہ میں مسلوب الایمان اور مبتلائے طغیان تھا (چناں چہ خود حضرت امام رحمہ اللہ رسالہ ''اربعین'' بحث اتباعِ سنت میں فرماتے ہیں: **وبالكفر فهو ان يخطر بباله ان هٰذا ليس كذٰلك، وانما ذكر للترغيب في الجماعة، والا فلا مناسبة بين الجماعة وبين هٰذا العدد المخصوص بمن بين سائر الاعداد، وهٰذا الكفر خفي قد ينطوي عليه الصدور وصاحبه لا يشعر به**) لیکن اگر احوالِ آخرت اس کو نظر آنے لگے ہیں، اس وقت اس کا ایمان مقبول نہیں ہوتا۔ سو سلبِ ایمان مرتے وقت نہیں ہوا، بلکہ اس کا ظہور اس وقت ہوا۔

پس امام صاحب کی تقریر کے بعض مضامین تاویلِ اول پر محمول ہیں اور بعض مضامین توجیہ ثانی پر منطبق ہیں۔ چناں چہ علامہ زبیدی شارحِ ''احیاء العلوم'' نے ''قوتُ القلوب'' (از) ابو طالب مکی رحمہ اللہ سے اس باب میں جو نقل کیا ہے، اس سے ان تاویلوں کی تائید ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اور اتنے تھوڑے وقت میں یعنی جس میں ایک بار اونٹنی کا دودھ نکال کر دوسری بار نکالنے تک چھوڑ دیا جاوے، کوئی عمل جسمانی جوارح کے متعلق صادر نہیں ہو سکتا۔ البتہ وہ اعمالِ قلوب سے ہے جو مشاہدۂ عقل کے ذریعہ سے واقع ہوتا ہے اور یہ وہ شرک ہے جو توحید کی صورت میں ہوتا ہے، جس کا حیاتِ دنیا میں مشاہدہ نہ ہوا تھا، پردہ کھلنے کے وقت اس کا ظہور ہوا۔

بس اس کی کیفیت اس شخص پر غالب ہو گئی اور اس کا حال اس میں کھل گیا، جب کہ اعمالِ سیئہ کا بھی ظہور ہو جاتا ہے۔ پس اس کا قلب اس کو باحلاوت سمجھتا ہے، یا اس کو زبان سے بولنے لگتا ہے، یا اس کے حواس باطنی میں وہ رچ جاتا ہے، پس وہی

جس کا خاتمہ ہوتا ہے جس پر اس کی جان نکل جاتی ہے۔

اور علامہ امام ناصر الدین الاسکندری المالکی ''انتصاف حاشیۂ کشاف'' میں حدیث: "فَوَاقَ نَاقَةٍ" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے فَوَاقِ نَاقَةٍ کے ساتھ تشبیہ دی، کیوں کہ وہ انتہا درجہ کا چھوٹا ہوا ہے اور اتنے زمانہ میں صرف قصدِ صحیح مقصود ہوسکتا ہے۔ اس سے صاف واضح ہوا کہ کفر و معصیت کے واسطے قصدِ صحیح کی حاجت ہے اور کلام امام کا یہی محمل ہے۔ اور اگر قصدِ صحیح نہیں صرف خطرہ و ہیجان طبعی غیر اختیاری ہے، اس پر مواخذہ نہیں، بلکہ اگر بلا قصد بوجہ زوالِ عقل کے کچھ منہ سے بھی نکل جاوے، تب بھی معاف ہے۔ ''بحرِ رائق'' میں ہے کہ فقہا نے فرمایا ہے کہ اگر قریب الموت شخص سے ایسے کلمات ظاہر ہوں کہ موجبِ کفر ہیں، تب بھی اس کے کفر کا حکم نہ کیا جاوے گا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں گے کہ یہ حالتِ زوالِ عقل میں ہوا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حالتِ زوالِ عقل میں تکلم بالکفر بھی معاف ہے اور خیالِ کفر تو تکلم سے ادنیٰ ہے، وہ بدرجۂ اولیٰ معاف ہوگا۔ خلاصۂ مقام اور حاصلِ کلام یہ ٹھہرا کہ بدون ارادہ و اختیار کے کسی شخص کا کافر و عاصی نہ ہونا، دلائل یقینیہ سے ثابت ہے۔ اگر کسی بزرگ کا کلام اس کے خلاف معلوم ہو تو اس کو غلبۂ حال پر محمول کیا جاوے، یا اس میں تاویلِ مناسب کی جاوے۔

تتمیم

جس طرح امام صاحب نے سوئے خاتمہ کے اسباب بیان فرمائے ہیں، بعضے اسباب اور بزرگوں نے بھی بتلائے ہیں۔ من جملہ ان کے اہل اللہ کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرنا اور دعویٰ ولایت و بزرگی کا کرنا اور اہلِ کفر کی رسوم یا وضع کو پسند کرنا اور ان کی تعریف و تائید کرنا۔ اور بعض اسبابِ حسنِ خاتمہ کے ارشاد کئے ہیں۔ من جملہ ان کے ہمیشہ اپنے ایمان پر شکر ادا کرنا، اور اچھے لوگوں سے محبت رکھنا، اور کثرتِ

تہلیل و استغفار اور قبل عصر چار نفل پڑھنا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اسباب سوئے خاتمہ سے بچنے میں اور اسبابِ حسن خاتمہ کی تحصیل میں خوب کوشش کریں۔

خاصیت

اس تحریر سے یہ مقصود نہیں کہ لوگ خوب بے باک ہو جاویں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ مایوس نہ ہوں، کیوں کہ ایمان کے لئے خوف ورَجا دونوں لازم ہیں۔ باقی اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے ضرور دعا کرتے رہیں، اور تصحیح عقائد اور اصلاح اعمال میں خوب اہتمام کریں کہ یہ حسن خاتمہ میں معین ہے۔

واللہ ولی التوفیق، وھو خیر رفیق، فی کل مقصود و طریق.

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه سیدنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین.

ضمیمہ

ایک موذی مرض کے علاج میں (ہر چند کہ اس مضمون کو اصل مقصود ورسالہ میں کوئی دخل نہیں، مگر چوں کہ ضرورت اور کام کی بات تھی، اس لئے تھوڑے تناسب سے یہاں الحاق کر دیا گیا۔) خطرہ ہر چند مواخذہ کی چیز نہیں جیسا اوپر تحقیق ہوا۔ مگر اس کا غلبہ وہجوم طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا ہے، اور انتہا درجہ کا حزن والم قلب پر طاری ہو جاتا ہے۔

سو یہ امراضِ شرعیہ میں سے تو نہیں ہے، اس حیثیت سے اس کا علاج ضروری نہیں، مگر امراضِ طبعیہ میں سے سخت درجہ کا مرض ہے، اس لئے اس کا علاج سہل و مجرب و مختصر بیان کیا جاتا ہے۔

وہ یہ کہ خطرہ کی حقیقت بلا اختیارِ نفس کا کسی بری چیز کی طرف متوجہ ہو جانا۔ چوں کہ یہ مسئلہ بداہت عقل و بہ تسلیم حکما ثابت ہے کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

اس لئے جب کسی بری چیز کا خیال دل میں آوے تو اس کے دفعیہ کا قصد نہ کرے، اس میں اور نہ اس کے اسباب میں خوض کرے کہ اس سے زیادہ لپٹتا ہے، بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کر دے، اس سے وہ برا خیال خود بخود دفع ہو جاوے گا۔ اور اگر وہ پھر خیال میں آوے، پھر ایسا ہی کرے، ان شاء اللہ اس تدبیر سے اس کا اثر، بلکہ خود وہ خطرہ ہی متخیلہ سے نکل جاوے گا۔ علاجِ کلی اس کا یہی ہے۔ حدیث میں جو ایسے وقت میں بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی، اس سے یہ علاج مستنبط ہے۔

باقی معالجات جو مشائخ کے نزدیک معمول ہیں، جیسے تصورِ شیخ، یا پاسِ انفاس، یا تخیلِ نقشِ اسم ذات، وہ سب اسی کلی کے جزئیات ہیں، اور اگر خطرات سے پریشان ہو کر ضعفِ قلب، یا خفقان، یا نجافتِ جسم، یا کسی مرض کے عروض کی نوبت آ گئی ہو، تو علاج مذکور کے ساتھ مقویات و مفرحاتِ قلب، و غذائے نفیس اور ادویۂ مرضِ عارضی کا استعمال بھی جاننا ضروری ہے۔

چوں کہ بعض سالکوں کو یہ عقبہ پیش آتا ہے جس سے ان کے ظاہری و باطنی انتظام میں خلل پڑ جاتا ہے، اس لئے اس کی اصلاح عرض کر دی گئی۔ اس علاج کو سہولت و اختصار کی وجہ سے بے قدری کی نظر سے نہ دیکھیں، امتحان کر کے اس کا نفع ملاحظہ فرماویں۔

(۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ کان پور)

تمّت بالخیر

نِهَايَةُ الْاِدْرَاكِ فِيْ اَقْسَامِ الْاِشْرَاكِ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ، راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِی التَّھَانْوِیْ

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

یہ رسالہ سوال وجواب کا مجموعہ ہے
جس میں شرک کی ایک قسم کی تحقیق کی گئی ہے
جس میں عدم ذات کا ترتب ہے

نہایۃ الادراک فی اقسام الاشراک

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ شرک جس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ الخ﴾ اس شرک کی کیا حقیقت ہے اور آیا اس شرک کا کوئی مرتبہ ایسا بھی ہے کہ بعض غیر اللہ کو اس درجہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا منافی نجات ہو اور بعض کو شریک کرنا منافی نجات نہ ہو؟ مثلاً ایک تو بزرگوں کی قبروں یا تعزیہ وغیرہ کو خاص نیت و اعتقاد کے ساتھ سجدہ کرنا، حاجت مانگنا ہے یا ان پر حلوہ، مالیدہ، شیرینی وغیرہ چڑھانا ہے۔

دوسرے بتوں یا پیپل کے درخت کو اسی نیت و اعتقاد کے ساتھ سجدہ کرنا، حاجت مانگنا، ان پر حلوہ وغیرہ چڑھانا ہے۔ تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ان بزرگوں کی مقبولیت عنداللہ ہونے کی وجہ سے وہ سجدہ وغیرہ کرنا منافی نجات نہ ہو اور بتوں پیپل کے ساتھ وہی برتاؤ منافی نجات ہو۔ اور اگر یہ نہیں ہوسکتا بلکہ شرک کا ہر درجہ اور ہر مرتبہ منافی نجات ہے تو کیا وجہ ہے کہ بزرگوں یا تعزیہ وغیرہ کو سجدہ کرنے اور ان سے مرادیں مانگنے، حلوہ مالیدہ چڑھانے کو شرک منافی نجات نہ کہا جاوے؟ اور پیپل کے درخت بتوں وغیرہ کے ساتھ وہی برتاؤ شرک منافی نجات سمجھا جاوے حالانکہ مشرکین مکہ بھی بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ماتحت بلکہ وسیلہ قرب الی اللہ کا سمجھتے تھے چنانچہ ارشاد ہے ﴿مانعبدھم الا لیقربونآ الی اللہ زلفیٰ﴾ اور جس طرح تعزیوں کی نسبت حضرات شہداء کربلا کی طرف کی جاتی ہے ایسے ہی بتوں کو بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نامزد تھا

اور کوئی حضرت ادریس علیہ السلام کے۔ پس شرک کی حقیقت کیا ہے جو اول میں پائی جاتی ہے اور دوسرے میں نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب: وہ شرک جس پر عدم نجات وخلود نار مرتب ہے اس کی تعریف یہ ہے: حاشیہ خیالی میں شرح مقاصد سے نقل کی ہے۔ ان الکافران (والکفر ضد الایمان ای انکار ماجاء به الرسول صلی الله علیه وسلم کما ان الایمان هو التصدیق ۱۲) اظهر الایمان فهو المنافق وان طرأ کفره بعد الایمان فهو المرتدوان قال بالشریک فی الالوهیة فهو المشرک (وتمامه وان تدین بدین من الادیان والکتب المنسوخة فهو الکتابی وان ذهب ان قدم الدهر واسناد الحوادث الیه فهو الدهری وان کان لایثبت الباری فهو المعطل وان کان مع اعترافه نبوة النبی ببطن عقائد هی کفر بالاتفاق فهو الزندیق اهـ فاحفظه فانه تفصیل حسن ۱۲ منه.) اھ ص:۱۲۴

پس اب سمجھنا چاہئے کہ مشرکین عرب جو اصنام کی عبادت کرتے تھے اور قبر پرست مسلمان جو قبروں یا تعزیوں کو سجدہ کرتے ہیں دونوں میں فرق ہے، مشرکین عرب ان کو شریک فی الالوہیۃ کرتے تھے اور زبان سے بھی ان کو شریک خدائی کہتے تھے۔ ﴿دل علیه قوله تعالٰی وجعلوا لله مما ذرا من الحرث والانعام نصیبا فقالوا هٰذا لله بزعمهم وهٰذا لشر کائنا وجعلوا لله شرکآء الجن﴾ وقال تعالٰی ﴿ویجعلون له اندادًا﴾ غیر ذالک من الآیات اور گو وہ لوگ اس میں تاویلیں کرتے تھے مگر اسی کے ساتھ کلمہ توحید سے متوحش بھی ہوتے تھے اور کہتے تھے ﴿اجعل الألهة الها واحد ان هٰذا لشیء عجاب﴾ اور طواف میں کہتے تھے ﴿لبیک لاشریک لک الا شریکا هو لک فیملکه وماملک﴾ اور قبر پرست یا تعزیہ پرست ایسے نہیں ہیں نہ وہ کلمہ توحید کے منکر ہیں نہ اس سے متوحش ہیں بلکہ بلا

استثناء خدا تعالیٰ کو معبود واحد کہتے ہیں اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور ہنود اپنے دیوتاؤں کو شریک الوہیت مانتے ہیں اور کلمہ توحید سے منکر و متوحش ہیں جیسا کہ مشرکین عرب کی حالت اوپر معلوم ہوئی ہے۔ پس دونوں میں فرق یہ ہے کہ قبر پرستوں اور تعزیہ پرستوں کا شرک عملی ہے جب تک کہ وہ اپنے کو مسلم موحد کہتے رہیں اور ہنود کا شرک اعتقادی و عملی دونوں سے مرکب ہے یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سجدہ غیر اللہ کو کرنا مطلقاً شرک نہیں بلکہ بعض صورتوں میں امارت شرک ہے باقی حقیقت شرک وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

ای القول بالشریک فی الالوھیة قلبا ولساناً قال فی شرح العقائد ولا نزاع فی ان من المعاصی ماجعله الشارع امارة للتکذیب وعلم کونه کذلک بالادلة الشرعیة کسجود الصنم والقاء المصحف فی القاذورات والتلفظ بالفاظ الکفر اھ ص:۱۴۸

باقی قبروں اور تعزیوں کو سجدہ کرنا یہ علامت تکذیب شرع نہیں کیونکہ کفار میں ان کی عبادت رائج نہیں ہاں جس چیز کی عبادت کفار میں رائج ہے اس کو سجدہ کرنا قضاءً حکم کفر کو مستلزم ہوگا (کما صرح بہ شرح حاشیۃ شرح العقائد ص مذکور) اور دیانۃً اگر تصدیق وایمان قلبی میں خلل نہ ہوا عند اللہ مومن ہوگا۔ علامہ ابن تیمیہ کی کتاب صراط مستقیم (ص:۱۵۰ سے ص ۱۶۵) ملاحظہ ہو علامہ نے اس میں تعظیم قبور اور سجدہ قبور کے متعلق سخت تہدیدی کلام فرمایا ہے مگر ان لوگوں کو کافر و مشرک نہیں کہا جو اس میں مبتلا ہیں۔ ہاں مشابہ مشرکین ضرور کہا۔ نیز حدیث میں ہے "**لعن اللہ اقواما اتخذوا قبور أنبیائھم مساجد واللھم لاتجعل قبری وثنا یعبد**" الخ مگر اس سے فقہاء نے سجدہ قبر کی حرمت ہی مستنبط کی ہے کسی نے ساجد قبر کو محض سجدہ کی وجہ سے کافر نہیں کہا۔

اللھم الا ان یقربانه علیٰ طریق العبادة وان صاحب القبر معبود ای شریک فی الالوھیة فافھم واللہ تعالیٰ اعلم وفی الفتاویٰ الکاملیة اقول ولا یخفیٰ ماحصل لکثیر من العوام لسبب تعظیم قبور الاولیاء

وارخاء الستور عليها من الضرر العظيم فى اعتقادهم فانهم يعتقدون فى الاولياء التاثير مع الله تعالٰى حتٰى انهم تركوا النذر لله تعالٰى وهو مشروع واكثروا من النذر للاولياء والتقرب اليهم وتركوا الحلف بالله تعالٰى حتٰى صارعندهم كالعدم ولا يتجاسرون علٰى الحلف بهم لاعتقاد هم ان من حلف بولى حانثا يضره فى بدنه وماله واولاده وهذا من الشرک والعياذ بالله تعالٰى. الاترى مارواه صاحب الحجة البالغة من قوله له صلى الله عليه وسلم من حلف بغير الله فقد اشرک قال وحمله بعضهم علٰى الزجر والتغليظ وليس كذلک فانه علٰى ظاهره حيث يحلفون معتقدين فيهم انهم يضرونهم فى ابدانهم واموالهم حتٰى سمعت من بعض قضاة الروم الموصوفين بالعلم والصلاح انه قال لومكنت من هدم قبور الاولياء لها منها باجمعها كما فعل عمر بن الخطاب رضى الله تعالٰى عنه بالشجرة التى وقعت تحتها البيعة لما بلغه ان قوماً ياتونها ويصلون عندها فانه قطعها باصولها مخالة ضر العامة بها و فى الصحيح عن ابن عمران الشجرة اخفيت ﴿قلت والجمع بينه وبين ماتقدم عن عمرانه قلعها ان الشجرة الاصليت اخفيت واتخذت العامة مكانها شجرة اخرى قريبة منها وظنوها هى فقلعها عمر رضى الله تعالٰى عنه والله اعلم ۱۲ منه﴾ قالوا اوالحكمة ان لا يحصل الافتان بها لما وقع تحتها من الخير فلو بقيت لما امن تعظيم الجهال لها حتٰى ربما اعتقدوا ان لهاقوة او ضرر كمانشاهد الآن فيما هودونها ولذلک اشار ابن عمر بقوله كان خفائها رحمة من الله تعالٰى و روى ابن سعد باسناد صحيح عن نافع ان عمر بلغه ان قوماً يأتون الشجرة ويصلون عندها فتوعدهم ثم امر بقطعها فقطعت

اھ من الجمل علی الجلالین ومما وقع من بعض العامة من اعتقاد التاثیر فی الاولیاء کتب فی حق عموم اهل السنة والجماعة الفرقة الوهابیة رسائل عدیدة فی اشراکهم حق انهم یعبرون عنا معاشر اهل السنة بالمشرکین واذا تمکنوا بواحد مناقالوا اقتلوا المشرک والمصیبة العظیمة فی فقهاء القری فانهم یاسرون العوام عند توجه الحلف بالولی ویقولون ان فیه اظهار الحق فانظر کیف یتوسلون الی اظهار الحق الدنیوی بضیاع الدین من اصله ولا حول ولا قوة الا بالله تعالی اھ (ص: ۱۶۴ و ص: ۳۶۵) قلت دلت العبارات المخطوط علیها علی ان تعظیم غیر الله تعالی بالنذر له والحلف والسجدة بین یدیه ان کان مقرونا باعتقاد تاثیره مع الله تعالی فهو من الشرک وصاحبه مشرک عملا واعتقاداً قال العلامة العارف ابن القیم فی شرح منازل السائرین والعبادة تجمع اصلین غایة الحب بغایة الذل الخضوع اھ وقال محشیا العبادة تتضمن غایة الحب والخضوع کما قال ولکن لیس هذا کل معناها فان العاشق قد یجمع هذین المعنیین ولا یکون عابدا لمعشوقه وانما العبادة عن الاعتقاد والشعور بان للعبود سلطة غیبیة فوق الاسباب یقدرها علی النفع والضرر فکل دعاء اوثناء او تعظیم یصاحبه هذا الاعتقاد والشعور فهو عبادة اھ (ص:۳۰ج:۱)

ان عبارات کا مقتضاء یہ ہے کہ قبر پرستوں اور تعزیہ پرستوں میں جو لوگ اہل قبور یا تعزیہ کی نسبت تاثیر غیبی کے معتقد ہیں وہ مشرک ہیں اور جو محض ظاہری تعظیم کے طور پر انکو سجدہ وغیرہ کرتے ہیں اور ان کے معتقد نہیں وہ شرک عملی کی وجہ سے فاسق ہیں کافر نہیں۔ اور حضرت شیخ نے اعتقاد تاثیر وعدم تاثیر کا معیار فرق یہ بیان فرمایا ہے کہ بعض کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مخلوق کو جو اس

کا مقرب ہے کچھ قدرت مستقلہ نفع وضرر کی اس طرح سے عطا فرمادی ہے کہ اس کا اپنے معتقد ومخالف کو نفع یا ضرر پہنچانا مشیت جزئیہ حق پر موقوف نہیں گو اگر روکنا چاہے تو پھر قدرت حق ہی غالب ہے جیسے سلاطین اپنے نائبین حکام کو خاص اختیارات اس طرح دے دیتے ہیں کہ ان کا اجرا اس وقت سلطان اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا گو روکنا چاہے تو سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا۔

سو یہ عقیدہ تو اعتقاد تاثیر ہے اور مشرکین عرب کا اپنے آلہہ باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا) اور بعض کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ایسی قدرت مستقلہ تو کسی مخلوق میں نہیں مگر بعض مخلوق کو قرب وقبول کا ایسا درجہ عطا ہوتا ہے کہ یہ اپنے متوسلین کے لئے سفارش کرتے ہیں پھر اس سفارش کے بعد بھی ان کو نفع وضرر کا اختیار نہیں دیا جاتا بلکہ حق تعالیٰ ہی نفع وضرر پہنچاتے ہیں لیکن اس سفارش کے قبول میں تخلف کبھی نہیں ہوتا اور اس سفارش کی تحصیل کے لئے اس کے ساتھ بلا واسطہ یا بواسطہ معاملہ مشابہ عبادت کرتے ہیں یہ عقیدہ اعتقاد تاثیر نہیں ہے۔

بلا دلیل شرعی بلکہ خلاف دلیل شرعی ایسا عقیدہ رکھنا معصیت اعتقادیہ اور مشابہ عبادت معاملہ کرنا معصیت عملیہ ہے اور اسی مشابہت کے سبب اطلاقات شرعیہ میں اس کو شرک کہہ دیا جاتا ہے۔ قال الشیخ ھذا واللہ اعلم

اشرف علی

❁❁❁

تتمۃ الرسالۃ المسماۃ

بنہایۃ الادراک فی اقسام الاشراک

(من سیدی حکیم الامۃ مجدد الملۃ دام مجدہ وعلاہ)

تقریر مذکور فارق بین الشرکین جو کہ ماخوذ ہے کلیات شرعیہ سے اپنے دونوں دعوؤں کے اعتبار سے (ایک یہ کہ مشرکین اس تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے دوسرے یہ کہ تصرف مقید بالاذن کا قائل ہونا شرک اکبر نہیں) زیادت اقناع میں محتاج تھی ادلۂ جزئیہ کی۔ جن سے ایک مدت تک باوجود فکر و بحث کے ذہن خالی رہا۔ الحمدللہ پرسوں اور کل میں علی التعاقب تین دلیلیں ذہن اور نظر میں گزریں جن کا مجموعہ دونوں دعوؤں میں تردد کے لئے بالکل نافی ہے۔

دلیل اوّل عقلی براصول میزانیین جو اپنی جزئیت کے سبب کلیات سے زیادہ کافی ہے، وہ یہ ہے کہ مسئلہ توحید الہ واجب عقلی ہے خواہ بدیہی ہو یا نظری یہ دوسری بحث ہے اور کسی حکم کا وجوب عقلی مستلزم ہوتا ہے اس کی نقیض کے امتناع عقلی کو۔ پس نقیض وحید کا حکم ممتنع ہوگا اور اس نقیض کی دو قسمیں ہیں ایک نفی الہ کہ کفر ہے۔ دوسرے تشریک الہ آخر معہ کہ شرک ہے اور مقسم کا امتناع مستلزم ہوتا ہے اس کے سب اقسام کے امتناع کو۔ پس شرک کے لئے لازم ہوا کہ وہ کسی امر ممتنع کا اعتقاد ہوگا اور اس امتناع واستحالہ کی طرف نصوص بھی مشیر ہیں کہ۔ کقولہ تعالٰی **﴿لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا وقولہ تعالٰی ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الہ اذا**

للذھب کل الٰہ بما خلق ولعلٰی بعضھم علٰی بعض وقولہ تعالٰی لو اراد اللہ ان یتخذ ولدًا لا صطفٰی مما یخلق مایشاء سبحانہ﴾ و نحوھا من الآیات علٰی مافسرت فی ﴿فقد فسرھا بحیث تکون الایۃ مشیرۃً الی بیان الاستحالۃ والامتناع المذکورین ۱۲ ظ﴾بیان القرآن اورتصرف مقید بالاذن عقلاً ممتنع نہیں پس وہ شرک نہ ہوگا گو کسی تصرف منفی بالنص کا اعتقاد بوجہ مخالف نص کے معصیت یا کفر یا بدعت ہو علٰی اختلاف مراتب النص ومراتب المخالفۃ۔ مگر شرک کسی حال میں نہ ہوگا اور جاہلان عرب کا مشرک ہونا نص سے ثابت ہے۔ پس لامحالہ وہ تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے اس سے بحمد اللہ تعالٰی دونوں دعوے ثابت ہوگئے۔

دلیل ثانی نقلی من الاقوال المنقولۃ عن العلماء الربانیین جو بوجہ صراحت موافقت اکابر کے دلیل عقلی سے زیادہ شافی ہے۔

وھی ھذہ قال العلامۃ القاضی محمد اعلٰی التھانوی رحمۃ اللہ علیہ فی کتابہ کشاف اصطلاحات الفنون المولف سنۃ الف ومأۃ وثمانیۃ وخمسین من الھجرۃ فی معنی المشرک بالکسر انباز شدن واعتقاد انباز بخدائے بے انباز کذا فی المنتخب قال العلماء الشرک علٰی ربعۃ افحاء الشرک فی الوھیۃ والشرک فی وجوب الوجود والشرک فی تدبیر والشرک فی العبادۃ ولیس احدیثبت للہ تعالٰی شریکا یساویہ فی الالوھیۃ والوجوب والقدرۃ والحکمۃ الا الثنویۃ فانھم یثبتون الٰھین احدھما حکیم یفعل الخیر والثانی سفیہ یفعل الشرو یسمون الاول باسم یزدان والثانی باسم اھرمن وھو الشیطان بزعمھم. واما الشریک فی العبادۃ والتدبیر ففی الذاھبین الیہ کثرۃً فمنھم عبدۃ الکواکب. وھم فریقان منھم من یقول ان اللہ سبحانہ خلق ھذہ الکواکب وفوض تدبیر العالم السفلی الیھا فھذہ الکواکب

هى المدبرات لهذا العالم قالو فيجب علينا ان نعبد هذا الكواكب تعبدالله ونعبدالله ونطيع الله وهؤلاء هم الفلاسفة ومنهم قوم غلاة ينكرون الصانع ويقولون هذه الافلاك والكواكب اجسام واجبة الوجود لذواتها ويمتنع عليها العدم فى المديرة لاحوال العالم السفلى وهؤلاء هم الدهرية الخالصة.

وممن يعبد غير الله النصارى الذين يعبدون المسيح ومنهم ايضا عبدة الأوثان ولا بد من بيان سبب عبادة الاوثان اذعباد ة الاحجار من جم غفير عقلاء ظاهر البطلان وقد ذكروا لها وجوها والوجه الاول ان الناس لما رأوا تغيرات هذا العالم منطوطة ومربوطة بتغيرات احوال الكواكب فان بحسب قرب الشمس وبعدها عن سمت الرأس تحدث الفصول الاربعة التى بسببها تحدث الاحوال المختلفة فى هذا العالم ثم ان الناس رصد واحوال سائر الكواكب فاعتقدوا انبساط السعادات والنحوسات بكيفية وقوعها فى طوالع الناس على احوال مختلفة فلما اعتقد واذلک غلبت علىٰ ظنونهم ان مبدأ الحوادث هو الاتصالات الكوكبية فبالغوا فى تعظيمها فمنهم من اعتقدها واجبة الوجود لذواتها وهى خلقت هذا العالم منهم من اعتقد حدوثها وكونها مخلوقة للالٰه الاكبر الا انها هى المدبرة لاحوال هذا العالم وهؤلاء هم الذين اثبتوا الوسائط بين الا له الاكبر وبين احوال هذا العالم ثم انهم لما رأوان هذا الكواكب قد تغيب عن الابصار فى اكثر الاوقات اتخذوا لكل كوكب صنماً من الجوهر المنسوب اليه كاتخاذهم صنم الشمس من الذهب والياقوت والالماس ثم اشتغلوا بعبادة تلک الاصنام وغرضهم منها عبادة

تلک الکواکب والتقرب الیها.

واما الانبیاء فلهم مقامان احدهما اقامة الدلیل علی ان هذه الکواکب لاتاثیرلها البتة فی احوال هذا العالم لما قال اللّٰه تعالٰی ﴿الا له الخلق والامر﴾ بعد ان بین انها مسخرات وثانیهما ان بتقدیر تاثیرها دلائل الحدوث حاصلة فیها فوجب کونها مخلوقة والی اشتغال بعبادة الخالق اولا من الاشتغال بعبادة المخلوق وفی الکشاف فی تفسیر قوله تعالٰی فلا تجعلوا للّٰه اندادا وانتم تعلمون الند المماثل فی الذات المخالف فی الصفات فان قلت کانوا یسمون اصنامهم باسمه ویعظمونها بما یعظم به من القرب وما کانوا یزعمون انها تخالف اللّٰه وتناویه قلت لما تقربوا الیها وعظموها سموها اٰلهة اشتبهت حالهم حال من یعتقد انها آلهة مثله قادرة علٰی مخالفته ومضادته فقیل لهم ذلک علٰی سبیل التهکم اهـ والوجه الثانی ماذکره ابو معشران کثیرا من اهل الصین والهند کانوا یثبتون الا له والملئکة الا انهم یعتقدون انه تعالٰی جسم ذو صورة حسنة وکذا الملئکة لکهنم احتجبوا عنا بالسموات فاتخذا صور او تماثیل فیتخذونها صورة فی غایة الحسن ویقولون انها هیکل الا له و صورة اخری دونها فی الحسن ویجعلونها صورة الملئکة ثم یواظبون علٰی عبادتها قاصدین بتلک العبادة الزلفی من اللّٰه وملئکته فالسبب علٰی عبادة الاوثان علٰی هذا اعتقاد ان اللّٰه تعالٰی جسم وفی مکان سبحانه الوجه الثالث ان القوم یعتقدون ان اللّٰه فوض تدبیر کل من الاقالیم الی ملک معین وفوض تدبیر کل قسم من اقسام العالم الی روح سماوی بعینه فیقولون مدبر البحار ملک و مدبر الجبال ملک اٰخر و هکذا

فاتخذوا لکل واحد من الملئکة المدبرة صنما مخصوصا ویطلبون من کل صنم مایلیق بذالک الروح الکل اھ (ص: ۱۷۷ و ص: ۷۷۲) قلت وذکر مثل ذلک المفسر العلامة نظام الدین النیساپوری القی فی تفسیره غرائب القرآن فقال واعلم انه لیس فی العالم احدیثبت للّٰه شریکا یساویه فی الوجوب والعلم والقدرة والحکمة ولکن الثنویة یثبتون الٰهین حکیم یفعل الخیر وسفیه یفعل الشراما اتخاذ معبود سوی اللّٰه ففی الذاهبین الیه کثرة الفریق الاول عبدة الکواکب وهم الصائبة فانهم یقولون ان اللّٰه تعالٰی خلق هذه الکواکب وهی المدبرات هذا العالم فیجب علینا ان نعبد اللّٰه والکواکب تعبداللّٰه والفریق الثانی عبدة المسیح علیه السلام والفرین الثالث عبدة الاوثان فتقول لادین اقدم من دین عبدة الاوثان والعلم بان هذا الحجر المنحوت فی هذه الساعة لیس هو الذی خلقنا وخلق اسماء والارض علم ضروری فیمتنع اطباق الجمع العظیم علیه فوجب ان یکون لهم غرض اٰخر سوی ذلک والعلماء ذکروا فیه وجوها الاول ماذکره ابو المعشر مذکر مثل ماانفا وکذا الوجه الثانی قد مرذکره وهو رؤیة الناس احوال العالم مربوطة بتغیرات احوال الکواکب الخ)

وثالثها ان اصحاب الاحکام کانوا یرتقبون اوقانا فی السنین المتطاولة ویزعمون ان من اتخذ طلسما فی ذلک الوقت علی وجه خاص فانه ینتفع به فی احوال الخصوصة نحو السعادة والخصب ودفع الاوقات وکانوا اذا اتخذوا ذلک الطلسم عظموه لاعتقادهم انهم ینتفعون به فلما بالغوا فی ذلک التعظیم صارذالک کالعبادة فلما نسوا مبدأ الامر بتطاول المدة أقبلوا لعبادتها ورابعها انه متی

مات منهم رجل كبير يعتقدون فيه انه مستجاب الدعوة مقبول الشفاعة عند الله تعالٰى اتخذوا صنما علٰى صورته وعبدوها علٰى اعتقاد ان ذلک الانسان بكون شفيعًا لهم يوم القيامة عندالله ويقولون هولاء شفعاء ناعندالله وخامسها لعلهم اتخذوها قبلة لصلاتهم وطاعتهم يسجدون اليها لالها انا نسجد الى القبلة لاللقبلة ولما استمرت هذه الحالة ظن الجهال انه يجب عبادتها وسادسها لعلهم كانوا من المجسمة فاعتقدوا جواز حلول الرب فيها فعبدوها علٰى هذا التاويل اهـ. (ص : ۱۸۱ ، ج: ۱ ، مع الطبری)

وقال العلامة ابن القيم فی اغاثة اللهفان بما حاصله انه تعالٰى ام اتخذوا من دون الله شفعاء قل أولو كانوا لايملكون شيئًا ولا يعقلون قل لله الشفاعة جميعًا له ملک السمٰوت والارض فاخبران الشفاعة لمن له ملک السمٰوت وهو الله وحده فهو الذی يشفع بنفسه الٰى نفسه ليرحم فياذن هو لمن يشاء ان يشفع فيه فصارت الشفاعة فی الحقيقت انما هی له والذی يشفع عنده انما يشفع باذنه له وامره بعد شفاعته سبحانه وتعالٰى وهی ارادة من نفسه ان يرحم عبده وهذا اضد الشفاعة الشركية التی اثبتها هولاء المشركون ومن وافقهم وهی التی ابطلها سبحانه تعالٰى فی كتابه يقوله ﴿ واتقوا يومًا لاتجزی نفس عن نفس شيئا ولا يقبل منها عدل ولا تنفعها شفاعة ط ﴾ وقوله ﴿من قبل ان ياتی يوم لابيع فيه ولا خلة ولا شفاعة ط﴾ وقوله ﴿ليس لهم من دونه ولی ولا شفيع وقوله مالكم من دونه من ولی ولا شفيع ﴾ فاخبره سبحانه انه ليس للعباد شفيع من دونه بل اذا اراد الله سبحانه رحمة عبده اذن هو لمن شفع فيه كما قال تعالٰى ﴿مامن شفيع الامن

بعد اذنه﴾ وقال ﴿من ذاالذی یشفع عنده الاباذنه﴾ والفرق بین الشفیعین کالفرق بین الشریک والعبد المامور فالشفاعة التی ابطلها شفاعة الشریک فانه لاشریک له والتی البتها شفاعة العبد المامور الذی لایشفع ولا یتقدم بین یدی مالکه حتی باذن له (الی ان قال) والفرق بینهما هو الفرق بین المخلوق والخالق والرب والعبد والمالک والمملوک والغنی والفقیر والذی لاحاجة به الیٰ احد قط والمحتاج من کل وجه الیٰ غیره فالشفعاء عند المخلوقین هم شرکاء هم فان قیام مصالحهم بهم وهم اعوانهم وانصارهم الذین قیام الملوک والکبراء بهم ولولا هم لما انبسطت ایدیهم والسنتهم فی الناس فلحاجتهم الیهم یحتاجون الیٰ قبول شفاعتهم وان لم یأذنوا فیها ولم یرضوا عن الشافع لانهم یخافون ان یردوا شفاعتهم فتنقص طاعتهم له یذهبون الیٰ غیره فلا یجدون بداً من قبول شفاعتهم علی الکره والرضا واما الغنی الذی غناه من لوازم ذاته وکل ماسواء فقیر الیه بذاته وکل من فی السمٰوٰت والارض عبیدله مقهورون بقهره قال سبحانه ﴿من ذاالذی یشفع عنده الاباذنه﴾ وقال ﴿قل لله الشفاعة جمیعًا﴾ فاخبر ان حال ملکه السموٰت والارض یوجب ان تکون الشفاعة کلها له وحده وان احد الا یشفع عنده الا باذنه فانه لیس شریک بل مملوک محض بخلاف شفاعة اهل الدنیا بعضهم عند بعض (الی ان قال) وسر الفرق بین الشفاعتین أن شفاعة المخلوق للمخلوق وسؤ اله للمشفوع عنده لایفتقر فیها الیٰ مشفوع عنده لا خلقا ولا امراً ولا اذنا بل هو سبب محرک من خارج کسائر الاسباب التی تحرک الاسباب وهذا السبب المحرک قد یکون

عند المتحرک لاجله مايوافقه كمن يشفع عنده فى امر يحبه ويرضاه وقديكون عنده مايخالفه كمن يشفع اليه فى امريكرهه ثم قد يكون سؤاله و شفاعته اقوى من المعارض فيقبل شفاعة الشافع وقد يكون المعارض الذى عنده اقوى من الشفاعة الشافع فيردها وقد يتعارض عنده الامران فيبقى مترددا فيتوقف الى ان يترجح عنده احد الامرين بمرجح فشفاعة الانسان عند مخلوق مثله هى سعى فى سبب منفصل عن المشفوع اليه يحركه به ولو على كره منه فمنزلة الشفاعة عنده منزلة من يامر غيره اويكرهه علٰى الفعل اما بقوة......... بما يرغبه فلا بدان يحصل للمشفوع اليه من الشافع اما رغبة ينتفع بها واما رهبة تندفع عنده بشفاعته وهذا بخلاف الشفاعة عند الرب فسبحانه فانه مالم يخلق شفاعة الشافع و ياذن له فيها ويحبها منه ويرضى عن الشافع لم يكن ان توجد والشافع لايشفع عنده لحاجة الرب اليه ولا لرهبة منه ولا لرغبته فيما لديه وانما يشفع عنده لمجرد امتثال لأمره وطاعته له فهو مامور بالشفاعة مطيع بامتثال الامرفان احدا من الأنبياء والملائكة وجميع المخلوقات لايتحرک بشفاعه ولا غيرها الا بمشيئة الله تعالٰى وخلقه فالرب هو الذى يحرک المشفوع حتى يشفع عندالمخلوق هو الذى يحرک المشفوع اليه حتى يقبل والشافع عندالمخلوق مستغن عنه فى اكثر أموره وهو فى الحقيقة شريكه ولو كان مملوكه وعبده فالمشفوع عنده محتاج اليه فيما يناله منه عن النفع بالنصر والمعاونة وغير ذلک كما ان الشافع محتاج اليه فيما يناله منه من رزق او نصر او غيره فكل منهما محتاج الٰى الآخرومن ﴿قلت وبعد ذلک فلا يجوز الحكم على ساجد

القبور بالکفروالشرک الاکبر بمجرد اعتقادھم فی اصحاب القبور انھم شفاء ھم عنداللہ مالم یستفسروا عن کیفیۃ اعتقادھم ذلک واما قبل الاستفسار فیلزم العمل بما قالہ العلماء ان قول القائل انبت الربیع البقل محمول علی الاسناد الحقیقی ان کان دھریا وعلی الاسناد العقلی المجازی ان کان موحدا فکذا القول بان ھؤلا شفعاء نا عنداللہ یحمل علی الشفاعۃ الشرکیۃ ان کان القائل غیر مسلم وعلی الشفاعۃ الشریعۃ، ان کان مسلما، وکذا لقول بان فلانا یضر وینفع یحمل علی الضرر والنفع بالذات ان کان کافرا جھاراً وعلی الضرر والنفع باذن اللہ کرامۃ التی اعطاہ، ایاھا ان کان مؤمنا موحدا مقرا بالاسلام ھکذا ینبغی ان یفھم المقام. والحمدللہ الملک المتعال لعلک عرفت بالتفصیل الذی ذکر العلامۃ ابن القیم مرجعہ الی ماقالہ الشیخ فی بیان القرآن فی اعتقاد التاثیر وعدمہ فالمشرک یعتقد شفاعۃ معبودہ موثرۃ لمالہ من القدرۃ المستقلۃ فی زعمہ والموحد المعظم القبور لایعتقد ھا مؤثرۃ ولا الشافع ضارا ولا نافعا وانما یعتقد عدم التخلف فی شفاعۃ للکراھۃ التی ھی لہ عنداللہ وھذا لیس بشرک وان کان معصیۃً فافھم ۱۲ ظفر احمد.﴾وفقہ اللہ تعالٰی لفھم ھذا الموضوع ومعرفتہ تبین لہ حقیقۃ التوحید والشرک والفرق بین ما اثبۃ اللہ تعالٰی من الشفاعۃ وبین مانفاہ وابطلہ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور اھ ملخصًا. (من ص:۱۱۵ او:۱۸۸)

ان نقول سے دعویٰ اولیٰ منطوقاً اور دعویٰ ثانیہ مفہوماً ثابت ہے۔

دلیل ثالث نقلی من آیات رب العالمین جو عالم السرائر والضمائر کی شہادت ہونے کے سبب حجیت میں سب سے زیادہ وافی ہے۔ فھو قولہ تعالٰی ﴿قل

ادعوا الذين زعمتم من دونه فلا يملكون كشف الضر عنكم ولا تحويلا﴾ وقوله تعالىٰ ﴿ولايملك الذين يدعون من دونه الشفاعة الا من شهد بالحق﴾ وامثالهما من الآيات التی تفوت الحصر وجہ دلالت دعویٰ پر یہ کہ ان نصوص میں ملک تصرفات کی نفی کی گئی ہے اور ملک من حیث الملک کا مقتضا (بلکہ حقیقت) تصرفات غیر مقید بالاذن ہے اور سیاق سے مقصود مزعومات مشرکین کا ابطال ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایسے ہی اختیارات وتصرفات کے قائل تھے جو کہ مقید بالاذن نہ ہوں پس دعویٰ اولیٰ ثابت ہو گیا اور محل ذم کی قیود میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔اس سے دعویٰ ثانیہ پر بھی دلالت ہو گئی۔

والحمدلله علىٰ اتمام النعم والحام الحكم.

جمادی الثانیہ ۱۳۴۵ھ فقط (تتمۂ خامسہ ص:۵۱۰)

اَلاِختِلاف لِلاِعتِراف

در قبحِ اِفراط و تفریط در انساب

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَولانا مُحمّد اَشرف علی التّھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

بعض لوگ حسب ونسب کو بہت زیادہ فخر کی چیز خیال کرتے ہیں اور نچلے خاندان کو تنقیص اور تذلیل کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس رسالہ میں اس کا ردّ فرمایا ہے اور شریعت نے نسبی شرافت کا جن مقامات پر لحاظ رکھا ہے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

اَلاِختلاف لِلاِعتراف
در قبح اِفراط و تفریط در اَنساب

بعد الحمد و الصلوٰۃ! مجھ سے مختلف مسلمان اقوام کے متعلق جن میں بعض قومیں دوسری قوموں کی تنقیص وتحقیر کرتی ہیں اور بعض قومیں اپنے کو بلا دلیل دوسری قوموں میں داخل کرتی ہیں پوچھا گیا کہ یہ دونوں فعل شرعی قاعدہ سے کیسے ہیں۔اس کا جواب عرض کرتا ہوں کہ یہ دونوں فعل شرعاً قبیح ہیں۔

پہلا تفریط اور دوسرا افراط۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نصوص شرعیہ اس باب میں ظاہراً دو قسم کے ہیں ایک مثبت مساوات و تماثل ۔ ایک مثبت تفاوت و تفاضل ۔ چنانچہ حدیث جاننے والوں کو معلوم ہے اور ظاہر ہے کہ نصوص میں تعارض نہیں ہوسکتا۔لہٰذا دونوں کے لئے جدا جدا محمل قرار دیا جائے گا۔

پس نصوص مساوات تو احکام متعلقہ آخرت کے باب میں ہیں یعنی آخرت کی نجات کے لئے ایمان واعمال صالحہ کے مدار ہونے میں سب برابر ہیں۔

اسی طرح اسلامی حقوق میں اور دینی کمال حاصل کرنے کے بعد تقدم میں سب برابر ہیں۔مثلاً سلام وتشمیت عاطس وعیادت، وشہود جنازہ میں کہ حقوق اسلامیہ ہیں یا تحصیل اوصاف استحقاق امامت کے بعد یا تحصیل علوم دینیہ کے بعد

یا تحصیل کمالات استحقاق باطنیہ کے بعد امام یا اُستاد یا شیخ بنانے کے استحقاق میں سب برابر ہیں چنانچہ مدعیان شرافت عرفیہ بھی سب قوموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اُن سے علوم حاصل کرتے ہیں اُن سے بیعت ہوتے ہیں اُن کو بطور خلافت طریق بیعت وتلقین کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ خود احقر ایسے حضرات کا شاگرد بھی ہے اور بعضے میری طرف سے مجاز طریقت بھی ہیں۔

پس نصوص مساواۃ کا تو یہ محمل ہے اور نصوص تفاوت احکام راجعہ الی المصالح الدنیویہ کے باب میں ہیں جیسے شرف نسب یا نکاح میں کفاءت حتیٰ کہ جو اقوام عرفا اعلیٰ طبقہ کے مشہور ہیں خود ان میں بھی باہم گر اس تفاوت کا شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔ قریش میں بنی ہاشم کا شرف نسبی بقیہ قریش پر نص میں وارد ہے۔ کفاءت میں قریش کا شرف غیر قریش پر گو وہ بھی عربی ہوں دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔

اب نصوص میں کوئی تعارض نہیں پس اس تفاضل کے یہ معنی نہیں کہ کوئی قوم اپنے کو بڑا سمجھ کر دوسرے کو حقیر سمجھے بلکہ صرف بعض احکام میں جن کا بیان اوپر گزر چکا اس تفاضل پر عمل کی اجازت ہے پس جو لوگ اپنے کو بڑا اور دوسروں کو اعتقاداً یا عملاً حقیر سمجھتے ہیں یا بلا دلیل شرعی بڑی قوموں میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں یہ دونوں افراط وتفریط میں مبتلا ہیں۔

پہلی جماعت کا تکبر تو کھلا ہوا ہے کہ دوسروں کو علانیہ حقیر سمجھا مگر دوسری جماعت والے بھی عند التامل تکبر کا ارتکاب کر رہے ہیں کیونکہ جب ایک قوم سے نکل کر بلا دلیل شرعی دوسری قوم میں داخل ہونے کی کوشش کی تو جس قوم سے نکلنا چاہا اس کو حقیر سمجھا ورنہ اس سے نکلنے کی کوشش کیوں کرتے اور علاوہ تکبر کے نسب کے بدلنے کے گناہ کا بھی ارتکاب کرتے ہیں جس پر حدیث میں سخت وعید وارد ہے۔ بہر حال ان احکام کے علم کے بعد دونوں جماعتوں پر واجب ہے کہ افراط و

تفریط سے توبہ کر کے اتباع نصوص کے تحت میں حدود شرعیہ کے اندر رہیں اور باہم ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھیں اور کمالات دینیہ حاصل کریں کہ اصلی شرف یہی ہے ورنہ دوسرے اسباب شرف آخرت میں نافع نہ ہوں گے جو کہ مسلمان کا اصل مقصود ہے واللہ الموفق۔ اور یہ سب مضمون مع اجزاء آیت **یایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی (الی قولہ تعالیٰ) ان اکرمکم عنداللہ اتقکم** میں مذکور ہے۔ احکام آخرت میں مساواۃ تو صراحۃً (فی قولہ تعالیٰ) **ان اکرمکم عنداللہ اتقکم** پس تقویٰ کے مدار اکرمیت ہونے میں سب مساوی ہیں اور احکام دنیویہ میں تفاوت قریب بصراحت (فی قولہ تعالیٰ) **وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا.** تقریر دلالت یہ ہے کہ اختلاف شعوب وقبائل کی غایت تعارف وتمائز کو فرمایا اور ظاہر ہے کہ تعارف وتمائز احکام دنیویہ میں سے ہے اور خود مقصود بالذات نہیں بلکہ ادائے حقوق خاصہ کے لئے مقصود ہے اور جو حقوق تعارف وتمائز پر متفرع ہوتے ہیں وہ سب احکام متعلقہ بالمصالح الدنیویہ ہیں پس اس طرح یہ دلالت حاصل ہوگئی۔

وللہ الحمد علی ما علم وفھم وھدانا الی الطریق الاقوم

کتبہ: بقلم اشرف علی عفی عنہ فی کانپور یوم الغد من انعقاد مومن کانفرنس،

(۱۶ رجب المرجب ۱۳۵۷ ہجری)

❁❁❁

قائدِ قادیان

حضرت حکیمُ الاُمّت مُجدّد المِلّت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العُلُوم القرآنیۃ واقف الاُسرار الفرقانیۃ،
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاُسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِی التَّھَانْوِی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات فاسدہ کا تذکرہ ہے تاکہ اہل اسلام اس سے بصیرت حاصل کر کے اپنے دین کی حفاظت کر سکیں۔ اس میں تین فصلیں ہیں۔ فصل اوّل میں مرزا کے کذب و باطل کا اندراج ہے۔ فصل ثانی میں ردّ قادیانیت پر لکھی ہوئی کتب کی فہرست ہے۔ تیسری فصل میں ایسے مضامین ہیں جن میں جماعت مرزائیہ کو قادیانی کی غلطیوں پر تنبہ کیا گیا ہے۔

بعد الحمد والصلوٰۃ! قادیان ایک گاؤں کا نام ہے۔ ضلع گورداسپور پنجاب ہندوستان میں اس رسالہ میں اُس گاؤں کے ایک قائد یعنی پیشوا کی حالت باطلہ کا بقدر ضرورت بطور نمونہ بہیت رسالہ انموذج کے تذکرہ ہے جس سے ناظرین کافی تبصرہ حاصل کر کے اپنے دین کی حفاظت کر سکیں۔

والرسالۃ مشتملۃ علی ثلثۃ فصول. شرفنا اللہ تعالیٰ بالنفع والقبول.

کتبہ اشرف علی ۲۲ شوال ۱۳۳۸ ہجری

فصل اوّل درفہرست بعضے اکاذیب واباطیل قادیانی کہ بعضے ازانہا بدرجہ کفر رسیدہ است اعاذنا اللہ تعالیٰ منہما

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
نمبر(۱)	:لیکن ضرور تھا کہ قرآن واحادیث کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو علماء اسلامی کے ہاتھ سے دکھ اٹھائیگا وہ اس کو کافر قرار دینگے اور اُس کے قتل کیلئے فتوے دیئے جائیں گے اور اُس کی سخت توہین کی جاوے گی اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال کیا جائے گا۔(اربعین نمبر۳ صفحہ ۱۷)	صحیفہ رحمانیہ نمبر۲ صفحہ ۲	قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث میں یہ مضمون نہیں محض افتراء علی اللہ والرسول ہے۔
نمبر(۲)	مولوی غلام دستگیر قصوری نے اور مولوی اسماعیل علی گڑھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا اور ضرور ہم سے پہلے مریگا کیونکہ کاذب ہے مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مرگئے اور اس طرح پر کہ ان کی موت نے فیصلہ کردیا کہ کاذب کون تھا(اربعین نمبر۳ صفحہ ۹)	ایضاً	مرزائیوں کو چیلنج دیا گیا کہ ان کی کتابوں میں یہ مضمون دکھلاویں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی۔(صحیفہ نمبر۲ صفحہ ۳)

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
نمبر (۳)	جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُن کی امت میں سلسلہ نبوت جاری رہے گا اسی طرح آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں بھی سلسلہ نبوت جاری رہے گا۔	ایضاً مع جواب استدلال	حدیث لا نبی بعدی ونص خاتم النبیین سے اس کا بطلان ظاہر ہے۔
نمبر (۴)	توفی کو موت ہی کے معنے میں منحصر سمجھنا۔	ایضاً ص ۵	تفسیر کبیر میں ہے کہ توفی جنس ہے۔ اس کے تحت میں انواع ہیں موت اور آسمان پر اُٹھایا جانا (رافعک الی) فرمانا تعیین نوع کی ہے اس میں تکرار نہیں۔ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ صفحہ ۳ خود قرآن مجید کی آیت وھو الذی یتوفکم باللیل میں اس کے معنے سلا دینا ہے خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام ص ۲۶۱ جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ مات کے معنے لغت میں نام کے ہیں۔ آیت کا یہ مطلب ہوا کہ میں آپ کو سلا دینے والا ہوں پھر اپنی طرف اُٹھا لینے والا ہوں۔ چنانچہ خازن میں ہے کہ نیند کی حالت میں اُٹھا لیا تا کہ خوف لاحق نہ ہو (صحیفہ نمبر ۲ صفحہ ۵ و ۶) اور یہ بات کہ کثرت سے جس معنی میں ہو ہر جگہ اُسی پر محمول کرینگے خود ہی قاعدہ غلط ہے۔ اصحاب النار کا لفظ قرآن میں بکثرت معذبین بالنار کے معنی میں ہے مگر سورۂ مدثر میں ملائکہ کو اصحاب النار کہا گیا ہے جہاں یہ معنے نہیں ہیں۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
نمبر (۵)	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے متوفی کی تفسیر ممیت فرمائی ہے۔	ایضاً	درمنثور میں بروایت صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں آپ فرماتے ہیں رافعک الی ثم متوفیک فی اٰخر الزمان (صحیفہ رحمانیہ نمبر۲ صفحہ۵)
نمبر (۶)	خدا نے اس امت میں مسیح موعود بھیجا جو اُس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے (دافع البلاء صفحہ۱۳) پھر اسی رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اُس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے قرآن مجید میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔اھ	صحیفہ رحمانیہ نمبر۵ صفحہ۳	اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی سخت اہانت ہے کہ اُن کو پاک دامن نہ سمجھا اور یہ کفر ہے۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
نمبر(۷)	ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳) اور اسی صفحہ میں ہے علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا اھ۔	صحیفہ رحمانیہ نمبر۵ صفحہ ۳۸	یہ بالکل نبوت مستقلہ کا دعویٰ ہے پس توجیہ ظلی اور بروزی کی محض آڑ اور تلبیس ہے۔
نمبر(۸)	قرآن مجید کے وہی معنی لائق اعتبار ہیں جو میں بیان کروں اور حدیث وہی لائق اعتبار ہے جسے میں صحیح کہہ دوں ورنہ ردی میں پھینک دینے کے لائق ہے۔ حاشیہ میں ہے کہ حدیث کا ردی کی طرح پھینکنا اور غیر معتبر ہونا رسالہ اعجاز احمدی کے صفحہ ۳۰ و ۳۱ و صفحہ ۵۶ سطر اخیر و صفحہ ۵۷ سطر اوغیرہ اور ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۱۰ میں مرقوم ہے۔	صحیفہ رحمانیہ نمبر۶ صفحہ ۲	کتنا بڑا باطل اور بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل دعویٰ ہے کیا بجز صاحب وحی کے ایسا دعویٰ کوئی کرسکتا ہے۔ پس ایسا مدعی وحی قطعی کا مدعی ہے۔
نمبر(۹)	لکھتے ہیں کہ میرے انکار سے کافر ہوجاتا ہے صفحہ ۱۶۳ حقیقۃ الوحی۔	صحیفہ رحمانیہ نمبر۶ صفحہ ۶	مثل خانہ نمبر ۷
نمبر(۱۰)	خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر یا مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔ (حاشیہ اربعین نمبر۳ صفحہ ۲۸)	صحیفہ رحمانیہ نمبر۶ صفحہ ۷	نماز ہر مسلمان کے پیچھے درست ہے تو پھر غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اُس کو کافر سمجھنا ہے۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
نمبر(۱۱)	سوال ہوا کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف نہیں تو اُس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔فرمایا کہ پہلے تمہارا فرض ہے کہ اُسے واقف کرو پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اُس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو اور اگر کوئی خاموش رہے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب تو وہ بھی منافق ہے اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔(فتاویٰ احمدیہ جلد اصفحہ۸۲)	ایضاً	ایضاً
نمبر(۱۲)	دعویٰ نبوت کے متعلق مرزا کے بعض الہامات و اقوال (۱): فارسلنا الیکم رسولا شاھد اعلیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا (حقیقۃ الوحی صفحہ۱۰۱)...(۲):یس انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم تنزیل العزیز الرحیم (صفحہ۱۰۷حقیقۃ الوحی)(۳):انا ارسلنا احمد الی قومہ فاعرضو او قالوا کذاب اشر. (اربعین صفحہ۱۶و۱۷)..... (۴):فکلمنی و نادانی وقال انی مرسلک الی قوم مفسدین وانی جاعلک للناس اماما. وانی مستخلفک		ان سب اقوال میں رسالت کا دعویٰ، جو صریح آیۂ ختم نبوت کے خلاف ہے اور بعض میں رسالہ مستقلہ تشریعیہ کا دعویٰ جو تاویل ظلیت اور بروزیت کو باطل کرتا ہے جیسے قول ۹،۱۰ میں ہے اور بعض میں مزید تحریف بھی ہے جیسے قول ۸ میں ہے کہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خود کو مصداق بتایا ہے اور چونکہ قول ۷ کی تکذیب قادیان میں طاعون کے آ جانے سے ہو گئی چنانچہ ۱۹۰۴ء میں قادیان میں طاعون آیا اور ۲۸۰۰ کی آبادی میں سے ۳۱۳ مرے جن میں اُن کے خاص مرید

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
نمبر(۱۲)	اکراما. کماجرت سنتی فی الاولین صفحہ ۷۹ انجام آتھم (۵): الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اُس پر ایمان لاؤ اور اُس کا دشمن جہنمی ہے۔ (صفحہ ۱۶۲ انجام آتھم مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان) (۶): سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء صفحہ ۱۱) (۷): تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اُس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔ (صفحہ ۱۰ دافع البلاء) (۸): مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله (صفحہ ۷ اعجاز احمدی).....(۹): خدا وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کیساتھ بھیجا۔ (صفحہ ۳۶ نمبر ۳ اربعین و)	صحیفہ رحمانیہ نمبر ا صفحہ ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و ہدیہ عثمانیہ صفحہ ۴۹	عبدالکریم سیالکوٹی بھی تھے اور صدق لوازم رسالت و وحی سے ہے اور لازم کی نفی سے ملزوم کا انتفاء یقینی ہے تو علاوہ نصوص شرعیہ کے خود اُن کا یہ قول بانضمام واقعہ طاعون اُن کے کاذب ہونے کی کافی دلیل ہے اور اگر طاعون کی پیشین گوئی میں کوئی قید ہے جو معلوم نہیں تو پھر توسیع مکان کیلئے چندہ کیوں مانگا۔ ممکن ہے کہ اُس مکان میں رہنے کے بعد بھی اُس وجہ غیر معلوم سے مبتلائے طاعون ہو تو چندہ بھی برباد گیا اور یہ صریح دھوکہ ہے کیونکہ دینے والا تو اسی خیال سے دے رہا ہے کہ محفوظ رہیں گے۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	(۱۰): سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہوگا پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی (صفحہ ۶، صفحہ ۷ اربعین)....(۱۱) صاحب شریعت نبی ہوں۔ (اربعین نمبر ۴)		تو چندہ کی ترغیب کے وقت اس کو کیوں نہیں ظاہر کیا صفحہ ۷۶ کشتی نوح ملاحظہ ہو۔ (از ہدیہ عثمانیہ صفحہ ۴۱)
نمبر (۱۳)	تتمہ خانہ (۱۲): (۱) مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت و انجیل و قرآن مجید پر (صفحہ ۱۹ اربعین نمبر ۴)....(۲) میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف اور خدا تعالیٰ کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا تعالیٰ کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ (صفحہ ۲۱۱ حقیقۃ الوحی) (۳) اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمت میں گزر چکے ہیں اُن کو یہ حصہ کثیر	صحیفہ رحمانیہ نمبر ۷ نمبر ۲ وص ۳ وص ۳ وص ۹ وص ۱۳ وص ۱۹ وص ۲۰ وص ۲۲ وص ۲۷ وص ۳۱	ان سب اقوال میں مضمون مشترک دعویٰ ہے نبوۃ مستقلہ قطعیہ کا جو تاویل بروزیت و ظلیت کا مبطل ہے کیونکہ اس تاویل سے تو دوسرے بزرگوں کے لیے بھی ثابت ہو سکتی ہے جس کی نفی قول (۳) میں کی ہے اور قول (۴) میں دعویٰ افضلیت کا ہے حضرت مسیح علیہ السلام سے جو کہ نبی مستقل ہیں افضل نہیں ہو سکتا اور دعویٰ افضلیت کے ساتھ اُن کی تحقیر و تنقیص بھی ہے اور قول (۵) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افضلیت کا دعویٰ ہے اسی طرح قول (۶) میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	اس نعمت کا نہیں دیا گیا بس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ (صفحہ ۳۹۱ حقیقۃ الوحی) (۴) خدا تعالیٰ نے اس امت میں مسیح موعود بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کرسکتا ہوں وہ ہرگز نہ کرسکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔ (صفحہ ۱۲۸ حقیقۃ الوحی) (۵): اُس نے میری تصدیق کیلئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔ (صفحہ ۶۸ تتمہ حقیقۃ الوحی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بقول مرزا صاحب تین ہزار معجزے ظاہر ہوئے۔ (صحیفہ نمبر ۷ صفحہ ۱۴ حاشیہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳ و حاشیہ حصہ سوم فیصلہ آسمانی صفحہ ۱۵۸ از تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۹)......(۶): لیکن پھر بھی وہ نام دو نبیوں سے کچھ خصوصیت رکھتے ہیں یعنی مہدی کا نام		سے زیادہ جامع کمالات اپنے کو بتایا ہے اور اس سے بڑھ کر قول ۷، ۸، و ۹ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس طرح فضیلت کا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں لفظاً تو غیر ثابت اور معنیً ثابت مگر ظنی اور مرزا کے حق میں الہامی جو کہ اُن کے نزدیک قطعی ہے اور ظاہر ہے کہ فضیلت قطعیہ والا افضل ہوگا فضیلت ظنیہ والے سے اور سب سے بڑھ کر قول (۱۰) میں تو معراج ترقی انتہا تک پہنچ گئی کہ حق تعالیٰ کی خاص صفت میں شریک ہوگئے اور جو خدا کا مساوی ہو گا وہ نبی کا ظل کیوں ہوگا۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص ہے اور مسیح یعنی مؤید بروح القدس کا نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ خصوصیت رکھتا ہے اور نبیوں کی پیشین گوئیوں میں یہ بھی تھا کہ امام آخر الزماں میں یہ دونوں صفتیں اکٹھی ہو جائینگی۔ (صفحہ۱۱۳ اربعین نمبر۲) (۷): لہ خسف القمر المنیر وان لی . غسا القمران المشرقان اتنکر (ترجمہ از مرزا) اُس کے لئے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیلئے۔ ذرا ترجمہ کا ادب قابل لحاظ ہے) چاند کا خسوف ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کریگا۔ (صفحہ۷۱ قصیدہ اعجازیہ) (۸): اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گزر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اُسی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے سبحان الذی اسریٰ الخ (صفحہ۱۹۳ سیرۃ الابدال) (۹): لو لاک لما خلقت الافلاک (صفحہ۱۸۵ استفتاء) (۱۰): انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول لہ کن فیکون.		

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
نمبر (۱۴)	تتمہ خانہ نمبر ۱۲ پھر جب کہ خدا نے اور اُس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخر زمانہ کے مسیح کو اُس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے تو پھر شیطانی وسوسہ ہے کہ یہ کہا جاوے کہ کیوں تم مسیح بن مریم سے اپنے تئیں افضل قرار دیتے ہو صفحہ ۵۳ حقیقۃ الوحی۔	صحیفہ رحمانی نمبر ۱۱ و نمبر ۱۲ صفحہ ۳۷	چونکہ کوئی نائب رسول کسی ادنیٰ نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا چہ جائے کہ ایک اولوالعزم رسول سے افضل ہو جاوے تو اس میں صاف نبوت مستقلہ غیر ظلیہ وغیر بروزیہ کا دعویٰ ہے۔
نمبر (۱۵)	۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ ہر ایک مانع کے دور ہونے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لائے گا۔ ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ احمد بیگ کی دختر کلاں انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی اور آخر کار ایسا ہی ہوگا۔ شہادت القرآن صفحہ ۵۷ میں لکھتے ہیں ان میں سے وہ پیشین گوئی جو مسلمانوں کی قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں (۱) مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو (۲) اور پھر داماد جو اُس کی دختر کلاں کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو۔ (۳) اور پھر یہ کہ	حصہ دوم فیصلہ آسمانی صفحہ ۲ و صفحہ ۹	اس پیشین گوئی کا کاذب ہونا اظہر من الشمس ہے چنانچہ ۱۸۹۲ء میں اس کا نکاح ہوا اور ۱۹۰۸ء میں مرزا صاحب مرے اور وہ دونوں میاں بی بی ہونے کی حالت پر زندہ رہے اور کاذب ہونے کا نتیجہ وہ خود انجام آتھم صفحہ ۳۱ کے حاشیہ میں لکھ رہے ہیں میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیشین گوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے اس کا انتظار کرو۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو (۵) اور پھر یہ کہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورے ہونے تک فوت نہ ہو (۶) اور پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں اھ۔	—	اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوگی۔ اور میری موت آ جاوے گی۔ اور احمد بیگ کے مرنے سے وسوسہ نہ کیا جاوے کیونکہ مرکب صادق و کاذب سے کاذب ہے اور یوں تو کیفما اتفق کوئی شخص دس پیشین گوئی کر دے تو کسی نہ کسی کا واقع ہو جانا اتفاقی بات ہے دلیل صدق نہیں۔
۱۶ او ۱۷ او ۱۸ او	اعجاز احمدی میں پیشین گوئی ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان میں تمام پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہ آئیں گے اور مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ صاحب سے مناظرہ کا اشتہار دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر میں پیر صاحب اور علماء کے مقابلہ پر لاہور نہ جاؤں تو پھر میں مردود و جھوٹا ملعون ہوں۔ نیز مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی نسبت میں آخری فیصلہ کا اعلان دیا اور اس طرح دعا کی کہ اے میرے آقا میں تیرے تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں	فیصلہ آسمانی حصہ دوم صفحہ ۷ وفیصلہ آسمانی حصہ سوم ۴۳ ہدیہ عثمانیہ صفحہ ۲۵	مگر مولوی صاحب ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہنچے اور مرزا صاحب نے بجز اظہار غیظ وغضب اور زبردستی کی باتوں کے اور کچھ نہیں کیا صفحہ ۱۰۱ وصفحہ ۱۱۰، الہامات مرزا۔ اسی طرح پیر صاحب تاریخ مناظرہ سے ایک روز پہلے ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور پہنچے اور ۲۹ تک منتظر مرزا صاحب کے رہے مگر مرزا صاحب گھر سے نہ نکلے (حاشیہ فیصلہ آسمانی حصہ ۳ صفحہ ۴۳)

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اُس کو صادق کی زندگی ہی میں اُٹھا لے اے میرے مالک تو ایسا ہی کر (اخبار الحکم جلد ۱۱ نمبر ۱۳، ۱۹۰۷ء مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں پٹیالوی میری زندگی میں مر جائے گا (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲) از اخبار اہل سنت والجماعت ج ۱ نمبر ۳ صفحہ ۵ کالم ۲۔		مباہلہ ثنائیہ میں مرزا صاحب پہلے مر گئے اسی طرح مولوی عبدالحق صاحب غزنوی و ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے مباہلہ و بددعا میں ہوا۔ شہادت آسمانی حصہ ۲ صفحہ ۱۱۴۔
(۱۹)	شعر فارسی۔ ایں منم کہ حسب بشارات آمدم عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمرم، شعر اردو ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو، اُس سے بہتر غلام احمد ہے۔ سہ اشعار دیگر فارسی۔ آنچہ دادست ہر نبی را جام، داد آں جام را مرا بہ تمام۔ انبیا گرچہ بودہ اند بسے، من بعرفان نہ کمترم ز کسے، کم نیم زاں ہمہ بروے یقین، ہر کہ گوید دروغ ہست لعین ۰ حقیقۃ النبوۃ از مرزا محمود نقلاً عن ابیہ) قول ولما ترک یونس اسوء فہمہ الا ستقامہ والا استقلال (آتھم صفحہ ۲۵)	ہدیہ عثمانیہ صفحہ ۳ و صفحہ ۵۳ و تذکرہ یونس صفحہ ۱۴	کھلی اہانت ہے ایک نبی اولوالعزم کی کیا اس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ ہونے میں کوئی شبہ ہوسکتا ہے۔ اور صریح تفضیل ہے اپنی سب انبیاء پر کیونکہ جو سب کمالات انبیاء کا جامع ہوگا سب سے افضل ہوگا اور ایک قول میں اہانت ہے یونس علیہ السلام کی کہ اُن کو بدفہم کہا ہے۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
(۲۰)	مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے (حاشیہ صفحہ ۵ سیرۃ الابدال)	ہدیہ عثمانیہ ۱۲۱۱	تمام علماء اسلام کی تفسیر کے خلاف اور تواتر کے بھی خلاف کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج میں قادیان کی مسجد میں تشریف لائے تھے جس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔
(۲۱)	جب احمد بیگ کے مرنے کی پیشین گوئی میعاد کے اندر پوری نہ ہوئی تو مرزا کو اقرار کرنا پڑا کہ اس وعید کی میعاد میں تخلف ہوگیا (انجام آتھم صفحہ ۲۹)	تذکرہ یونس صفحہ ۶	صریح نصوص کے خلاف ہے۔
(۲۲)	(۱) انت منی وانا منک (حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۴) (۲) ظھورک ظھوری (حقیقۃ الوحی) (۳) انت منی بمنزلہ توحیدی و تفریدی (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۶) (۴) انت منی منزلۃ ولدی (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۶) (۵) میں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ خود وہی ہوں۔ (کتاب البریہ صفحہ ۷۸)	محکمات ربانی صفحہ ۲۹	خدا ہونا یا خدا کا بیٹا ہونا یا خدا کے ساتھ اتحاد شرعاً وعقلاً ہر شخص جانتا ہے کہ باطل ہے۔
(۲۳)	تتمہ خانہ نمبر ۱۲ و ۱۳ (۱) یاتی قمر الانبیاء (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۹) (۲) یا نبی اللہ کنت لا عرفک (الخاتمہ صفحہ ۸۵) (۳) خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو پیش کرتے ہیں	محکمات ربانی	مثل خانہ نمبر ۱۲ و ۱۳

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	تحریف معنوی اور لفظی سے آلودہ ہیں یا سرے سے موضوع ہیں اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو خدا سے علم پا کر چاہے رد کر دے (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰) ہم اب تک سمجھتے ہیں کہ حکم اُس کو کہتے ہیں کہ اُس کا حکم قبول کیا جاوے۔ اور اُس کا فیصلہ گو وہ ہزار حدیث کو موضوع کہے ناطق سمجھا جاوے۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۲۹)		
(۲۴)	میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں سو میں نے تو پہلے آسمان اور زمین کو خیالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ (کتاب البریہ صفحہ ۷۸ و صفحہ ۷۹)	قادیانی مباہلہ کی داستان صفحہ ۶	جس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو وہ بلا تاویل ایسا دعویٰ کرے اس کا جو شرعاً حکم ہے ظاہر ہے۔
(۲۵)	(۱) آپ کے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے) ہاتھ میں سوائے مکر وفریب کے اور کچھ نہ تھا۔ (۲) یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو (یعنی	خیر خواہی صفحہ ۴ واشتہا مسیح قادیان	عیاں راچہ بیاں اور جواب الزامی میں بھی اس عنوان کا اختیار کرنا خلاف ایمان ہے۔ اس کا عنوان یہ ہے کہ اگر تمہارا قول

[illegible]	[illegible]	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔ (۳) آپ کا (حضرت مسیح علیہ السلام کا) خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپکا وجود ظہور پذیر ہوا۔ (۴) آپ کا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا) کنجریوں (کسبیوں) سے مناسبت اور صحبت بھی اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری (کسبی) کو ایسا موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگادے اور زنا کاری کا عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہوسکتا ہے (ضمیمہ انجام آتھم) (۵) یسوع (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے دادا صاحب داؤد نے تو سارے برے کام کئے۔	اور توہین انبیاء ذیشان	مان لیا جاوے تو یہ یہ امور لازم آویں گے۔ نعوذ باللہ منہ اھ خصوص جب کہ انجام آتھم کے حاشیہ صفحہ ۶ میں یہ لکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزے لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا پھر صفحہ ۷ میں لکھتے ہیں ممکن ہے کہ اپنی معمولی تدبیر سے کسی شبکور وغیرہ کو اچھا کیا ہو اور اسی صفحہ میں ہے کہ آپ کے ہاتھ میں سوائے مکر وفریب کے الخ، از اشتہار مسیح قادیان اور توہین انبیاء ذی شان یہ صریح ہے کہ یہ الزاما نہیں بلکہ اسی کو حق سمجھ کر لکھا ہے۔ نیز دافع البلاء کی عبارت جو خانہ (۶) میں ہے جس میں یہ قصے نقل کر کے لکھا کہ اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حضور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے اھ

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	ایک بے گناہ کو اپنی شہوت رانی کے لیے فریب سے قتل کرایا اور دلالہ عورت بھیج کر اُس کی جورو کو منگوایا اور اس کو شراب پلائی اور اس سے زنا کیا۔ اور بہت سا مال زنا کاری میں ضائع کیا۔ انتھی (معیار المذہب صفحہ ۸۰)		اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزام نہیں کیونکہ پادریوں پر قرآن کا حوالہ حجت نہیں بلکہ خود اپنی تحقیق ہے۔ قرآن سے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں۔

تم الفهرس المختصر الكاشف عن عقائد القائد القادياني

حفظ الله تعالىٰ جميع المسلمين عن امثال هذه الضلال الشيطاني

وان اشتقت الى البسط فى الاطلاع عليها و على جوابها فانظر ما فى الفصل الثانى.

(نوٹ)

الامداد جمادی الاولی وثانیہ ۱۳۴۰ ہجری رجب وشعبان ورمضان ۱۳۴۰ ہجری دیکھنا مزید معلومات کے لئے مفید ہے۔

اَلْحُجَّةُ الْاِنْتِهَائِيَه
عَلَى الْمَحَجَّةِ الْبَهَائِيَه

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہاد الجلی اعنی بہ

مَولانا مُحمّد اَشرف علی التّھانوی
نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

فرقہ بہائیہ نے ایک مقالہ چھاپا تھا جس میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ قرآن اور شریعت محمدیہ منسوخ ہوچکی ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث سے دلائل تحریر کیے تھے۔ ایک صاحب نے اس کے جواب کیلئے حضرت رحمہ اللہ سے رجوع کیا۔ اس رسالہ میں حضرت رحمہ اللہ نے تفصیل سے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے اور قرآنی آیات واحادیث کی جو تفسیر اس میں پیش کی گئی تھی اس کا دلائل سے ردّ فرمایا ہے۔

اَلْحُجَّۃُ الْاِنْتِہَائِیَہ عَلَی الْمَحَجَّۃِ الْبَہَائِیَہ

جواب رسالہ فرقہ بہائیہ

سوال: جناب والا! السلام علیکم چند حضرات لکھیم پور کی تحریک سے راقم نے ایک مطبوعہ مکالمہ فرقہ بہائیان جس میں بہائیوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن اور شریعت محمدیہ منسوخ ہوچکی ہے بغرض جواب ارسال خدمت کیا تھا۔ جناب نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ایک دم سے پورے مکالمہ کا جواب بوجہ دیگر اہم مشاغل نہیں دیا جاسکتا البتہ اگر ایک ایک آیت بھیجی جائے تو پورے مکالمہ کا جواب رفتہ رفتہ ہوسکتا ہے لہٰذا حسب ارشاد جناب والا پہلے صرف ایک آیت منجملہ کل مکالمہ کے جو کہ زیادہ اہم معلوم ہوتی ہے ارسال خدمت کی جاتی ہے وہو ہذا۔

یُدَبِّرُ الْاَمْر	مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ	ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ	فِیْ یَوْمٍ	کَانَ مِقْدَارُہٗ
تدبیر کرتا ہے الامر کی	آسمان سے زمین کی طرف	پھر چڑھ جائے گا اس کی طرف	ایک دن میں	جس کی مقدار
اَلْفَ سَنَۃٍ	مِمَّا تَعُدُّوْنَ	(الم سجدہ:۵)		
ہزار برس ہے	تمہارے حساب کے موافق			

بہائی کہتے ہیں کہ الامر کے معنی دین مذہب یا شریعت محمدی کے ہیں اور اپنے دعویٰ کے ثبوت وتائید میں ذیل کی آیات واحادیث پیش کرتے ہیں۔

ا... اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول (صاحبان شریعت) واولی الامر منکم.

۲...صاحب الامر: (یعنی صاحب شریعت) شیعوں کی شرعی اصطلاح میں امام مہدی علیہ السلام کے لئے مستعمل ہے۔

۳... لایزال ھذا الامر (بمعنی اسلام) عزیزا ینصرون علی اعدالھم علیہ الی اثنا عشر خلیفۃ (صحیحین)

۴...لایزال الاسلام عزیزا منیعا الی اثنا عشر خلیفۃ (صحیح مسلم)

۵... لایزال ھذا الدین قائما حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ (جمع الفوائد)

٦...ان صلحت امتی فلھا یوم ان فسدت فلھا نصف یوم وان یوماً عندربک کالف سنۃ مما تعدون (کتاب الیواقیت والجواہر سید عبدالوہاب شعرانی مبحث ٦۵)

الجواب: قولہ الامر کے معنی دین مذہب یا شریعت محمدی کے ہیں۔اقول اگر یہ مراد ہے کہ صرف دین مذہب وشریعت ہی کے ہیں دوسرے کوئی معنی نہیں تب تو غلط خود قرآن مجید میں آیات کثیرہ میں یہ لفظ دوسرے معانی میں وارد ہے۔

قال تعالیٰ یقولون ھل لنا من الامر من شیء قل ان الامر کلہ للہ یخفون فی انفسھم مالایبدون لک یقولون لو کان لنا من الامر شیء ماقتلنا ھھنا وقال تعالیٰ والیہ یرجع الامر کلہ وقال تعالیٰ وما امرنا الاواحدۃ کلمح البصر وقال تعالیٰ فاذا جاء امرنا وفارا لتنور وقال تعالیٰ وغیض الماء وقضی الامر وقال تعالیٰ فیھا یفرق کل امر حکیم وقال تعالیٰ تنزل الملئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلام وغیرھا.

اور اگر یہ مراد ہے کہ کبھی دین کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، جیسا کہ لفظ مشترک کے معانی متعدد ہوتے ہیں جس جگہ جیسا قرینہ ہوتا ہے اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے تو مسلم ہے مگر مستدل کو مفید نہیں کیونکہ آیت میں کوئی قرینہ قطعی نہیں جس سے یقینی دعوے کیا جاسکے کہ یہاں دین ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔جیسا

کہ حدیث لا یزال ھذا الامر میں قرینہ موجود ہے باقی آیت اطیعوا اللہ الخ میں الامر کی تفسیر میں دونوں احتمال ہیں علم بھی اور حکومت بھی۔

پس جب آیت مستدل بہا میں کوئی قرینہ اس کا نہیں کہ شریعت مراد ہے اور قطعی تو کیا ظنی بھی نہیں گو اگر ظنی ہوتا تب بھی مفید نہ ہوتا کیونکہ مسئلہ قطعی ہے پھر احتمالات متعددہ کے ہوتے ہوئے استدلال کیسے صحیح ہوگا۔

بلکہ تفسیر بالرائے ہونے کے سبب یہ دعویٰ حرام اور معصیت ہوگا اور دوام وبقائے شریعت الی یوم القیمۃ کے دلائل قطعیہ کے ساتھ معارض ہونے کے سبب یہ دعویٰ کفر ہوگا۔ اور ان ہی احتمالات متعددہ کی بناء پر مفسرین کے اقوال اس میں مختلف ہیں مگر یہ قول کسی کا بھی نہیں وہ اقوال مختلفہ کتب تفاسیر درمنثور وغیرہا میں مذکور ہیں۔

اور قاعدہ مسلمہ ہے اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال چنانچہ ان میں سے ایک تفسیر جو اقرب اور سہل ہے تبرعاً نقل بھی کرتا ہوں وھو ھذا اور وہ ایسا ہے کہ آسمان سے لے کر زمین تک جتنے امور ہیں ہر امر کی وہی تدبیر اور انتظام کرتا ہے۔ پھر ہر امر اسی کے حضور میں پہنچ جاوے گا۔

ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی یعنی قیامت میں سب امور مع مالہا وما علیہا اس کے حضور میں پیش ہوں گے کقولہ تعالٰی والیہ یرجع الامر کلہ اور اس یوم کو ایک جگہ خمسین الف کہنا بعض کے اعتبار سے ہے کہ بعض کو زیادہ اشتداد سے زیادہ امتداد محسوس ہوگا۔

نیز آیت میں اس کی کیا دلیل ہے کہ عروج سے مراد نسخ ہے تعرج الملئکۃ والروح الیہ میں لفظ عروج واقع ہے جہاں ارادہ نسخ کا احتمال بھی نہیں اسی طرح یصعد الکلم الطیب میں جو کہ مراد ہے یعرج کا ارادہ نسخ کا احتمال نہیں۔

یہ تو آیت میں کلام تھا اب حدیث رہ گئی جس کو یواقیت سے نقل کیا ہے سو اول تو کوئی حدیث بدون سند صحیح یا حسن مقبول نہیں سند پیش کی جاوے تو اس میں نظر کی

جائے دوسرے بعد ثبوت سند وہ خبر واحد ہوگی۔

عقائد کے باب میں خبر واحد حجت نہیں پھر خود حدیث کی دلالت بھی اس معنی پر قطعی نہیں کہ ایک الف کے بعد یہ امت من حیث الامت منقطع ہو جاوے گی۔

یعنی شریعت منقطع ہو جاوے گی بلکہ معنی قریب وہ ہیں جس پر حرف لام دال تھا جو کہ نفع کے لئے ہے یعنی قوت وغلبہ ایک یوم یا نصف یوم تک ہوگا پھر ضعف و اضمحلال ہو جائے گا جب یہ معنی ہیں خواہ مقطوع خواہ محتمل پھر مدعی کا استدلال اپنے مطلوب پر اس سے کیسے جائز ہوگا جبکہ نہ حدیث کا ثبوت ہے نہ اس کی دلالت ہے چنانچہ اس روایت کے بعد خود یواقیت میں بعض عارفین کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ومراده صلى الله عليه وسلم بالالف قوة سلطان شريعته
الٰى انتهاء الالف ثم تاخذ فى ابتداء الاضمحلال
الى ان يصير الدين غريبا كما بدأ الخ.

۱۰ ربیع الاول ۴۷ھ (النور ص:۸، رجب ۱۳۵۸ھ)

الانتباہاتُ المفیدہ عن الاشتباہاتِ الجدیدہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

یہ علم کلام جدید کا نہایت مفید رسالہ ہے... اس میں جدید تعلیم سے متاثر ہونے والے حضرات کے بے بنیاد اعتراضات اور ناپائیدار شبہات کا انہیں کے مذاق کے موافق جواب دیا گیا ہے... ملائکہ... جن... شیطان... دوزخ... جنت اور پل صراط وغیرہ کے وجود پر ہر ایک شبہ کا تسلی بخش جواب تحریر فرمایا گیا ہے۔

الانتباہاتُ المُفیدہ عن الاشتباہاتِ الجدیدہ

وجہ تالیف رسالہ

"حَمْدًا وَسَلَامًا بَالِغَیْنِ سَابِغَیْنِ" اس زمانہ میں جو بعض مسلمانوں میں اندرونی دینی خرابیاں عقائد کی اور پھر اس سے اعمال کی پیدا ہوگئی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں اُن کو دیکھ کر اس کی ضرورت اکثر زبانوں پر آرہی ہے کہ علم کلام جدید مدون ہونا چاہیے۔ گو یہ مقولہ علم کلام مدون کے اُصول پر نظر کرنے کے اعتبار سے خود متکلم فیہ ہے کیونکہ وہ اُصول بالکل کافی وافی ہیں۔ چنانچہ ان کو کام میں لانے کے وقت اہل علم کو اس کا اندازہ اور تجربہ عین الیقین کے درجہ میں ہوجاتا ہے۔

لیکن باعتبار تفریع کے اس کی صحت مسلم ہوسکتی ہے مگر یہ جدید ہونا شبہات کے جدید ہونے سے ہوا اور اس سے علم کلام قدیم کی جامعیت نہایت وضوح کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ گو شبہات کیسے ہی اور کسی زمانے میں ہوں مگر ان کے جواب کے لیے بھی وہی علم کلام قدیم کافی ہوجاتا ہے۔ سو ایک اصلاح تو اس مقولہ میں ضروری ہے۔ دوسری ایک اِصلاح اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ مقصود اکثر قائلین کا اس مقولہ سے یہ ہوتا ہے کہ شرعیات علمیہ وعملیہ جو جمہور کے متفق علیہ ہیں اور ظواہر نصوص کے مدلول اور سلف سے محفوظ ومنقول ہیں تحقیقات جدیدہ سے ان میں ایسے تصرفات کیے جاویں کہ وہ ان تحقیقات پر منطبق ہوجاویں۔ گو ان تحقیقات کی صحت پر مشاہدہ یا دلیل عقلی قطعی شہادت نہ دے۔ سو یہ مقصود ظاہر البطلان ہے جن دعوؤں کا نام تحقیقات

جدیدہ رکھا گیا ہے۔ نہ وہ سب تحقیق کے درجے کو پہنچے ہوئے ہیں بلکہ زیادہ حصہ ان کا تخمینیات و وہمیات ہیں اور نہ ان میں اکثر جدید ہیں بلکہ فلاسفہ متقدمین کے کلام میں وہ مذکور پائے جاتے ہیں اور ہمارے متکلمین نے ان پر کلام بھی کیا ہے۔

چنانچہ کتب کلامیہ کے دیکھنے سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ البتہ اس میں شبہ نہیں کہ بعضے شبہات تو جو السنہ سے مندرس ہو چکے تھے اُن کا اب تازہ تذکرہ ہو گیا ہے اور بعض کا کچھ عنوان جدید ہو گیا ہے اور بعض کے خود مبانی جن کو واقعی تحقیقات جدیدہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے باعتبار معنون کے بھی جدت پیدا ہو گئی۔ اِس اعتبار سے ان شبہات کے اس مجموعہ کو جدید کہنا زیبا اور ان کے دفع اور حل اور جواب کو اس بناء پر بھی کہ جدید شبہات بالمعنی المذکور کے مقابلہ میں ہیں۔ و نیز اس وجہ سے بھی کہ بلحاظ مذاق اہل زمانہ کے کچھ طرزِ بیان میں جدت مفید ثابت ہوئی ہے۔

کلام جدید کہنا درست و بجا ہے اور اس تاویل سے یہ مقولہ کہ علم کلام جدید کی تدوین ضروری ہے محل انکار نہیں بہر حال جس معنی پر بھی یہ ضروری ہے، مدت سے اس ضرورت کے رفع کرنے کی مختلف صورتیں ذہن میں آیا کرتی تھیں بعضی ان میں گو مکمل تھیں مگر اس کے ساتھ ہی مطول بھی تھیں۔

اس لیے اس مختصر صورت پر اکثر ذہن کو قرار ہوتا تھا کہ جتنے شبہات اس وقت زبان زد یا حوالۂ قلم ہو رہے ہیں ان سب کو جمع کر کے ایک ایک کا جزئی طور پر جواب منضبط ہو جائے کہ موجودہ شبہات کے رفع کے لیے بوجہ اُن سے بالخصوص تعرض ہونے کے زیادہ نافع ہوں گے اور ان جزئیات کی تقریر کے ضمن میں جو کلیات ضرور یہ حاصل ہوں گی وہ ایسے شبہات کے امثال و نظائر مستقبلہ کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ دافع ہوں گے چونکہ اس طریق میں شبہات کے جمع ہونے کی ضرورت تھی اور یہ کام صرف مجیب کا نہیں ہے اس لیے میں نے اس بارے میں اکثر صاحبوں سے مدد چاہی اور انتظار رہا کہ شبہات کا کافی ذخیرہ جمع ہو جائے تو اس کام کو بنام خدا

شروع کیا جاوے ہنوز اس کا انتظار ہی تھا کہ اس اثناء میں احقر کو شروع ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ میں سفر بنگال کا پیش آیا۔ راہ میں اپنے چھوٹے بھائی سے ملنے کے لیے علی گڑھ (کہ وہ وہاں سب انسپکٹر ہیں) اترا کالج کے بعض طلبہ کو اطلاع ہوگئی وہ ملنے آئے اور ان میں کی ایک جماعت نے سیکرٹری صاحب یعنی جناب نواب وقار الامراء سے اطلاع کر دی اور عجب نہیں کہ سفارش وعظ کی درخواست بھی کی ہو۔

جناب نواب صاحب کا رات کو رُقعہ اسی مضمون کا پہنچا اور صبح کو خود بدولت تشریف لائے اور اپنے ہمراہ کالج لے گئے۔ جمعہ کا دن تھا وہاں ہی نماز پڑھی اور حسب استدعاء عصر تک کچھ بیان کیا جس کا خلاصہ آگے افتتاحی تقریر کے عنوان کے تحت میں مذکور بھی ہے، طلبائے کالج کی ہیئت استماع سے یہ اندازہ ہوا کہ ان کو ایک درجے میں حق کی طلب اور انتظار ہے اور فہم وانصاف کے آثار بھی معلوم ہوئے۔

چنانچہ آئندہ کے لیے بھی وقتاً فوقتاً اپنی اصلاح کے مضامین ومواعظ سنانے کے خواہاں ہوئے جس کو احقر نے دینی خدمت سمجھ کر بخوشی منظور کر لیا اور اس حالت کو دیکھ کر اس مختصر صورت مذکورۂ بالا میں اور اختصار ذہن نے تجویز کیا جس میں اس صورت سابقہ کی کچھ ترمیم بھی ہوگئی وہ یہ کہ شبہات جزئیہ کے جمع ہونے کا جو کہ اوروں کے کرنے کا کام ہے سر دست انتظار چھوڑ دیا جاوے بلکہ جو شبہات اب تک کانوں سے خطاباً یا آنکھوں سے کتاباً گزرے ہیں صرف اُن ہی کے ضروری قدر کے موافق جواب اپنے وعظوں سے اِن طلبہ کے روبرو پیش کر دیئے جاویں۔

اور دوسرے غائبین کے افادہ کے لیے ان کو ملخص ومختصر طور پر لکھ کر بھی شائع کر دیئے جاویں خواہ تقریر مقدم ہو اور تحریر مؤخر یا بالعکس حسب اختلافِ وقت وحالت اور اگر اس سلسلہ کے درمیان میں اس سے پس وپیش کچھ حضرات شبہات کے جمع ہونے میں امداد دیں تو وہ مختصر صورت مذکورۂ سابق بھی قوت سے فعل میں لے آئی جاوے اور اس رسالہ کا اس کو دوسرا حصہ بنا دیا جاوے، ورنہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس

ابتدائی رسالہ کے بھی قریب قریب کافی ہو جانے کی اُمید ہے اور اگر اس کو سمجھا سمجھا پڑھانے والا کوئی مل جاوے تو نفع اور بھی اتم مرتب ہو اور اگر حق تعالیٰ کسی کو ہمت دے اور وہ کتب ملحدین و معترضین کو جس میں اسلام پر سائنس یا قواعد مخترعہ تمدن کے تعارض کی بناء پر شبہات کیے گئے ہیں جمع کر کے مفصل اجوبہ بصورت کتاب قلمبند کر دے تو ایسی کتاب علم کلام جدید کے مفہوم کا ''اَحَقّ'' مصداق ہو جاوے جس کا ایک جامع نمونہ الحمدللہ رسالہ حمیدیہ فاضل طرابلسی کی افادات میں سے مدون بھی ہو چکا ہے اور جس کا ترجمہ مسمّی بہ سائنس واسلام ہندوستان میں شائع اور اکثر طبائع کو مطبوع و نافع بھی ہوا ہے۔ ''وَاللّٰهُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ وَبِیَدِہٖ اَزِمَّةُ التَّحْقِیْقِ + اَللّٰهُمَّ یَسِّرْلَنَا هٰذَا الطَّرِیْقَ وَاجْعَلْ عَوْنَکَ لَنَا خَیْرَ رَفِیْقٍ''

افتتاحی تقریر

(جو بطور خطبے کے ہے)

سورۂ لقمان کی آیت کا ٹکڑا ''وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ الخ'' پڑھ کر مضمون لمبا بیان کیا گیا تھا مگر خلاصہ اس کا لکھا جاتا ہے آج کی تقریر کسی خاص مقصود پر وعظ نہیں ہے بلکہ مختصر طور پر صرف ان اسباب کا بیان کرنا ہے جن سے آج تک مواعظ علماء کے آپ کو کم نافع ہوئے ہوں گے اور اگر ان کی تشخیص کے بعد تلافی نہ کی گئی تو آئندہ کے مواعظ بھی اگر ہوں اسی طرح غیر نافع ہوں گے ان اسباب کا حاصل آپ کی چند کوتاہیاں ہیں۔

اوّل کوتاہی یہ ہے کہ شبہات باوجودیکہ روحانی امراض ہیں مگر ان کو مرض نہیں سمجھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں کیا گیا جو امراض جسمانیہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ دیکھئے اگر خدانخواستہ کبھی کوئی مرض لاحق ہوا ہوگا کبھی یہ انتظار نہ ہوا ہوگا کہ کالج میں جو طبیب یا ڈاکٹر متعین ہے وہ خود ہمارے کمرے میں آ کر ہماری نبض وغیرہ دیکھے اور تدبیر کرے بلکہ خود اس کے قیام گاہ پر حاضر ہو کر اس سے اظہار

کیا ہوگا اور اگر اس کی تدبیر سے نفع نہ ہوا ہوگا۔

تو حدود کالج سے نکل کر شہر کے سول سرجن کے پاس شفا خانہ پہنچے ہوں گے اور اگر اس سے بھی فائدہ نہ ہوا ہوگا تو شہر چھوڑ کر دوسرے شہروں کا سفر کیا ہوگا اور مصارف سفر و فیس طبیب و سامان ادویہ میں بہت کچھ خرچ بھی کیا ہوگا۔ غرض حصول شفا تک صبر و قناعت نہ ہوا ہوگا۔ پھر ان شبہات کے عروض میں کیا وجہ ہے کہ اس کا انتظار ہوتا ہے کہ علماء خود ہماری طرف متوجہ ہوں آپ خود ان سے کیوں نہیں رجوع کرتے اور اگر رجوع کرنے کے وقت ایک عالم سے (خواہ اس وجہ سے کہ ان کا جواب کافی نہیں خواہ اس وجہ سے کہ وہ جواب آپ کے مذاق کے موافق نہیں) آپ کو شفا نہیں ہوتی تو کیا وجہ ہے کہ دوسرے علماء سے رجوع نہیں کرتے، یہ کیسے سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس کا جواب کسی سے بن نہ پڑے گا۔ تحقیق کر کے تو دیکھنا چاہیے حالانکہ جس قدر معالجہ جسمانیہ میں صرف ہوتا ہے یہاں اس کے مقابلے میں کچھ بھی صرف نہیں ہوتا۔ ایک جوابی کارڈ میں جس عالم سے چاہو جو چاہو پوچھنا ممکن ہے۔

دوسری کوتاہی یہ ہے کہ اپنی فہم اور رائے پر پورا اعتماد کرلیا جاتا ہے کہ ہمارے خیال میں کوئی غلطی نہیں ہے اور یہ بھی ایک وجہ ہے کسی سے رجوع نہ کرنے کی۔ سو یہ بڑی غلطی ہے اگر اپنے خیالات کی علماء سے تحقیق کی جاوے تو اپنی غلطیوں پر اس وقت اطلاع ہونے لگے۔

تیسری کوتاہی یہ ہے کہ اتباع کی عادت کم ہے اور اسی سبب سے کسی امر میں ماہرین کی تقلید نہیں کرتے۔ ہر امر میں دلائل و اسرار و لمیات ڈھونڈے جاتے ہیں حالانکہ غیر کامل کو بدون تقلید کامل کے چارہ نہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ علمائے شرائع کے پاس دلائل و علل نہیں ہیں سب کچھ ہیں مگر بہت سے اُمور آپ کے افہام سے بعید ہیں جیسے اقلیدس کی کسی شکل کا ایسے شخص کو سمجھانا جو حدود و اُصول موضوعہ و علوم متعارفہ سے ناواقف ہو سخت دُشوار ہے۔ اسی طرح شرائع کے لیے کچھ علوم بطور آلات و مبادی کے ہیں کہ طالب تحقیق کے لیے ان کی تحصیل ضروری ہے اور جو شخص ان کی

تحصیل کے لیے فارغ نہ ہو اس کو تقلید سے چارہ نہیں۔

پس آپ حضرات اپنا دستور العمل اس طرح قرار دیں کہ جو شبہ واقع ہو اس کو علماء سے حل ہونے تک برابر پیش کرتے رہیں اور اپنی رائے پر اعتماد نہ فرمادیں اور جو امر محققانہ طور پر سمجھ میں نہ آوے اس میں اپنے اندر کمی سمجھ کر علمائے ماہرین پر وثوق اور ان کا اتباع کریں۔ ان شاء اللہ بہت جلد پوری اِصلاح ہو جاوے گی۔

تمہید مع تقسیم حکمت

(جو بطور مقدمہ کے ہے)

حکمت جس کو فلسفہ کہتے ہیں ایک ایسا عام مفہوم ہے جس سے کوئی علم خارج نہیں اور اسی میں شریعت بھی داخل ہے اور اسی تعلق کے سبب اس جگہ حکمت سے بحث کی جارہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حکمت ؛ فلسفہ کی خلاصہ تعریف درج ذیل ہے۔ موجودات واقعی کے حالات واقعی کے جاننے کو فلسفہ کہتے ہیں۔ فلسفہ حالانکہ سائنس سے قوی ہے لیکن علم کلام سے کمزور ہے، فلسفی نہ موجودات واقعی سے پوری طرح واقف ہیں نہ حالات واقعی کو پوری طرح جانتے ہیں کیونکہ یہ وحی الٰہی سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وحی الٰہی سے روشنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے مل سکتی تھی اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخبرین صادقین کے فرد اعلیٰ تھے جب کہ ادراک کے تین آلے ہیں: (۱) مخبر صادق کی خبر (۲) عقل (۳) محسوسات۔

اپنے اپنے موقعوں پر یہ تینوں کام کرتے ہیں۔ ایک آلہ کو چھوڑ دینے والا حالات واقعی پوری طرح کیسے جان سکتا ہے۔ دوسرے ذریعہ (عقل) کو فلاسفہ ضرور کام میں لاتے ہیں اور استدلال عقلی پر بنا کرتے ہیں مگر اس سلسلہ میں استقراء ناقص سے کام لیتے ہیں کیونکہ استقراء تام نصیب نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ نکلا کہ معلومات کے ذرائع میں سے فلاسفہ پہلے ذریعہ کے تارک ہیں تو دوسرا ذریعہ بھی ان کے ہاتھ میں

کامل نہیں رہا۔ لہٰذا عقل کا تقاضا ہوا کہ مخبر صادق کی خبر کا کوئی بھی انسان تارک نہ بنے۔ ﴿ نام ہے حقائق موجودہ کے علم کا جو مطابق واقع کے ہو اس حیثیت سے کہ اس سے نفس کو کوئی کمال معتد بہ ﴿ کمال معتد بہ کی قید سے فلسفہ اسلام فلسفہ رہے گا بقیہ کو فلسفہ نہ کہہ سکیں گے۔ عام فلسفی کو دنیوی اعتبار سے جو کمال معتد بہ حاصل ہو اس کو بھی فلسفہ کہہ دیتے ہیں سوائے بچوں کی طفلانہ حرکات کے کہ اس کو وہ فلسفہ میں شامل نہیں کرتے۔ مثلاً بچے گھر بناتے ہیں یا لکیریں کھینچتے ہیں ﴾ بھی حاصل ہو اور جتنے علوم ہیں سب میں کسی نہ کسی حقیقت ہی کے احکام مذکور ہوتے ہیں۔

غرض اس حکمت کی تقسیم اوّلی دو قسم ہیں کیونکہ جن موجودات سے بحث کی جاتی ہے یا تو وہ ایسے افعال و اعمال ہیں جن کا وجود ہماری قدرت و اختیار میں ہے یا ایسے موجودات ہیں جن کا وجود ہمارے اختیار میں نہیں۔ قسم اوّل کے احوال جاننے کا نام حکمت عملیہ ہے اور قسم ثانی کے احوال جاننے کا نام حکمت نظریہ ہے اور ان دو قسموں میں سے ہر قسم کی تین تین قسمیں ہیں کیونکہ حکمت عملیہ یا تو ایک ایک شخص کے مصالح کا علم ہے اس کو تہذیب ﴿ مرشد کامل بندوں کی صفت (بندگی) کی تعلیم دیتے ہیں اور اُستاد علم سکھاتے ہیں۔ علم اللہ کی صفت ہے اس لیے اُستاد کا درجہ مرشد سے بڑا سمجھا جاتا ہے۔ ﴾ اخلاق کہتے ہیں اور یا ایک ایسی جماعت کے مصالح کا علم ہے جو ایک گھر میں رہتے ہیں اس کو تدبیر المنزل کہتے ہیں اور یا ایسی جماعت کے مصالح کا علم ہے جو ایک شہر یا ایک ملک میں رہتے ہیں اس کو سیاست مدنیہ کہتے ہیں۔

یہ تین قسمیں حکمت عملیہ کی ہوئیں اور حکمت نظریہ یا تو ایسی اشیاء کے احوال کا علم ہے جو اصلاً مادہ کی محتاج نہیں نہ وجود خارجی میں نہ وجود ذہنی میں، اس کو علم الٰہی کہتے ہیں اور یا ایسی اشیاء کے احوال کا علم ہے جو وجود خارجی میں تو محتاج الی المادہ ہیں مگر وجود ذہنی میں نہیں اس کو علم ریاضی کہتے ہیں اور یا ایسی اشیاء کے احوال کا علم ہے جو وجود ذہنی اور خارجی دونوں میں محتاج الی المادہ ہیں اس کو علم طبعی کہتے ہیں۔

یہ تین قسمیں حکمت نظریہ کی [illegible]
(۱) تہذیب اخلاق (۲) [illegible]
(۵) علم ریاضی (۶) علم طبعی [illegible]
اقسام ان ہی میں منحصر ہیں۔

اب جاننا چاہیے کہ شریعت کا [illegible]
ذریعہ رضائے حق بنانے کی تعلیم ہے۔ [illegible]
مصلحت دنیویہ معلوم ہوتا ہے یا تو وہاں مصلحت [illegible]
اس مصلحت سے زیادہ اس میں روحانی مضرت تھی اس کو دفع [illegible]
بھی رضائے حق ہے اور ریاضی وطبعی کو ادائے حقوق خالق یا مخلوق میں [illegible]
شریعت نے بطور مقصودیت کے اس سے کچھ بحث نہیں کی اگر [illegible]
مسئلہ آ گیا ہے تو بطور آلیت و استدلال علی بعض مسائل الالٰہی [illegible]
عنقریب مذکور ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے ساتھ "لاٰیاتٍ لِأُوْلِی الْاَلْبَاب" وغیرہ فرمانا۔ اس
کی دلیل ہے اب ایک قسم تو حکمت نظریہ کی یعنی علم الٰہی [illegible] معلومات کے ذرائع تین ہیں

(۱) وحی: یہ سب سے قوی ذریعہ ہے۔ متکلمین ان علوم سے واقف ہیں جو بذ[ریعہ]
وحی ملے ہیں اس لیے حقیقت سے واقف ہیں۔ فلاسفہ وہاں تک پہنچتے ہیں جہاں
عقل کی پرواز ہو سکتی ہے لیکن اپنی غلطیوں سے باخبر ہونے کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہیں
ہے۔ متکلمین علوم وحی کی وجہ سے حقیقت شناس ہوتے ہیں۔ اگر فلسفی اس مسئلہ میں کسی
اور نتیجہ پر پہنچا ہے تب یہ بحیثیت فلسفی کے غور کرتے ہیں کہ کس مقام پر اس فلسفی نے عقل
سے کام لینے میں غلطی کی۔ اس طرح فلاسفہ کی غلطیوں کی متکلمین گرفت کر لیتے ہیں۔

(۲) عقل: یہ معلومات کا ذریعہ اوسط درجہ کا ہے۔ فلاسفہ کی معلومات کا دارومدار یہی ذریعہ
ہے۔ فلاسفہ کی پرواز بہت بلند ہے مگر پھر بھی کہیں کہیں غلطی کر جاتے ہیں۔ فلسفہ کی بعض
بنیادیں (جس میں مذہب اسلام سے تعارض ہوتا ہے) استقراء ناقص پر ہیں اور حقیقت معلوم

ہوسکتی ہے استقراء کامل کے بعد اور استقراء کامل انسان کی طاقت سے باہر ہے۔

(۳) محسوسات: معلومات حاصل کرنے کا یہ سب سے کمزور ذریعہ ہے۔ اہل سائنس اس سے اکثر کام لیتے ہیں اس لیے اہل سائنس جن نتائج پر پہنچتے ہیں ان میں روزانہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے، محسوسات میں مشاہدہ بھی داخل ہے اور مشاہدے وغیرہ سے جو معلومات ہوتی ہیں اُنکا صحیح ہونا یقینی نہیں ہوتا۔ مثلاً اُڑتے ہوئے ہوائی جہاز کا جب مشاہدہ کرتے ہیں تو چھوٹا سا معلوم ہونے لگتا ہے حالانکہ حقیقت میں چھوٹا نہیں ہوتا۔

مثلاً پانی کے متحرک اجزائے مقراطیسیہ کا جب سائنس دان خوردبین سے معائنہ کرتے ہیں تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ پانی میں کیڑے ہیں۔ مشاہدے سے تو ہمیشہ صحیح حقیقت نہیں معلوم ہوتی اور عقل سے کام لینے کے وہ عادی نہیں۔ اگر عقل سے کام لینے کے سائنس داں عادی ہوتے تو یہ ضرور سوچتے کہ حرکت کیلئے حیات تو لازمی نہیں ہے۔ پتہ چلا حرکت کا اور قائل ہو گئے حیات کے۔ اگر قابل تعریف ہیں تو وہ حکومتیں ہیں جو سائنس کی ترقی کے لیے کروڑوں روپیہ صرف کر رہی ہیں نہ کہ سائنس داں کہ جن کے پاس اب بھی معلومات کا ذریعہ تک قوی نہیں ہے۔

عقل سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ زیادہ قوی ہوتی ہیں ان معلومات سے جو معلومات محسوسات سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے اگر کبھی فلسفہ اور سائنس کے اُصولوں میں تعارض ہو جائے تو فلسفہ کے اُصولوں کو قابل ترجیح سمجھنا چاہیے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب قوی اور کمزور میں تعارض ہوتا ہے تو قوی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اس ہی قاعدہ کی بنا پر متکلمین کی بات کو ترجیح ہوگی فلسفی کی بات پر کیونکہ متکلمین علوم وحی کے ذریعہ حقیقت تک پہنچے ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کی حقیقت جتنی کہ اس چیز کا بنانے والا جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

خلاصہ یہ کہ متکلمین کی پرواز فلاسفہ سے بلند ہے۔ فلاسفہ نے حکمت الٰہیہ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا اس لیے فلاسفہ نے ثبوت وحی اور معاد کو حکمت الٰہیہ میں داخل نہیں کیا

حالانکہ داخل کرنا چاہیے تھا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ارسطو جو مشائیہ کا امام ہے اس کا شارح ابن سینا تو اس کا قائل ہے کہ ثبوت وحی و معاد (آخرت) کو حکمت الٰہیہ میں داخل کرنا چاہیے اور یہ کہ افلاطون جو اشراقیہ کا امام ہے اس کے شارح شیخ شہاب الدین سہروردی بھی اس بات کے قائل ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ علوم وحی کی روشنی نے ان کو قائل کیا ہے ﴿ اور حکمت عملیہ بجمیع اقسامہا باقی رہ گئیں چونکہ ان سب کو مقصد مذکور یعنی ادائے حقوق میں دخل ہے اس لیے ان سب سے کافی بحث کی ہے۔

چنانچہ حکمت عملیہ کے مباحث کے کمال میں تو خود متبعین فلاسفہ نے بھی اعتراف کرلیا ہے کہ "اِنَّ الشَّرِیْعَۃَ الْمُصْطَفَوِیَّۃَ قَدْ قَضَتِ الْوَطَرَ عَلٰی اَکْمَلِ وَجْہٍ وَاَتَمِّ تَفْصِیْلٍ" اور علم الٰہی کے مباحث میں بھی دلائل کے موازنہ کرنے سے حکماء کو اسی اعتراف کی طرف مضطر ہونا پڑتا ہے۔

پس مبحوث عنہ فی الشریعۃ ایک تو علم الٰہی ہوا جس کے فروع میں سے مباحث وحی و نبوت و احوال معاد بھی ہیں اس کا نام علم عقائد ہے اور دوسرا مبحوث عنہ حکمت عملیہ ہوئی جس کے اقسام واردہ فی الشرع یہ ہیں عبادات اور معاملات اور معاشرات اور اخلاق اور یہ اقسام مشہور قسموں تہذیب اخلاق و تدبیر منزل و سیاست مدنیہ سے متغائر نہیں بلکہ باہم گر متداخل ہیں جو ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے۔

غرض علوم شرعیہ پانچ ہوئے۔ چاروں یہ اقسام جو ابھی مذکور ہوئے اور عقائد۔ مجھ کو ان اجزائے پنجگانہ میں سب پر بحث مقصود نہیں بلکہ ان میں سے محض ان اُمور پر جن پر نو تعلیم یافتوں کو کسی وجہ سے شبہ ہوگیا ہے اور وہ شبہات چونکہ اعتقادی ہیں اس معنی کر سب مباحث سے مقصود جزء اعتقادی ہی پر کلام ٹھہرا اور ہر چند کہ مقتضا ترتیب کا یہ تھا کہ اوّل ایک قسم کے تمام ایسے مسائل سے فارغ ہوکر دوسری قسم کو شروع کیا جاتا مگر تطریہ و تجدید نشاط مخاطبین کے لیے مختلط طور پر کلام کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔

چنانچہ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے اسی طور پر اپنے معروضات پیش کروں گا اور ان

معروضات کا لقب انتباہات تجویز کرتا ہوں اور یہی تنبیہات مقاصد ہیں۔ اس مجموعہ کے اور ان مقاصد سے پہلے کچھ قواعد کی (جو ان مقاصد کے ساتھ اُصول موضوعہ کی نسبت رکھتے ہیں) تقریر کی جاتی ہے اور مقاصد کے مختلف مقامات پر اُن قواعد کا حوالہ دیا جاوے گا تا کہ تفہیم وتسلیم میں سہولت ومعونت ہو، اللہ تعالیٰ مدد فرماوے۔ فقط

اس کتاب کے مصنف حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے انہی عقائد وغیرہ کی درستی کے بارے میں اور بعض بعض رسالے بھی تحریر فرمائے ہیں اور وہ بفضلہٖ تعالیٰ طبع بھی ہو گئے ہیں وہ سب اپنے پاس رکھنے کے قابل ہیں۔ ان میں سے ایک اکسیر فی اثبات التقدیر ہے۔ اس کتاب میں تقدیر کے مسئلہ کے متعلق جملہ شکوک واعتراضات کو دفع کر دیا گیا ہے اور ایسی سہل عبارت میں لکھا ہے کہ تقدیر کا ایسا مشکل اور ادق مسئلہ نہایت ہی صاف ہو کر سلجھ گیا اور لوگوں کے لیے باعث ہدایت ہوا۔ ان میں سے ایک اصلاح الخیال ہے۔ اس میں نئے خیالات کی اصلاح کی گئی ہے جو ہر طرح سے قابل قدر ہے ان میں سے ایک تکمیل الیقین ہے۔ اس کتاب میں ارکان اسلام کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا گیا ہے اور یہ کتاب دراصل سائنس والاسلام ہے کہ مولانا کی نظر ثانی وتلخیص کے بعد اس کا نام تکمیل الیقین قرار پایا ہے جو سائنس والاسلام میں ہے وہی ملخصاً اس میں ہے اور مجموعۂ تحذیر الاخوان میں سود ہندوستان کا بیان ہے اور اس کے علاوہ اور چند رسالے بھی اس میں شامل ہیں اور القول الصواب میں عورتوں کے پردہ مروجہ کا بیان ہے۔

اشرف علی عفی عنہ مقام تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

اُصول موضوعہ

نمبر(۱): کسی چیز کا سمجھ میں نہ آنا دلیل اس کے باطل ہونے کی نہیں۔

شرح

باطل ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ دلیل سے اس کا نہ ہونا سمجھ میں آ جاوے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں امر میں یعنی ایک یہ کہ اس کا ہونا سمجھ میں نہ آوے اور ایک یہ کہ اُس کا نہ ہونا معلوم ہو جاوے، فرق عظیم ہے اوّل کا (یعنی یہ کہ اس کا ہونا سمجھ میں نہ آوے) حاصل یہ ہے کہ بوجہ عدم مشاہدہ اس چیز کے اسباب یا کیفیات کا ذہن کو احاطہ نہیں ہوا۔ اس لیے ان اسباب یا کیفیات کی تعیین میں تحیر یا تردد ہے لیکن بجز اس کے کہ یہ کہے کہ یہ کیونکر ہوگا وہ اس پر قادر نہیں کہ اس کی نفی پر کوئی دلیل صحیح قائم کر سکے عقلی یا نقلی اور ثانی کا یعنی یہ کہ اس کا نہ ہونا معلوم ہو جاوے)۔

حاصل یہ ہے کہ عقل اُس کی نفی پر دلیل صحیح قائم کر سکے عقلی یا نقلی مثلاً کسی دیہاتی نے جس کو ریل دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہ سنا کہ ریل بدون کسی جانور کے گھسیٹنے کے خود بخود چلتی ہے تو وہ تعجب سے کہے گا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس پر قادر نہیں کہ اس کی نفی پر دلیل قائم کر سکے کیونکہ اس کے پاس خود اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ بجز جانور کے گھسیٹنے کے گاڑی کی حرکت سریعہ ممتدہ کا کوئی اور سبب نہیں ہوسکتا، اس کو سمجھ میں نہ آنا کہتے ہیں اور اگر وہ محض اتنی بنا پر نفی کا حکم کرنے لگے اور راوی کی تکذیب کرنے لگے تو عقلاً اس کو بیوقوف سمجھیں گے اور اسے بیوقوف سمجھنے کی بنا صرف یہی ہوگی کہ تیری سمجھ میں نہ آنے سے نفی کیسے لازم آئی۔

یہ مثال ہے سمجھ میں نہ آنے کی اور اگر کوئی شخص کلکتہ سے ریل میں سوار ہو دہلی اُترا اور ایک شخص نے اس کے روبرو بیان کیا کہ یہ گاڑی کلکتہ سے دہلی تک آ ایک گھنٹے میں آئی ہے تو وہ مسافر اس کی تکذیب کرے گا اور اس کے پاس اس کی نفی کی دلیل موجود یعنی خود اپنا مشاہدہ اور سو دو سو مشاہدہ کرنے والوں کی (جو کہ اسی گاڑی سے اُترے ہیں) شہادت یہ مثال ہے اس کی کہ اس کا نہ ہونا سمجھ میں آ جاوے۔ اسی طرح اگر کسی نے یہ سنا کہ قیامت کے روز پل صراط پر چلنا ہوگا اور وہ بال سے باریک ہوگا چونکہ کبھی ایسا واقعہ دیکھا نہیں۔

اس لیے یہ تعجب ہونا کہ کیونکر ہوگا تعجب نہیں لیکن ظاہر ہے کہ اس کی نفی پر بھی عقل کے پاس کوئی دلیل نہیں کیونکہ سرسری نظر میں دلیل اگر ہو سکتی ہے تو یہ ہو سکتی ہے کہ قدم تو اتنا چوڑا اور قدم رکھنے کی چیز اتنی کم چوڑی تو اُس پر پاؤں کا ٹکنا اور چلنا ممکن نہیں لیکن خود اسی کا کوئی ثبوت نہیں کہ مسافت کی وسعت قدم سے زیادہ ہونا عقلاً ضروری ہے۔

یہ اور بات ہے کہ عادت یوں ہی دیکھی گئی۔ اس کے خلاف نہ دیکھا ہو یا دیکھا ہو مگر اتنا تفاوت نہ دیکھا ہو جیسے بعض کو رسی پر چلتے دیکھا ہے مگر اس میں کیا محال ہے کہ وہاں عادت بدل دی جاوے اس بناء پر اگر کوئی تکذیب کرے گا تو اس کی حالت اسی شخص کی سی ہوگی جس نے ریل کے از خود چلنے کی تکذیب کی تھی۔

البتہ اگر کسی نے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں فلاں بزرگ کی اولاد کو اگرچہ وہ مؤمن بھی نہ ہوں اس بزرگ کے قرب کی وجہ سے مقرب و مقبول بنا لے گا چونکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے اور وہ دلیل وہ نصوص ہیں جن سے کافر کا نہ بخشا جانا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی نفی کی جاوے گی اور اس کو باطل کہا جاوے گا۔ یہ فرق ہے سمجھ میں نہ آنے اور باطل ہونے میں۔

نمبر (۲): جو امر عقلاً ممکن ﴿صرف اجتماع متنافیین و ارتفاع متنافیین محال ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی نہیں پایا جا رہا ہے تو وہ محال نہیں اور جو محال نہ ہو،

وہاں دلیل نقلی سے کام لے سکتے ہیں۔ یہ اُصول فلاسفہ کے لیے عموماً و اہل سائنس کے لیے خصوصاً تازیانہ ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی نظر جتنی عمیق تھی اہل سائنس کا تو کیا ذکر فلاسفہ کی بھی نہ تھی ﴾ ہو اور دلیل نقلی صحیح اس کے وقوع کو بتلاتی ہو اس کے وقوع کا قائل ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر دلیل نقلی اس کے عدم وقوع کو بتلاوے تو عدم وقوع کا قائل ہونا ضروری ہے۔

شرح

واقعات تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جن کے ہونے کو عقل ضروری اور لازم بتلادے۔ مثلاً ایک آدھا ہے دو کا، یہ امر ایسا لازم الوقوع ہے کہ ایک اور دو کی حقیقت جاننے کے بعد عقل اس کے خلاف کو یقیناً غلط سمجھتی ہے۔ اس کو واجب کہتے ہیں۔

دوسری قسم وہ جن کے نہ ہونے کو عقل ضروری اور لازم بتلاوے۔ مثلاً ایک مساوی ہے دو کا، یہ امر ایسا لازم النفی ہے کہ عقل اس کو یقیناً غلط سمجھتی ہے، اس کو ممتنع اور محال کہتے ہیں۔

تیسری قسم وہ جن کے نہ وجود کو عقل لازم بتلادے اور نہ نفی کو ضروری سمجھے بلکہ دونوں شقوں کو محتمل قرار دے اور ہونے نہ ہونے کا حکم کرنے کے لیے کسی اور دلیل نقلی پر نظر کرے۔ مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شہر کا رقبہ فلاں شہر سے زائد ہے۔ یہ زائد ہونا ایسا امر ہے کہ قبل جانچ کرنے یا جانچ والوں کی تقلید کرنے کے عقل نہ اس کی صحت کو ضروری قرار دیتی ہے اور نہ اس کے بطلان کو بلکہ اس کے نزدیک احتمال ہے کہ یہ حکم صحیح ہو یا غلط ہو، اس کو ممکن کہتے ہیں۔

پس ایسے امر ممکن کا ہونا اگر دلیل نقلی صحیح سے ثابت ہو تو اس کے ثبوت اور وقوع کا اعتقاد واجب ہے اور اگر اس کا نہ ہونا ثابت ہو جاوے تو اس کے عدم وقوع کا اعتقاد ضروری ہے۔ مثلاً مثال مذکور میں جانچ کے بعد کہیں اس کو صحیح کہا جاوے گا کہیں غلط، اسی طرح آسمانوں کا اس طور سے ہونا جیسا جمہور اہل اسلام کا اعتقاد ہے عقلاً ممکن ہے یعنی صرف عقل کے پاس نہ تو اس کے ہونے کی کوئی دلیل ہے اور نہ نہ ہونے کی کوئی دلیل ہے، عقل دونوں احتمالوں کو تجویز کرتی ہے اس لیے عقل کو اس کے وقوع یا عدم

وقوع کا حکم کرنے کے لیے دلیل نقلی کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

چنانچہ دلیل نقلی قرآن وحدیث سے اس کے وقوع پر دلالت کرنے والی ملی۔ اس لیے اس کے وقوع کا قائل ہونا لازم اور واجب ہے اور اگر فیثا غورثی نظام کو اس کے عدم وقوع کی دلیل نقلی سمجھی جاوے تو یہ محض ناواقفی ہے کیونکہ اس کا مقتضا غایت مافی الباب یہ ہے کہ اس حساب کی درستی آسمانوں کے وجود یا حرکت پر موقوف نہیں، سو کسی امر پر موقوف نہ ہونا دلیل اس کے عدم کی نہیں۔ مثلاً کسی واقعی کام کا تحصیلدار پر موقوف نہ ہونا اس کی دلیل کب ہوسکتی ہے کہ شہر میں تحصیلدار موجود بھی نہیں، غایت ما فی الباب یہ ہے کہ اس کا ہونا تحصیلدار کی موجودگی کی بھی دلیل نہیں لیکن دوسری دلیل سے تو اس کی موجودگی پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

نمبر۳: محال عقلی ہونا اور چیز ہے اور مستبعد ﴿ جتنے بھی معجزات ہیں محال عادی (مستبعد) ہیں محال عقلی نہیں ہیں۔ لوگ محال عادی کو محال عقلی سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم کا آگ میں نہ جلنا محال عقلی نہیں۔ یہ صحیح نہیں کہ آگ ہر ایک کو ہر وقت جلاتی ہے بلکہ موثر حقیقی جب اور جس کے لیے چاہتا ہے تب آگ جلاتی ہے اور جب اور جس کے لیے مؤثر حقیقی نہ چاہے آگ نہیں جلا سکتی۔ چنانچہ سب جانتے ہیں کہ سمندر نام کا ایک جانور ہوتا ہے جو آگ میں رہتا ہے۔ مثلاً بعض لوگ اپنی غلط فہمی سے معراج کو محال عقلی سمجھتے ہیں کہ یہ مسافت اتنی تیزی سے کیسے طے کرلی؟ اگر ان سے سوال کیا جائے کہ جب ہم آفتاب کو دیکھتے ہیں (جو کہ نو کروڑ میل دُور ہے) تو ایک شعاع آنکھ سے نکل کر آفتاب تک جاتی ہے اور پھر لوٹ کر آتی ہے اور یہ سب ایک آن میں ہوتا ہے اس کو محال عقل کیوں نہیں سمجھا جاتا۔ اس ہی طرح قیامت میں ہاتھ پیر کے بولنے پر تعجب ہوتا ہے اور یہ زبان کا لوتھڑا جو ہر وقت بولا کرتا ہے اس پر تعجب کیوں نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ زبان کے بولنے کو دن رات دیکھا کرتے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ فلاں پیغمبر کے زمانہ میں پتھر سے اونٹنی پیدا ہوئی تھی۔ لوگ اس

بات کو محال عقلی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بدوں جوڑے کے کوئی پیدا نہیں ہو سکتا۔ ان کی عقل پر حیرت ہے کہ ان کو مسئلہ جیسے ذیل کے دو امور پر تعجب کیوں نہیں ہوا اور ان کو محال عقلی کیوں نہ کہا۔

(۱) مینڈک کو سکھا کر کوٹ لو، برسات کے پانی میں اس کو ڈال دو، سینکڑوں مینڈک پیدا ہو جائیں گے۔ (۲) ققنس جب گاتا ہے تو اس کی چونچ میں جو سوراخ ہوتے ہیں ان سے آگ نکلتی ہے اور ققنس جل جاتا ہے، اس راکھ پر جب بارش کا پانی پڑتا ہے تو ہزاروں ققنس پیدا ہو جاتے ہیں یہ ہونا اور چیز ہے۔ محال خلاف عقل ہوتا ہے اور مستبعد خلاف عادت، عقل اور عادت کے احکام جدا جدا ہیں، دونوں کو ایک سمجھنا غلطی ہے۔ محال کبھی واقع نہیں ہو سکتا مستبعد واقع ہو سکتا ہے، محال کو خلاف عقل کہیں گے اور مستبعد کو غیر مدرک بالعقل۔ ان دونوں کو ایک سمجھنا غلطی ہے۔

شرح

محال وہ ہے جس کے نہ ہونے کو عقل ضروری بتلاوے، اس کو ممتنع بھی کہتے ہیں جس کا ذکر مع مثال اصل موضوع نمبر ۲ میں آچکا ہے اور مستبعد وہ ہے جس کے وقوع کو عقل جائز بتلاوے مگر چونکہ اس کا وقوع کبھی دیکھا نہیں، دیکھنے والوں سے بکثرت سنا نہیں، اس لیے اس کے وقوع کو سن کر اول وہلہ میں متحیر و متعجب ہو جاوے جس کا ذکر مع مثال اصل موضوع نمبر ۱ میں کسی چیز کے سمجھ میں نہ آنے کے عنوان سے کیا گیا ہے، ان کے احکام جدا جدا ہیں کہ محال کی تکذیب و انکار محض بنا بر محال ہونے کے واجب ہے اور مستبعد کی تکذیب و انکار محض بنا بر استبعاد کے جائز بھی نہیں۔ البتہ اگر علاوہ استبعاد کے دوسرے دلائل تکذیب کے ہوں تو تکذیب جائز بلکہ واجب ہے۔ جیسا اوپر نمبر ۱ و نمبر ۲ میں مثالوں سے معلوم ہوا ہوگا کہ اگر کوئی کہے کہ ایک مساوی ہے دو کا تو اس کی تکذیب ضروری ہے اور اگر کوئی کہے کہ ریل بدون کسی جانور کے لگائے چلتی ہے تو تکذیب جائز نہیں۔

باوجودیکہ ایسے شخص کے نزدیک جس نے اب تک وہی عادت دیکھی ہو کہ جانور کو گاڑی میں لگا کر چلاتے ہیں مستبعد اور عجیب ہے بلکہ جتنے واقعات کو غیر عجیب سمجھا جاتا ہے

وہ واقع میں سب عجیب ہیں مگر بوجہ تکرار مشاہدہ والف وعادت کے ان کے عجیب ہونے کی طرف التفات نہیں رہا لیکن واقع میں یہ مستبعد اور غیر مستبعد اس میں مساوی ہیں۔

مثلاً ریل کا اس طرح چلنا اور نطفے کا رحم میں جا کر زندہ انسان ہو جانا فی نفسہ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ بلکہ دوسرا امر واقع میں زیادہ عجیب ہے مگر جس دیہاتی نے امر اوّل کو کبھی نہ دیکھا ہو اور امر ثانی کو وہ ہوش سنبھالنے ہی کے وقت سے دیکھتا آیا ہو تو ضرور وہ امر اوّل کو اس وجہ سے عجیب سمجھے گا اور امر ثانی کو باوجود یکہ وہ امر اوّل سے عجیب تر ہے، عجیب نہ سمجھے گا۔ اسی طرح جس شخص نے گراموفون سے ہمیشہ باتیں نکلتے دیکھیں مگر ہاتھ پاؤں کو باتیں کرتے نہیں دیکھا وہ گراموفون کے اس فعل کو عجیب نہیں سمجھتا اور ہاتھ پاؤں کے اس فعل کو عجیب سمجھتا ہے اور عجیب سمجھنے کا تو مضائقہ نہیں لیکن یہ سخت غلطی ہے کہ عجیب کو محال سمجھے اور محال سمجھ کر نص کی تکذیب کرے یا بلاضرورت اس کی تاویلیں کرے۔

غرض محض استبعاد کی بنا پر اس میں احکام محال کے جاری کرنا غلطی عظیم ہے۔ البتہ اگر علاوہ استبعاد کے اور کوئی دلیل صحیح بھی اس کے عدم وقوع پر قائم ہو تو اس وقت اس کی نفی کرنا واجب ہے۔ جیسا نمبر ا میں کلکتہ سے دہلی تک ایک گھنٹے میں ریل کے پہنچنے کی مثال ذکر کی گئی ہے اور اگر دلیل صحیح اس کے وقوع پر قائم ہو اور عدم وقوع پر اس درجے کی دلیل نہ ہو تو اس وقت وقوع کا حکم واجب ہوگا۔

مثلاً جب تک خبر بلا تار پہنچنے کی ایجاد شائع اور مسموع نہ ہوئی تھی اس وقت اگر کوئی اس کی خبر دیتا کہ میں نے خود اس کو دیکھا ہے تو اگر اس خبر دینے والے کا پہلے سے صادق ہونا یقیناً ثابت نہ ہوتا تو گو تکذیب کی حقیقتاً گنجائش نہ تھی۔ مگر ظاہراً کچھ گنجائش ہو سکتی تھی لیکن اگر اس کا صادق ہونا یقیناً ثابت ہوتا تو اصلاً گنجائش تکذیب کی نہیں ہو سکتی۔ یہ ہیں وہ جدا جدا احکام محال اور مستبعد کے اس بنا پر پل صراط کا بکیفیت کذائیہ گزرگاہ خلائق بننا چونکہ محال نہیں صرف مستبعد ہے اور اس کے وقوع کی مخبر صادق نے

خبر دی ہے، اس لیے اس عبور کی نفی وتکذیب کرنا سخت غلطی ہے۔ اسی طرح اس کی تاویل کرنا ایک فضول حرکت ہے۔

نمبر۴: موجود ہونے کے لیے محسوس ومشاہد ہونا لازم نہیں۔

شرح

واقعات پر وقوع کا حکم تین طور پر کیا جاتا ہے، ایک مشاہدہ جیسے ہم نے زید کو آتا ہوا دیکھا۔ دوسرے مخبر صادق کی خبر، جیسے کسی معتبر آدمی نے خبر دی کہ زید آیا اس میں یہ شرط ہوگی کہ کوئی دلیل اس سے زیادہ صحیح اس کی مکذب نہ ہو۔ مثلاً کسی نے یہ خبر دی کہ زید رات آیا تھا اور آتے ہی تم کو تلوار سے زخمی کیا تھا حالانکہ مخاطب کو معلوم ہے کہ مجھ کو کسی نے زخمی نہیں کیا اور نہ اب وہ زخمی ہے۔

پس یہاں مشاہدہ اس کا مکذب ہے اس لیے اس خبر کو غیر واقع کہیں گے۔ تیسرے استدلال عقلی جیسے دھوپ کو دیکھ کر گو آفتاب کو دیکھا نہ ہو اور نہ کسی نے اس کے طلوع کی خبر دی (مگر چونکہ معلوم ہے کہ دھوپ کا وجود موقوف ہے طلوع آفتاب پر اس لیے) عقل سے پہچان لیا کہ آفتاب بھی طلوع ہو گیا ہے۔

ان تینوں واقعات میں وجود کا حکم تو مشترک ہے لیکن محسوس صرف ایک واقعہ ہے اور باقی دو غیر محسوس ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ ضرور نہیں کہ جس امر کو واقع کہا جاوے وہ محسوس بھی ہو اور جو محسوس نہ ہو اس کو غیر واقع کہا جاوے۔ مثلاً نصوص نے خبر دی ہے کہ ہم سے جہت فوق میں سات اجسام عظام ہیں کہ ان کو آسمان کہتے ہیں اب اگر اس نظر آنے والے نیلگوں خیمہ کے سبب وہ ہم کو نظر نہ آتے ہوں تو یہ لازم نہیں کہ صرف محسوس نہ ہونے سے ان کے وقوع کی نفی کر دی جاوے بلکہ ممکن ہے کہ وہ موجود ہوں اور چونکہ مخبر صادق نے اس کی خبر دی ہے اس لیے اس کے وجود کا قائل ہونا ضروری ہوگا۔ جیسا اُصول موضوعہ نمبر۲ میں مذکور ہے۔

نمبر۵: منقولات محضہ ؎ تاریخ کی بنا نقل پر ہے کیونکہ واقعات کی بنا نقل پر ہے دُنیا

میں جتنے کاروبار ہوتے ہیں ان سب کی بنا نقل پر ہے بلکہ یہ کہہ دینا بھی غلط نہ ہوگا کہ عقل کو کوئی دخل نہیں۔ مثلاً فلاں جگہ فلاں چیز کا کارخانہ ہے، فلاں جگہ فلاں چیز سستی ملتی ہے، ان سب کی بنا نقل پر ہے، بعض نا سمجھ کہتے ہیں کہ جو چیز محسوسات سے معلوم ہو اس کے مطابق کرنا عقل کے مطابق کرنا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو چیز صحیح ذریعہ سے معلوم ہو اس پر عمل کرنا عقل کے مطابق کرنا ہے اور ذریعہ صحیحہ میں نقل بھی شامل ہے صرف مشاہدہ نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے یا نہیں؟ بھلا یہاں مشاہدہ کا کیا تعلق افلاطون کا مشاہدہ نہیں کیا پھر کیوں مانتے ہو زید بکر کا بیٹا ہے اس کا تعلق مشاہدہ سے کیا ہے۔ بہر حال معلوم ہو گیا کہ نقل بھی ذریعہ ہے صحیح بات کے مان لینے کا۔ بشرطیکہ مخبر صادق خبر دے ﴾ پر دلیل عقلی محض قائم کرنا ممکن نہیں اس لیے ایسی دلیل کا مطالبہ بھی جائز نہیں۔

شرح

نمبر ۴ میں بیان ہوا ہے کہ واقعات کی ایک قسم وہ ہے جن کا وقوع مخبر صادق کی خبر سے معلوم ہوتا ہے منقولات محضہ سے ایسے واقعات مراد ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے واقعات پر دلیل عقلی محض سے استدلال ممکن نہیں جیسا نمبر ۴ کی قسم سوم میں ممکن ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ سکندر اور دارا دو بادشاہ تھے اور ان میں جنگ ہوئی تھی۔ اب کوئی شخص کہنے لگے کہ اس پر کوئی دلیل عقلی قائم کرو۔

تو ظاہر ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا فلسفی (فلسفی بجلی کے اُس مستری کی طرح ہیں جو بجلی بنانا جانتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ کرنٹ کہاں سے آ رہا ہے) ہو لیکن بجز اس کے اور کیا دلیل قائم کر سکتا ہے کہ ایسے دو بادشاہوں کا وجود اور مقاتلہ کوئی امر محال تو ہے نہیں بلکہ ممکن ہے اور اس ممکن کے وقوع کی معتبر مورخین نے خبر دی ہے اور جس ممکن کے وقوع کی مخبر صادق خبر دیتا ہے اس کے وقوع کا قائل ہونا واجب ہے۔ جیسا نمبر ۲ میں مذکور ہوا۔ اس لیے اس واقعہ کا قائل ہونا ضرور ہے، اسی طرح قیامت کا آنا اور سب مردوں کا زندہ ہو جانا اور نئی زندگی کا دور شروع ہونا ایک واقعہ منقولِ محض بالتفسیر

المذکور ہے تو اس کے دعوے کرنے والے سے کوئی شخص دلیل عقلی محض کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ ان واقعات کا محال عقلی ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ گو سمجھ میں نہ آوے کیونکہ ان دونوں کا ایک ہونا صحیح نہیں۔ جیسا نمبر ا میں بیان ہوا ہے۔ پس ممکن ٹھہرا اور اس امر ممکن کے وقوع کی ایسے شخص نے خبر دی ہے جس کا صدق دلائل سے ثابت ہے اس لیے حسب نمبر ۲ اس کے وقوع کا قائل ہونا واجب ہوگا اور اگر ایسے واقعات کی کوئی دلیل عقلی محض بیان کی جاوے گی۔ حقیقت اس کی رفع استبعاد ہوگا جو مستدل کا تبرع محض ہے اس کے ذمہ نہیں۔

نمبر ۶: نظیر اور دلیل جس کو آج کل ثبوت کہتے ہیں ایک نہیں اور مدعی سے دلیل کا مطالبہ جائز ہے مگر نظیر کا مطالبہ جائز نہیں۔

شرح

مثلاً کوئی شخص دعویٰ کرے کہ شاہ جارج پنجم نے تخت نشینی کا دربار دہلی میں منعقد کیا اور کوئی شخص کہے کہ ہم تو جب مانیں گے جب کوئی اس کی نظیر بھی ثابت کرو کہ اس کے قبل کسی اور بادشاہ انگلستان نے ایسا کیا ہو اور اگر نظیر نہ لاسکو تو ہم اس واقعہ کو غلط سمجھیں گے تو کیا اس مدعی کے ذمے کسی نظیر کا پیش کرنا ضرور ہوگا یا یہ کہنا کافی ہوگا کہ گو اس کی نظیر ہم کو معلوم نہیں لیکن ہمارے پاس اس واقعہ کی دلیل صحیح موجود ہے کہ مشاہدہ کرنے والے آئے ہیں یا اگر مقام گفتگو پر کوئی مشاہدہ کرنے والا نہ ہو تو یوں کہنا کافی ہوگا کہ اخباروں میں چھپا ہے، کیا اس دلیل کے بعد پھر اس واقعہ کے ماننے کے لیے نظیر کا بھی انتظار ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ قیامت کے روز ہاتھ پاؤں کلام کریں گے تو اس سے کسی کو نظیر مانگنے کا حق نہیں اور نہ نظیر پیش نہ کرنے پر کسی کو اس کی تکذیب کا حق حاصل ہے۔

البتہ دلیل کا قائم کرنا اس کے ذمے ضروری ہے اور چونکہ وہ منقول محض ہے اس لیے حسب نمبر ۵ اس قدر استدلال کافی ہے کہ اس کا محال ہونا ثابت نہیں اور مخبر صادق نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے۔ لہٰذا اس کے وقوع کا اعتقاد واجب ہے۔ البتہ اگر مستدل کوئی نظیر

بھی پیش کردے تو یہ اس کا تبرع و احسان ہے۔ مثلاً گراموفون کو اس کی نظیر میں پیش کردے کہ باوجود جمادِ محض ہونے کے اس سے کس طرح الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ آج کل یہ ظلم ہے کہ نوتعلیم یافتہ ہر منقول کی نظیر مانگتے ہیں۔ سو سمجھ لیں کہ یہ التزام مالا یلزم ہے۔

نمبر ۷: دلیل عقلی و نقلی میں تعارض کی چار صورتیں عقلاً محتمل ہیں۔

ایک یہ کہ دونوں قطعی ہوں اس کا کہیں وجود نہیں، نہ ہوسکتا ہے اس لیے کہ صادقین میں تعارض محال ہے۔ دوسرے یہ کہ دونوں ظنی ہوں، وہاں جمع کرنے کے لیے گو ہر دو میں صرف عن الظاہر کی گنجائش ہے مگر لسان کے اس قاعدہ سے کہ اصل الفاظ میں حمل علی الظاہر ہے نقل کو ظاہر پر رکھیں گے اور دلیل عقلی کی دلالت کو حجت نہ سمجھیں گے۔ تیسرے یہ کہ دلیل نقلی قطعی ہو اور عقلی ظنی ہو۔ یہاں یقیناً نقلی کو مقدم رکھیں گے۔ چوتھے یہ کہ دلیل عقلی قطعی ہو اور نقلی ظنی ہو ثبوتاً یا دلالۃً یہاں عقلی کو مقدم رکھیں گے نقلی میں تاویل کریں گے۔ پس صرف یہ ایک موقع ہے درایت کی تقدیم کا روایت پر نہ یہ کہ ہر جگہ اس کا دعویٰ یا استعمال کیا جاوے۔

شرح

دلیل عقلی کا مفہوم ظاہر ہے اور دلیل نقلی مخبر صادق کی خبر کو کہتے ہیں جس کا بیان نمبر ۴ میں ہوا ہے اور تعارض کہتے ہیں دو حکموں کا ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح خلاف ہونا کہ ایک کے صحیح ماننے سے دوسرے کا غلط ماننا ضروری ہو جیسے ایک شخص نے بیان کیا کہ آج زید دس بجے دن کو دہلی کی ٹرین میں سوار ہوگیا۔ دوسرے نے بیان کیا کہ آج گیارہ بجے زید میرے پاس میرے مکان میں آ کر بیٹھا رہا۔ اس کو تعارض کہیں گے چونکہ تعارض میں ایک کے صحیح ہونے کے لیے دوسرے کا غلط ہونا لازم ہے اور اس لیے دو صحیح دلیلوں میں کبھی تعارض نہ ہوگا اور جب دو دلیلوں میں تعارض ہوگا، اگر وہ دونوں قابل التسلیم ہیں تب تو ایک میں کچھ تاویل کریں گے یعنی اس کو اس کے ظاہری مدلول سے ہٹا دیں گے اور اس طور سے اس کو بھی مان لیں گے اور دوسری کو اس

کے ظاہر پر رکھ کر اس کو مانیں گے اور اگر ایک قابل تسلیم اور ایک غیر قابل تسلیم ہے تو ایک کو تسلیم دوسرے کو ردّ کر دیں گے۔ مثلاً مثال مذکور میں اگر ایک راوی معتبر اور دوسرا غیر معتبر ہے تو معتبر کے قول تسلیم اور غیر معتبر کے قول کو ردّ کر دیں گے۔

اور اگر دونوں معتبر ہیں تو دوسرے قرائن سے جانچ کر کے ایک کے قول کو مانیں گے دوسرے کے قول میں کچھ تاویل کر لیں گے۔ مثلاً اور شہادتوں سے بھی ثابت ہوا کہ زید دہلی نہیں گیا تو یوں کہیں گے کہ اس کو شبہ ہوا ہوگا یا سوار ہو کر پھر واپس آ گیا ہوگا اور اس کو واپسی کی اطلاع نہیں ہوئی۔ وَنَحْوَ ذٰلِکَ

جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھنا چاہیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دلیل نقلی و عقلی میں ظاہراً تعارض ہوتا ہے تو اسی قاعدہ کے موافق یہ دیکھیں گے کہ (الف) دونوں دلیلیں قطعی و یقینی ہیں یا (ب) دونوں ظنی ہیں یا (ج) نقلی قطعی ہے اور عقلی ظنی یا (د) عقلی قطعی ہے اور نقلی ظنی خواہ ثبوتاً یا دلالۃً یعنی نقلی کے ظنی ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ثبوتاً ظنی ہو یعنی مثلاً کوئی حدیث ہے جس کا ثبوت سند متواتر یا مشہور سے نہیں۔

دوسرے یہ کہ دلالۃً ظنی ہو گو ثبوتاً قطعی ہو یعنی مثلاً کوئی آیت ہے کہ ثبوت تو اس کا قطعی ہے مگر اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں اور ان میں سے جس معنی کو بھی لیا جاوے گا۔ اس آیت کی دلالت اس معنی پر قطعی نہیں یہ معنی ہیں دلالۃً ظنی ہونے کے۔ یہ چار صورتیں تعارض کی ہوئیں۔ پس صورت (الف) کہ دونوں ثبوتاً و دلالۃً قطعی ہوں اور پھر متعارض ہوں اس کا وجود محال ہے کیونکہ دونوں جب یقیناً صادق ہیں تو دو صادق میں تعارض کیسے ہو سکتا ہے جس میں دونوں کا صادق ہونا غیر ممکن ہے کوئی شخص قیامت تک اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتا اور صورت (ب) میں چونکہ دلیل نقلی مظنون الصدق کے ماننے کے وجوب پر دلائل صحیحہ قائم ہیں جو اُصول و کلام میں مذکور ہیں اور دلیل عقلی مظنون الصدق کے ماننے کے وجوب پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں۔ اس لیے اس وقت دلیل نقلی کو مقدم رکھیں گے اور دلیل عقلی کو غلط سمجھیں گے اور اس کا مظنون ہونا خود ہی

معنی رکھتا ہے کہ ممکن ہے کہ غلط ہو تو اس کے غلط ماننے میں بھی کسی حکم عقلی کی مخالفت نہیں کی گئی اور اگر چہ اس صورت میں دلیل نقلی کے ماننے کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی تھی کہ اس کے ظاہری معنی سے اس کو پھیر لیتے مگر چونکہ تاویل بلا ضرورت خود ممنوع ہے اور یہاں کوئی ضرورت تھی نہیں اس لیے اس طریق کا اختیار کرنا شرعاً ناجائز اور بدعت اور عقلاً غیر مستحسن ہے جیسا اوپر غیر مستحسن ہونے کی وجہ بیان کر دی گئی۔

بقولہ اس کا مظنون ہونا الیٰ قولہ مخالفت نہیں کی گئی اور صورت (ج) کا حکم بدرجہ اولیٰ مثل صورت (ب) کے ہے کیونکہ جب دلیل نقلی باوجود ظنی ہونے کے عقلی ظنی سے مقدم ہے تو دلیل نقلی قطعی تو بدرجۂ اولیٰ عقلی ظنی پر مقدم ہوگی اور صورت (د) میں دلیل عقلی کو تو اس لیے نہیں چھوڑ سکتے کہ قطعی الصحۃ ہے اور نقلی گو ظنی ہے مگر چونکہ نقلی ظنی کے قبول کے وجوب پر بھی دلائل صحیحہ قائم ہیں۔ جیسا صورت (ب) میں بیان ہوا اس لیے اس کو بھی نہیں چھوڑ سکتے۔

پس اس صورت میں نقلی ظنی میں تاویل کر کے اور عقل کے مطابق کر کے اس کو قبول کریں گے اور یہی خاص موقع ہے اس دعوے کا کہ درایت (درایت سے مراد دلیل عقلی ۱۲) مقدم ہے روایت پر اور صورت (ب) و (ج) میں دعویٰ و استعمال جائز نہیں جب مدلل و مفصل دونوں صورتوں میں اس کا بیان ہو چکا اور ایک پانچویں اور چھٹی صورت اور نکل سکتی تھی کہ دلیل نقلی ظنی اور عقلی وہمی وخیالی ہو یا دلیل نقلی قطعی اور عقلی وہمی وخیالی ہو مگر ان کا حکم بہت ہی ظاہر ہے کہ نقلی کو مقدم اور عقلی کو متروک کہا جاوے گا کیونکہ جب عقلی باوجود مظنون ہونے کے مؤخر و متروک ہے تو وہمی وخیالی تو بدرجۂ اولیٰ۔ اس کی نظیر کا صورت (ج) کے حکم میں بیان ہوا ہے۔

یہ تفصیل ہے تعارض بین الدلائل العقلیہ والنقلیہ کے حکم کی۔ یہاں سے غلطی ظاہر ہو گئی ان لوگوں کی جو مطلقاً دلیل عقلی کو اصل اور نقل کو تابع قرار دیتے ہیں۔ گو وہ عقلی ظنی بھی نہ ہو محض وہمی وخیالی ہو اور گو وہ نقلی قطعی ہی ہو۔

مثال صرف (ب) اور (د) کی ذکر کرتا ہوں کیونکہ صورت (الف) تو واقع ہی نہیں ہوسکتی اور (ج) کا حکم مثل (ب) کے بدرجۂ اولیٰ ہونا مذکور ہوچکا اس لیے ان ہی دو کی مثالیں کافی ہیں۔ (مثال ب) آفتاب کیلئے حرکت اینیہ ثابت ہے۔ بظاہر قولہ تعالیٰ "وَهُوَ الَّذِیْ خلق اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِی فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ" اور بعض حکما آفتاب کی حرکت صرف محور پر مانتے ہیں جس پر کوئی دلیل قطعی قائم نہیں۔

پس حرکت "اینیہ" کا قائل ہیں اور بعض حکماء کے قول کا ترک کر دینا واجب ہوگا۔ مثال (د) دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ آفتاب زمین سے منفصل ہے، اپنی حرکت کی کسی حالت میں زمین سے اس کا مس نہیں ہوتا اور قرآن مجید کے ظاہر الفاظ "وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ" سے قبل غور متوہم ہوسکتا ہے کہ آفتاب ایک کیچڑ کے چشمہ میں غروب ہوتا ہے اور یہ ظاہر محمول ہوسکتا ہے وجدان فی بادی النظر پر۔ پس آیت کو اس پر محمول کیا جاوے گا۔ یعنی دیکھنے میں ایسا معلوم ہوا کہ گویا ایک چشمہ میں غروب ہورہا ہے جس طرح سمندر کے سفر کرنے والوں کو ظاہر نظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آفتاب سمندر میں غروب ہورہا ہے۔ واللہ اعلم

انتباہِ اوّل متعلق حدوثِ مادّہ

سائنس کے اتباع و اعتقاد سے مسلمانوں کو عقیدۂ توحید میں جو کہ اساس اعظم اسلام کا ہے دو سخت غلطیاں واقع ہوئیں اور ان غلطیوں کے سبب یہ معتقدین نہ سائنس کے پورے متبع رہے اور نہ اسلام کے۔ چنانچہ عنقریب معلوم ہوتا ہے ایک غلطی تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت مخصوصہ قدم میں ایک دوسری چیز کو شریک کیا یعنی مادہ کو بھی قدیم مانا اور حکمائے یونانیین بھی اس غلطی میں شریک ہیں مگر ان کے پاس تو کچھ ٹوٹی پھوٹی دلیل بھی تھی گو اس میں ایک لفظی تلبیس سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ میں وہ دلیل بھی مذکور ہے اور احقر نے درایۃ العصمۃ میں اس کا باطل ہونا بھی دکھلا دیا ہے اور اہل سائنس (آج کل بعض کج فہم اہل سائنس سے مرعوب ہیں لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ محقق تھے وہ خوب جانتے تھے کہ اہل سائنس کی بہ نسبت فلاسفہ کی بات وزنی ہوتی ہے۔ یہاں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو بھی بے نقاب کر دیا ہے) متعارف کے پاس اس درجے کی بھی کوئی دلیل نہیں۔ مثل دیگر دُعاوی کے اس میں بھی محض تخمین کی حکمت سے کام لیا ہے یعنی یہ خیال کیا ہے کہ یہ سب مکونات وجودہ اگر محض معدوم تھیں تو عدم محض سے وجود ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا۔

لیکن خوب غور کرنا چاہیے کہ کسی چیز کا سمجھ میں نہ آنا کیا اس کے باطل ہونے کی دلیل بن سکتی ہے۔ سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتا کہ ایک ایسی موجود چیز یعنی مادہ جس کے تمام انحاء وجود یعنی تغیرات مادی میں سے ہر تغیر مسبوق بالعدم ہے اس کا نفس وجود مسبوق بالعدم نہ ہو آخر ان وجودات اور اس وجود میں فرق کیا ہے۔ پس سمجھ میں نہ آنا

تو قدم اور عدم قدم میں مشترک اور قدم میں اتنی اور افزونی ہے کہ اس کے بطلان پر خود مستقل دلیل بھی قائم ہے اور وہ دلیل سائنس حال کے مقابلے میں تو بہت آسانی سے چلتی ہے اور تھوڑے ہی عمل سے سائنس قدیم کے مقابلے میں بھی کام دیتی ہے۔

وجہ یہ کہ سائنس حال میں مادہ قدیمہ کو ایک مدت تک صورت جسمیہ سے خالی مانا گیا ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مادہ کا تجرد صورت سے محال ہے کیونکہ مادہ کی حقیقت ایک شے کا وجود بالقوہ ہے اور جس سے فعلیت ہوتی ہے۔ وہ صورت ہے اور ظاہر ہے کہ وجود بالقوہ قابلیت وجود کی ہے پس مادہ کو بلا صورت کے موجود کہنا درحقیقت اجتماع متنافیین کا قائل ہونا ہے کہ وجود بالفعل ہے بھی اور وجود بالفعل نہیں بھی ہے۔

پس اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ خود مادہ موجود ہی نہ ہوتا بقدم چہ رسد اور اگر فلسفۂ قدیم کے اتباع سے مادہ میں کوئی صورت بھی مان لی جاوے تو یہ ظاہر ہے کہ کوئی صورت جسمیہ بدون صورت نوعیہ کے اور کوئی صورت نوعیہ بدون صورت شخصیہ کے متحقق نہیں ہوسکتی۔ پس جب کوئی صورت اس مادہ میں مانی جاوے گی۔

لامحالہ وہاں صورت شخصیہ بھی ہوگی اور صورت شخصیہ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ پس جب صورت شخصیہ متاخرہ اس پر آئی دو حال سے خالی نہیں یا تو پہلی صورت شخصیہ بھی باقی رہے گی یا زائل ہو جاوے گی۔ اگر باقی رہی تو شخص کا شخص ہونا صورت شخصیہ سے ہے۔ جب دو صورت شخصیہ ہوئیں تو وہ دو شخص ہو گئے۔

پس لازم آیا کہ شخص واحد دو شخص ہو جاوے اور یہ محال ہے اور اگر زائل ہو گئی تو وہ قدیم نہ تھی اس لیے کہ قدیم کا زوال ممتنع ہے۔ پس وہ حادث ہوئی اور اس سے پہلے جو صورت شخصیہ تھی اسی دلیل سے وہ بھی حادث ہو گئی۔ پس جب تمام افراد صورت شخصیہ کے حادث ہوئے تو مطلق صورت شخصیہ بھی حادث اور مسبوق بالعدم ہوئی اور جب وہ معدوم ہوگی اس وقت صورت نوعیہ معدوم ہوگی اور اس کے معدوم ہونے سے صورت جسمیہ (دو جوہر اس میں اس طرح ملے ہوں کہ ایک محل ہو رہا ہو، دوسرا حال

ہو رہا ہو جو جوہر محل ہو رہا ہے اس کا نام ہیولی اور جو جوہر حال ہو رہا ہے اس کا نام صورت جسمیہ ہے) معدوم ہوگی اور اس کے معدوم ہونے سے مادہ معدوم ہوگا۔

پس قدم باطل ہوا اور عدم سے وجود میں آنا جو سمجھ میں نہیں آتا اس کا نام استبعاد ہے استحالہ نہیں اور مستبعدات وقوع سے آبی (آبی یعنی انکار کرنے والا) نہیں اور ان دونوں میں خلط ہونا بہت سی غلطیوں کا سبب ہے اور اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ عقیدۂ قدم مادہ اسلام کے خلاف ہے اور سائنس حال کے، اس لیے کہ اہل سائنس خود خدا ہی کے قائل نہیں اس لیے میں نے کہا تھا کہ یہ متبعین دونوں کے خلاف ہوئے۔

اور حقیقت میں اگر غور صحیح کیا جاوے قدم مادہ کے مانتے ہوئے پھر خود صانع ہی کی ضرورت نہیں رہتی کیوں کہ جب اس کی ذات اس کے وجود کی علت ہے تو وہ واجب الوجود ہوگیا اور ایک واجب الوجود کا دوسرے واجب الوجود کی طرف محتاج ہونا خود خلافِ عقل ہے جو تعلق حق تعالیٰ کا اپنی صفات اور افعال سے ہے وہی تعلق اس کا اپنی صفات حرکت وحرارت اور اپنے افعال تنوعات وغیرہ سے ہوسکتا ہے۔

پس خدائے برحق کا قائل ہونا خود موقوف ہے حدوث مادہ پر اور اگر قدیم بالذات اور قدیم بالزمان میں فرق نکالا جاوے تو اس کی گفتگو فلاسفہ قدیم سے علم کلام قدیم میں طے ہوچکی ہے چونکہ اس وقت کے فلاسفہ اس کے قائل نہیں اس لیے اس سے طی کشح (طی کشح یعنی پہلوتہی) کیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اجزائے مادہ کو مع الصورت قدیم مانے اور اس صورت کو صور متاخرہ کے ساتھ بھی مجتمع مانے اس طرح سے کہ وہ بشکل چھوٹے چھوٹے ذرّوں کے تھا جن میں قسمت عقلیہ ووہمیہ ممکن ہے مگر قسمت فکیہ ممکن نہیں جیسا دیمقراطیسن بھی ایسے اجزاء کا قائل ہوا ہے یا اس کو مع الصورت متصل واحد مان کر اس میں اجزاء تحلیلیہ کا قائل ہو تو ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ ذرّات یا اجزاء قدیم ہوں گے تو اس وقت متحرک تھے یا ساکن اگر متحرک تھے تو حرکت ان کی قدیم تھی اور اگر ساکن تھے تو ان کا سکون قدیم تھا اور اس وقت ہم بعض اجسام کو

متحرک دیکھتے ہیں جس کی حرکت سے وہ اجزاء بھی متحرک ہیں جس سے سکون زائل ہوگیا اور بعض اجسام کو ہم ساکن دیکھتے ہیں جس کے سکون سے وہ اجزاء بھی ساکن ہیں۔ بہرحال حرکت وسکون دونوں کے زوال کا مشاہدہ کررہے ہیں اور قدیم کا زائل ہونا محال ہے۔ پس ان اجزاء کی حرکت یا سکون کا قدیم ہونا محال ہوا اور اجزاء ان دو سے خالی نہیں ہوسکتے۔ پس ثابت ہوگیا کہ خود وہ اجزاء بھی قدیم نہیں ہیں اور اگر مادہ کے حدوث پر حق تعالیٰ کا تصرف فی العدم سمجھ میں نہیں آتا تو اوّل تو محض استبعاد وقیاس الغائب علی الشاہد ہے اور پھر یہی کب سمجھ میں آتا ہے کہ ایک متغیر چیز قدیم ہو۔

پس سمجھ میں نہ آنا دونوں میں مشترک ہوا اس لیے یہ بھی قابل احتجاج نہیں۔ غرض قدم بلاشبہ بلاغبار باطل ومحال رہا اور اگر ہم ان سب دلائل سے قطع نظر کرکے قدم کو محال نہ بھی کہیں مگر وجود قدم کی بھی کوئی دلیل نہیں تو قدم وعدم دونوں علی سبیل التساوی محتمل رہیں گے۔

پس اس صورت میں عقلاً دونوں شقوں کا قائل ہونا ممکن رہے گا لیکن ایسے اُمور میں جو محتمل الطرفین ہوں اگر مخبر صادق ایک شق کو متعین فرمادے تو اس کا قائل ہونا واجب ہوجاتا ہے اور یہاں حدوث کی شق کو متعین فرمادیا ہے۔ "قال تعالٰی بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکن مَّعَہ شَیْءٌ" پس نقلی طور پر بھی اس کا قائل ہونا واجب ہوگا۔ یہ پہلی غلطی کا بیان تھا اور وہ دوسری غلطی آگے آتی ہے۔

انتباہِ دوم متعلق تعمیم قدرتِ حق

سائنس کے اتباع سے مسلمانوں میں دو غلطیاں واقع ہوگئی ہیں۔ پہلی غلطی کا بیان ہو چکا ہے۔ اب یہاں دوسری غلطی کا بیان ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ایک صفت کمال (عموم قدرت) کی نفی کرنا۔ نو تعلیم یافتہ کہتے ہیں کہ خلاف فطرت کوئی امر واقع نہیں ہوسکتا اور اس طرح معجزات وغیرہ کا انکار کر دیتے ہیں۔

مثلاً نئے تعلیم یافتہ لوگوں کا دعویٰ ہے جو کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خلاف فطرت کوئی امر واقع نہیں ہوسکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ آگ کی فطرت جلا دینا ہے۔ لہٰذا یہ واقعہ غلط ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا۔

جواب اوّل: بات یہ ہے کہ آگ کے بھی احوال واقعی کو یہ لوگ نہیں جانتے۔ موجودہ سائنس دان یہاں تک پہنچے ہیں کہ ایک خاص قسم کی گیس اگر آگ سے نکال لی جائے تو آگ نہیں جلاتی۔ بہر حال اتنا تو ثابت ہوا کہ کچھ حالات ایسے بھی ہیں جن میں آگ نہیں جلاتی لیکن پوری حقیقت تک یہ سائنس دان نہیں پہنچے۔ سائنس دان اس گیس کو مؤثر حقیقی سمجھ بیٹھے حالانکہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ خلاصہ یہ کہ حالات واقعی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی جان نہیں سکتا اس لیے کسی کے حالات واقعی ہم اس وقت جان سکیں گے جب اللہ تعالیٰ بتا دے۔ لہٰذا محال بھی وہی قرار پائے گا جس کو اللہ تعالیٰ قرار دے دے۔

نوٹ: اصل میں فلسفی اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی فلسفی نہیں قرار پا سکتا، اس لیے اس کو حکیم مطلق کہتے ہیں۔

جواب نمبر ۲: یہ دعویٰ ہے نہ کہ دلیل۔ دلیل جب طلب کرتے ہیں تو وہ

یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا۔ قاعدہ ہے کہ کسی چیز کا کسی کے مشاہدے میں نہ آنا اس کے عدم وجود کی دلیل نہیں۔ اگر کسی نے امریکہ نہ دیکھا ہو تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ امریکہ موجود نہیں ہے۔

جواب نمبر ۳: یہ دعویٰ ہے نہ کہ دلیل۔ دلیل جب طلب کرتے ہیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا۔ یہ دلیل ہو نہیں سکتی اس لیے کہ اس کا حاصل استقراء ناقص ہے۔ استقراء ناقص مفید ظن ہوتا ہے جہاں اقویٰ دلیل معارض نہ ہو، جو چیز مفید ظن ہو اس میں جانب مخالف کے امکان کی نفی ثابت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہاں اس کی نفی امکان ثابت نہیں ہے کہ خلاف فطرت کوئی امر واقع ہو سکتا ہے اور کوئی مستقل دلیل لائیے جس سے اس کی نفی ہو جائے کہ خلاف فطرت کوئی امر واقع ہو سکتا ہے۔ لہٰذا نفی امکان کے لیے مستقل دلیل درکار ہے۔

چونکہ نفی امکان (خلاف فطرت کوئی امر واقع نہ ہو سکتا ہے) پر کوئی مستقل دلیل موجود نہیں ہے اور خلاف فطرت بات کے واقع ہو جانے پر دلیل قوی موجود ہے۔ لہٰذا اقوی کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا اور اس کے مقابلہ میں جو ظن ہے اس کا کوئی اثر نہ رہے گا۔

نوٹ: اس کی چند مثالیں کہ جس سے یہ پتہ چلے کہ استقراء کبھی بھی کامل نہیں ہوتا۔

الف: زید نے بہت سے انسانوں پر نظر کی کہ جس کے یہاں بچہ ہوا انسان پیدا ہوا۔ زید نے یہ قاعدہ کلیہ نکال لیا کہ انسان کے یہاں انسان ہی پیدا ہوتا ہے حالانکہ دیکھا گیا ہے کہ انسان کے یہاں کبھی بندر بھی پیدا ہوتا ہے کبھی اور دوسرے جانور بھی پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ استقراء ناقص قرار پایا۔

ب: بہت سی چیزوں کو دیکھا کہ دور سے دیکھنے سے چھوٹی نظر آتی ہیں۔ پس جزئیات سے کلیہ نکال لیا کہ ہر چیز دور سے دیکھنے میں چھوٹی نظر آتی ہے اس کو استقراء تام سمجھا مگر حقیقت میں استقراء تام یہ بھی نہ تھا کیونکہ آگ دور سے دیکھنے میں زیادہ نظر آتی ہے۔

جواب نمبر ۴: محال عقلی اور چیز ہے محال عادی اور چیز ہے، لوگ محال عادی کو محال عقلی سمجھ لیتے ہیں۔ نقلی دلیل نئے تعلیم یافتہ یہ ذکر کرتے ہیں ”لَنْ تَجِدَ

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا" سنت سے ہر سنت مراد نہیں خاص سنت مراد ہے جو بقرینہ سیاق و سباق خاص اُمور میں جن کا حاصل حق کا غلبہ ہے باطل ہے۔

باطل پر حق ہمیشہ غالب رہا ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوگی اور اگر تبدیل کے فاعل میں عموم مراد لیا جائے تو تبدیل کا فاعل غیر اللہ ہے یعنی خدائے تعالیٰ کے معمول کو کوئی دوسرا شخص نہیں بدل سکتا۔ انتباہ دوم پر یہ لوگ ایک تیسری دلیل دیتے ہیں جو مرکب ہے۔

۲: مقدمات سے ایک مقدمہ عقلی اور ایک مقدمہ نقلی۔

مقدمہ عقلی: یہ کہ عادت اللہ ایک وعدہ فعلی ہے۔

مقدمہ نقلی: اور نص سے ثابت ہے کہ اللہ جو وہ کرتا ہے پورا کرتا ہے۔

ہمیں دوسرا مقدمہ تسلیم ہے پہلا مقدمہ مسلم نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں ہر سال بارش ہوتی ہے لیکن کسی سال نہیں بھی ہوتی ہے۔ اگر عادت وعدہ تھا تو اس وعدہ کے خلاف کیوں ہوا؟

اعتراض معترض: یہ عادت کے خلاف اس لیے نہیں تھا کہ اصل عادت اسباب طبعیہ پر آثار کا مرتب کرنا تھا، جب پانی والے بادل آسمان پر ہوں گے تب بارش ہوگی، جب بادل نہ ہوں گے بارش نہ ہوگی، عادت اللہ یہ ہے۔

جواب: اسباب طبعیہ محتاج ہیں تصرف قدرت اور تعلق ارادہ کے یہ ہمارے اور آپ کے درمیان مسلم ہے چونکہ وجود خدا کے آپ بھی قائل ہیں۔ نتیجہ نکلا کہ قدرت و ارادہ سے تصرف کرنا اصل عادت ہے۔ لہٰذا اسباب طبعیہ میں قدرت و ارادہ سے تصرف کرے گا۔

معترض جو یہ کہتے ہیں کہ عادت وعدہ فعلی ہے اس عادت کو اگر وہ وعدہ فعلی بھی قرار دے دیں تب بھی کوئی نقصان نہیں۔ مثلاً پتھر سے بچہ ہونا صورتاً خلاف عادت ہے لیکن حقیقتاً خلاف عادت نہیں اس لیے کہ عادت کہتے ہیں قدرت و ارادے سے تصرف کرنے کو۔

پہلی مذکور غلطی کا حاصل خدائے تعالیٰ کی ایک مخصوص صفت کا دوسرے کے لیے اثبات تھا اور اس دوسری غلطی کا حاصل خدائے تعالیٰ کی ایک صفت کمال کو خدائے تعالیٰ سے نفی کر دینا ہے اور وہ صفت کمال عموم قدرت ہے کیونکہ اس زمانے کے نو تعلیم یافتوں کی زبان اور قلم پر یہ جملہ جاری دیکھا جاتا ہے کہ خلاف فطرت کوئی امر واقع نہیں

ہوسکتا اور اس کی دو تقریریں کی جاتی ہیں کبھی عقلی رنگ میں اور کبھی نقلی پیرایہ میں۔

عقلی رنگ یہ ہے کہ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ آگ ہمیشہ جلاتی ہے، کبھی اس کے خلاف نہیں دیکھا ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے کبھی اس کے خلاف نہیں دیکھا۔

پس اس قاعدہ کے خلاف جو ہوگا وہ محال ہے اور اسی بناء پر معجزات سے کہ خوارق عادت ہیں انکار کر دیا، بعض سے تو صریحاً کہ اس حکایت ہی کی تکذیب کر دی اور جہاں واقعہ کی تکذیب بوجہ منصوص قطعی ہونے کے نہ ہو سکی وہاں در پردہ انکار کیا کہ تاویل باطل سے کام لیا اور جب معجزات کے ساتھ یہ معاملہ کیا تو کرامات اولیاء تو کسی شمار میں نہیں اور مبنیٰ اس تمام کا وہی اعتقادِ استحالہ خلافِ فطرت ہے۔ صاحبو! ظاہر ہے کہ یہ استحالہ ایک دعویٰ ہے دعوے کے لیے دلیل کی حاجت ہے۔ محض یہ امر دلیل ہونے کے قابل نہیں کہ ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا اس لیے کہ اس کا حاصل استقراء ہے اور استقراء میں چند جزئیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ان سے دوسری جزئیات پر استدلال کرنا قطعی نہیں ہوسکتا۔ البتہ مرتبۂ ظن میں دوسری جزئیات کے لیے بھی اس حکم کو ثابت کہہ سکتے ہیں لیکن یہ ظن وہاں حجت ہوگا جہاں اس سے اقویٰ دلیل اس کی معارض نہ ہو اور وہاں بھی محض دوام کا حکم درجۂ ظن میں ہوگا۔ دوام سے ضرورت یعنی سلب امکان عن الجانب المخالف ثابت نہیں ہوسکتا نفی امکان کے لیے مستقل دلیل درکار ہے اور جہاں اقویٰ دلیل معارض ہو وہاں اس ظن کا اتنا بھی اثر نہ رہے گا بلکہ اس اقوی پر عمل ہوگا۔

پس جب نفی امکان کی کوئی دلیل نہیں اور دلیل اقویٰ بعض جزئیات کے لیے اس حکم کے خلاف حکم ثابت ہونے پر قائم ہے، پھر کیا وجہ کہ اس اقویٰ کو حجت نہ سمجھا جائے یا اس میں تاویل بعید کا ارتکاب کیا جاوے کیونکہ تاویل میں صَرف عن الظاہر ہوتا ہے اس لیے بلا ضرورت اس کا ارتکاب نہیں کیا جاتا اور یہاں ضرورت ہے نہیں پھر کیوں تاویل کی جاوے ورنہ یوں تو ہر چیز میں ایسے احتمالات پیدا کر کے کسی عبارت کسی شہادت کو حجت نہیں کہا جاسکتا۔ دوسرا پیرایہ اس دعوے کی دلیل کا نقل ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا" صاحبو! اس دلیل صحیح سے استدلال کا صحیح ہونا موقوف ہے دوام پر، ایک یہ کہ سنت سے مراد ہر سنت ہے۔

دوسرے یہ کہ تبدیل کے فاعل میں عموم ہے، خدا اور غیر خدا دونوں کو شامل ہے حالانکہ دونوں دعووں پر کوئی دلیل نہیں۔ ممکن بلکہ واقع بھی ہے کہ سنت سے مراد بقرینۂ سیاق وسباق خاص خاص اُمور ہیں جو ان آیات میں مذکور ہیں جن کا حاصل حق کا غلبہ ہے باطل پر خواہ بالبرہان یا بالسنان اور اگر اس میں عموم لیا جاوے تو تبدیل کا فاعل غیر اللہ ہے یعنی خدائے تعالیٰ کے معمول کو کوئی دوسرا شخص نہیں بدل سکتا جیسے دُنیا میں بعض احکام شاہی میں کسی جماعت کی شورش وغیرہ بعض اوقات سنگِ راہ ہو جاتی ہے۔

مقصود اس سے توثیق ہوگی وعدہ و وعید کی اور ایک تیسری تقریر اس مدعا کی اور بھی سنی گئی ہے جو مرکب ہے عقلی و نقلی سے وہ یہ کہ عادت اللہ ایک وعدہ فعلی ہے اور وعدے میں تبدیلی بالنص محال ہے۔ پہلا مقدمہ عقلی ہے دوسرا نقلی، سو دوسرا مقدمہ تو بلا استثناء صحیح ہے لیکن پہلا مقدمہ مسلّم نہیں موسم بارش میں بارش ہوتے ہوئے جب کبھی اوّل بار امساک باراں ہوا ہوگا جب تک کہ اس کی عادت بھی نہ تھی کیونکہ عالم کا حادث ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے تو اگر وہ عادتِ وعدہ تھا تو اس وعدے میں خلاف کیسے ہو گیا؟ تنوعات سب حادث ہیں جب مادہ میں اوّل نوع پیدا ہوئی ہے اور مدت تک اسی نوع کے افراد پیدا ہوتے رہے تو یہی عادت ہو گئی تھی۔

پھر دوسری نوع کے افراد کیوں پیدا ہونے لگے خواہ بطور ارتقاء جیسا کہ اہل سائنس قائل ہیں یا بطور نشو جیسا کہ اہل حق کی تحقیق ہے۔ اگر کہا جاوے کہ یہ عادت کے خلاف اس لیے نہیں تھا کہ اصل عادت اسباب طبعیہ پر آثار کا مرتب کرنا تھا اور یہ سب اس عادت میں داخل ہے تو ہم کہیں گے کہ چونکہ اسباب طبعیہ خود تصرف قدرت وتعلق ارادہ کے محتاج ہیں اس لیے اس اصل کی بھی ایک اصل دوسری نکلے گی۔ یعنی قدرت وارادہ سے تصرف کرنا پس اصل عادت اس کو کہیں گے۔ سو یہ خلاف سائنس واقع ہونے میں بھی محفوظ ہے اس اعتبار سے خلاف عادت بھی موافق عادت کے ہو گیا باعتبار صورت کے خلاف عادت کہنا صحیح ہے اور باعتبار حقیقت کے موافق عادت کہنا درست ہے۔ پس واقعات کے انکار یا تحریف کی کون سی ضرورت ہوئی۔

اِنتباہ سوم متعلق نبوت

اس مادہ میں چند غلطیاں واقع ہو رہی ہیں اوّل وحی کی حقیقت میں جس کا حاصل بعض مدعیان اجتہاد نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض میں فطرۃً اپنی قوم کی بہبودی و ہمدردی کا جوش ہوتا ہے اور اس جوش کے سبب اُس پر اسی کے تخیلات غالب رہتے ہیں، اس غلبہ تخیلات سے بعضے مضامین کو اس کا متخیلہ مہیا کر لیتا ہے اور بعض اوقات اسی غلبہ سے کوئی آواز بھی مسموع ہوتی ہے اور بعض اوقات اسی غلبہ سے کوئی صورت بھی نظر آ جاتی ہے اور وہ صورت بات کرتی ہوئی بھی معلوم ہوتی ہے اور خارج میں اس آواز یا اس صورت یا اس کلام کا کوئی وجود نہیں ہوتا سب موجودات خیالیہ ہیں۔فقط

لیکن نبوت کی یہ حقیقت بالکل نصوص صریحہ صحیحہ کے خلاف ہے۔نصوص میں تصریح ہے کہ وحی ایک فیض غیبی ہے جو بواسطۂ فرشتے کے ہوتا ہے اور وہ فرشتہ کبھی القا کرتا ہے جس کو حدیث میں ”نفث فی روعی“ فرمایا ہے کبھی اس کی صوت سنائی دیتی ہے کبھی وہ سامنے آ کر بات کرتا ہے جس کو فرمایا ہے:

”یَأْتِینِی الْمَلَکُ اَحْیَانًا فَیَتَمَثَّلُ لِیْ“ اس کا علوم جدیدہ میں اس لیے انکار کیا گیا ہے کہ خود فرشتوں کے وجود کو بلا دلیل باطل سمجھا گیا ہے سو اس کی تحقیق کسی آئندہ انتباہ میں وجود ملائکہ کی بحث میں ان شاء اللہ تعالیٰ ہو جاوے گی جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ ملائکہ کا وجود عقلاً محال نہیں ہے اور جب ممکن عقلی کے وجود پر نقل صحیح دال ہو عقلی طور پر اس کا قائل ہونا واجب ہے۔(اُصول موضوعہ نمبر۲)

دوسری غلطی معجزات کے متعلق ہے جن کی حقیقت ایسے اُمور ہیں جن کا وقوع بلا واسطہ اسباب طبعیہ کے ہوتا ہے۔سو علوم جدیدہ بلا دلیل ان کے وقوع کے بھی منکر ہیں اور اسی بناء پر جو معجزات نصوص میں مذکور ہیں ان میں تاویل بعید جس کو تحریف کہنا

بجا ہے کرکرا کر اُن کو اُمور عادیہ بنایا جاتا ہے اکثر کو تو بالکل غیر عجیب واقعہ جیسے "اِضْرِبْ بِعَصَاکَ الْحَجَرَ" وغیرہ اور جہاں غیر عجیب نہ بن سکے وہاں مسمریزم کی نوع میں داخل کیا جاتا ہے۔ جیسے انقلاب عصائے موسیٰ میں کہا جاتا ہے اور اس اشتباہ کا جو منشاء ہے اس کو انتباہ دوم میں رفع کر دیا گیا ہے۔ پس قادر مطلق نے جس طرح خود اسباب طبعیہ کو بلا اسباب طبعیہ کے پیدا کیا ورنہ تسلسل لازم آوے گا اور وہ محال ہے۔ اسی طرح ان کے مسببات کو بھی اگر چاہیں بلا اسباب طبعیہ پیدا کر سکتے ہیں۔ غایت ما فی الباب اس کو مستبعد کہیں گے مگر استحالہ اور استبعاد ایک نہیں۔ (اُصول موضوعہ نمبر۳)

تیسری غلطی یہ کہ معجزات کو دلیل نبوت نہیں قرار دیا جاتا بلکہ صرف حُسن تعلیم و حُسن اَخلاق میں دلیل کو منحصر کیا جاتا ہے اور اس انحصار کی بجز اس کے کوئی دلیل نہیں بیان کی جاسکتی کہ اگر خوارق کو دلیل نبوت کہا جاوے تو مسمریزم وشعبدات بھی مستلزم نبوت ہوں گے اور یہ دلیل اس لیے لچر ہے کہ مسمریزم وشعبدات واقع میں خوارق نہیں بلکہ مستند ہیں۔ اسباب طبعیہ خفیہ کی طرف جس کو ماہرین جان کر مدعی کی تکذیب اور نیز اس کے ساتھ معارضہ کر سکتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں منکرین میں سے نہ کسی نے سبب طبعی کی تشخیص کی اور نہ کوئی معارضہ کر سکا جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ واقع میں خوارق ہیں۔ پس معجزات وشعبدات مشترک الاستلزام نہ ہوئے۔ البتہ حُسن تعلیم وحسن خلق بھی دال علی النبوت ہے مگر حکمت خداوندی مقتضی ہے مخاطبین انبیاء علیہم السلام میں چونکہ دونوں طرح کے لوگ تھے خواص اہل فہم بھی جو کہ تعلیم واخلاق کے درجہ علیاء کا (کہ وہ بھی خارق ہے) اندازہ کر سکتے ہیں اور عوام بلید بھی جو تعلیم واخلاق سے استدلال کرنے میں اس وجہ سے غلطی کر سکتے تھے کہ درجۂ علیا کا اندازہ کر نہیں سکتے۔ پس ہر حکیم وخوش خلق کو نبی سمجھ لیتے اس لیے ایک ذریعہ استدلال کا ان کے ادراک کے موافق بھی رکھا گیا جس میں علم اضطراری صحت دعویٰ نبوت کا پیدا ہو جاتا ہے اور دوسرے اہل شعبدہ سے ان کو خلط وغلط اس لیے نہیں ہوسکتا

کہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان فنون کے ماہرین بھی معارضہ سے عاجز آ گئے۔
چوتھی غلطی یہ ہے کہ احکام نبوت کو صرف اُمور معادیہ کے متعلق سمجھا اور اُمور معاشیہ میں اپنے کو آزاد و مطلق العنان قرار دیا۔ نصوص اس کی صاف تکذیب کر رہی ہیں۔ "قال اللّٰہ تعالٰی وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ الخ" اس کا شانِ نزول ایک امر دنیوی ہی ہے اور جس حدیث تابیر سے شبہ پڑ گیا ہے اس میں تو یہ قید ہے کہ جو بطور رائے و مشورہ کے فرمایا جاوے نہ جو کہ بطور حکم کے فرمایا جاوے اور تقریب فہم کے یے اس کی عقلی نظیر یہ ہے کہ حکام ملک کو ہم دیکھتے ہیں کہ قوانین میں ہمارے معاملات ہی میں بھی دست اندازی کرتے ہیں تو کیا حاکم حقیقی کو اس کا حق نہیں اور اسی چوتھی غلطی پر ایک پانچویں غلطی متفرع ہوتی ہے کہ احکام شرعیہ کو جو کہ متعلق معاملات کے ہیں ہر زمانے میں قابل تبدیل سمجھا جاتا ہے۔
سو اگر یہ احکام مقصود نہ ہوتے جیسا کہ چوتھی غلطی کا حاصل ہے۔ سو واقع میں اس کا قائل ہونا مضائقہ نہ تھا اور جبکہ مقصود ہونا ان کا بھی ثابت ہے۔ جیسا غلط رابع کے رفع میں ثابت ہوا تو اب اس کے قائل ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ عقلیہ کہ زمانے کو بدلنے سے جب مصلحتیں بدلتی ہیں اور اسی بناء پر شرائع میں تبدیل ہوتا آیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے حضور سرور عا صلی اللہ علیہ وسلم تک کل چھ سو سال کا فصل ہے۔ اس مدت میں تو مصالح مقتضیہ تبدیل کے احکام بدل گئے اور آپ سے اس وقت تک اس مدت سے مضاعف مدت مع شے زائد گزر گئی اور اب تک وہ مصالح نہ بدلے۔
اس کا حل یہ ہے کہ اگر واضع قانون حکیم کامل و عالم الغیب ہو تو ممکن ہے کہ جب وہ چاہے ایسے قوانین بنادے جس میں تمام ازمنہ ممتدہ الی یوم القیامۃ تک کی مصالح کی رعایتیں ملحوظ ہوں اور اگر واقعات زمانہ کو دیکھ کر شبہ کیا جاوے کہ ہم اس وقت کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے سے کارروائی میں تنگی پیش آتی

ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ احکام اس زمانہ کے مناسب نہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ تنگی قانون کا حکم اس وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ جب سب اس پر عامل ہوں اور پھر کام اٹکنے لگیں۔ سو اس کو کوئی ثابت نہیں کرسکتا اور اس وقت جو تنگی پیش آ رہی ہے اس کا سبب تو یہ ہے کہ غیر عامل زیادہ ہیں اور عامل کم۔

جب ان قلیل عاملوں کو ان کثیر غیر عاملین سے سابقہ پڑے گا ضرور معاملات میں کشاکشی ہوگی۔ سو اس تنگی کا مرجع تو ہمارا طرزِ معاشرت ہے نہ کہ احکام شریعت جیسے طبیب مریض کو دس چیزیں کھانے کو بتلاتا ہے مگر اس کے گاؤں میں ایک بھی نہیں ملتی تو یہ تنگی طب میں نہیں ہوئی، قریہ کی تجارت میں ہوئی اور کہیں تنگی واقعی نہیں ہوتی محض اپنے ذاتی ضرر سے تنگی کا شبہ ہو جاتا ہے تو ایسا ذاتی ضرر مصلحت عامہ کی رعایت سے کون سا قانون ہے کہ جس میں نہیں ہے۔

چھٹی غلطی احکام کے متعلق بعض کو یہ ہوتی ہے کہ وہ احکام کے علل غائیہ اپنی رائے سے تراش کر اُن کے وجود وعدم پر احکام کے وجود وعدم کو دائر سمجھتے ہیں اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ احکام منصوصہ میں تصرف کرنے لگتے ہیں۔

چنانچہ بعض کی نسبت مسموع ہوا کہ انہوں نے وضو کی علت غائیہ تنظیفِ محض سمجھ کر جب اپنے کو نظیف دیکھا تو وضو ہی کی حاجت نہ سمجھی اور بے وضو نماز شروع کردی اور بعض نے نماز کی علت غائیہ تہذیب اخلاق سمجھ کر اس کے حصول کو مقصود سمجھ کر نماز اڑا دی۔ اسی طرح روزے میں اور زکوٰۃ میں اور حج میں تصرفات کیے اور اسی طرح نواہی میں مثل سود وتصویر وغیرہ تصرف کیا اور تمام شریعت کو باطل کردیا۔

اور علاوہ اس کے کہ اس کا الحاد ہونا ظاہر ہے خود اس تقریر کے تمام تر مقدمات دعاوی بلا دلیل ہیں۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ بہت سے احکام تعبدی ہوں کہ ان کی اصلی (مقصود امتحان عبدیت ہو۔۱۲) غایت امتثال امر سے ابتلاء مکلف ہو۔ علاوہ اس کے جو غایات تجویز کیے گئے ہیں اس کی کیا دلیل ہے کہ یہی غایات ہیں۔

ممکن ہے کہ وہ غایات ایسے آثار ہوں جو ان احکام کے صورتِ نوعیہ ہی پر مرتب ہوتے ہوں جس طرح بعض ادویہ (بلکہ عند التامل تمام ادویہ) مؤثر بالخاصیۃ ہوتی ہیں۔ پھر یہ کہ ممکن ہے کہ کسی کی سمجھ میں کچھ آوے کسی کے خیال میں کچھ آوے تو ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح کی کیا دلیل ہے؟

پس بقاعدۂ ''اذا تعارضا تساقطا'' دونوں کو ساقط قرار دے کر نفس احکام ہی منعدم و منہدم ہو جاویں گے تو کیا کوئی عاقل معتقد ملت اس کا قائل ہو سکتا ہے؟ اور اسی غلطی کے شعب میں سے ہے کہ مخالف مذہب کے مقابلے میں یہ علل بیان کر کے احکام فرعیہ کو ثابت کیا جاتا ہے۔ سو اس میں بڑی خرابی یہ ہے کہ علل محض تخمینی ہوتے ہیں، اگر ان میں کوئی خدشہ نکل آوے تو اصل حکم مختل ٹھہرتا ہے تو اس میں ہمیشہ کے لیے مخالفین کو ابطال احکام کی گنجائش دینا ہے اور موٹی بات تو یہ ہے کہ یہ قوانین ہیں اور قانون اور ضابطہ میں کوئی اسرار نہیں ڈھونڈا کرتا اور نہ اسرار مزعومہ پر قانون میں تبدل و تغیر یا ترک کا اختیار ہوتا ہے۔ البتہ خود بانی قانون کو یہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور مجتہدین نے جو بعض احکام میں علل نکالے ہیں اس سے دھوکہ نہ کھایا جاوے اوّل تو وہاں اُمور مسکوت عنہا میں تعدیہ حکم کی ضرورت تھی دوسرے اُن کو اس کا سلیقہ تھا اور یہاں دونوں امر مفقود ہیں اور علاوہ کم علمی کے اتباع ہوئی (اتباع ہوا علل کو سمجھنے میں بڑا حاجب ہے۔۱۲) بڑا حاجب ہے۔

ساتویں غلطی جو اقبح الاغلاط ہے یہ ہے کہ بعضے لوگ منکر نبوت کی نجات کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خود انبیاء علیہم السلام بھی توحید ہی کے لیے آئے ہیں۔ پس جس کو اصل مقصود حاصل ہو غیر مقصود کا انکار اس کو مضر نہیں۔

اس کا ردّ مختصر نقلی تو وہ نصوص ہیں جو مکذّبین نبوت کے ''خُلُود فی النّار'' پر دال ہیں اور ردّ عقلی یہ ہے کہ درحقیقت مکذّب رسول مکذّب خدا بھی ہے کیونکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ نصوص کی تکذیب کرتا ہے اور نظیر عرفی یہ ہے کہ اگر کوئی

شخص شاہ جارج پنجم کو تو مانے مگر گورنر جنرل سے ہمیشہ مخالفت و مقابلے سے پیش آئے، کیا وہ شاہ کے نزدیک کسی قرب یا رُتبہ یا معافی کے لائق ہو سکتا ہے؟

اِنتباہِ چہارم متعلق قرآن منجملہ اُصول اربعہ شرع

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شریعت کی چار اصلیں ہیں۔ کتاب اللہ، حدیث الرسول، اجماع الامت، قیاس المجتہد اور مجتہد کے خاص شرائط ہیں۔ ان سب میں کچھ کچھ غلطیاں کی جارہی ہیں۔ کتاب اللہ کے متعلق دو غلطیاں ہو رہی ہیں۔

ایک یہ کہ احکام کو قرآن میں منحصر سمجھا جاتا ہے۔ اس غلطی کا حاصل دوسرے اُصول کا انکار ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن میں مسائل سائنس پر منطبق ہونے کی اور مسائل سائنس پر مشتمل ہونے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پہلی غلطی کا جواب وہ نصوص ہیں جن سے بقیہ اُصول کی حجیت ثابت ہوتی ہے جس کو اہل اُصول نے مشبع بیان کیا ہے اور اسی غلطی کی ایک فرع یہ ہے کہ جس گناہ کے کرنے کو جی چاہتا ہے اس سے منع کیے جانے کے وقت یہ سوال کر دیا جاتا ہے کہ قرآن میں ممانعت دکھلاؤ۔

چنانچہ ڈاڑھی کے متعلق ایسے سوالات اخباروں میں شائع ہوتے ہیں۔ پھر یہ امر ایسا فطرت میں داخل ہو گیا ہے کہ جب کوئی مخالف مذہب کسی بات کو قرآن سے ثابت کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ لوگ اس مطالبہ کو صحیح اور اس اثبات کو اپنے ذمہ لازم سمجھ کر اس کی تلاش میں لگ جاتے ہیں اور جو خود اس پر قادر نہیں ہوتے تو علماء کو مجبور کرتے ہیں کہ کہیں قرآن ہی سے ثابت کر دو۔ سو جب اس فرع کی بناء ہی کا غلط ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اس فرع کا بناء الفاسد علی الفاسد ہونا بھی ظاہر ہو گیا، مستقل ردّ کی ضرورت نہیں۔ پھر اس دروازے کا مفتوح کرنا نہایت ہی بے احتیاطی ہے اس کا انجام خود ارکان اسلام کا غیر ثابت بالشرع ماننا ہوگا کیا کوئی شخص نماز پنجگانہ کی رکعات کا عدد قرآن سے ثابت کر سکتا ہے، کیا کوئی شخص زکوٰۃ کا نصاب اور قدر واجب کا

اثبات قرآن سے کرسکتا ہے۔ وعلیٰ ہٰذا

ایسے مطالبہ کا غیر معقول ہونا ایک حسی مثال سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ عدالت میں اگر کوئی شخص اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کرے تو مدعا علیہ کو اس گواہ پر قانونی جرح کا تو اختیار حاصل ہے لیکن اگر گواہ جرح میں صاف رہا تو یہ اختیار نہیں کہ عدالت سے یہ درخواست کرے کہ گو گواہ غیر مجروح و معتبر ہے مگر میں تو اس دعوے کو جب تسلیم کروں گا کہ بجائے اس گواہ کے فلاں معزز عہدہ دار یا فلاں رئیس اعظم گواہی دے تو کیا عدالت ایسی درخواست کو قابل پذیرائی سمجھے گی۔ اسی راز کے سبب فن مناظرہ کا یہ مسئلہ قرار پایا ہے کہ مدعی سے نفس دلیل کا مطالبہ ہوسکتا ہے کسی دلیل خاص کا مطالبہ نہیں ہوسکتا اور نیز تصریح کی ہے کہ دلیل کی نفی سے مدلول کی نفی نہیں لازم آتی کیوں کہ دلیل ملزوم ہے اور مدلول لازم اور نفی ملزوم مستلزم نہیں ہے نفی لازم کو۔

پس جو شخص دعوے کرے کہ فلاں امر شرع سے ثابت ہے اس کو اختیار ہے کہ شرع کی جس دلیل سے چاہے اس کو ثابت کردے کسی کو اس سے اس مطالبہ کا حق نہیں پہنچتا کہ مثلاً قرآن ہی سے ثابت کرو ہاں یہ مسلم ہے کہ یہ دلائل اربعہ قوت میں برابر نہیں لیکن جیسا تفاوت ان کی قوت میں ہے ایسا ہی تفاوت ان کے مدلولات یعنی احکام کی قوت میں ہے کہ بعض قطعی الثبوت والدلالت ہیں بعض ظنی الثبوت والدلالت ہیں بعض قطعی الثبوت ظنی الدلالت ہیں۔

بعض ظنی الثبوت قطعی الدلالت ہیں لیکن یہ بھی کسی کو منصب حاصل نہیں کہ احکام ظنیہ کو نہ مانے، کیا کسی ایسے حاکم کے جس کے فیصلے کا اپیل نہیں ہوسکتا بہت سے فیصلے محض اسی بناء پر نہیں صادر ہوتے کہ مقدمۂ مرجوعہ کو کسی دفعہ میں داخل قرار دیا ہے اور وہ دفعہ یقینی ہے مگر اس میں داخل کرنا ظنی ہے جس کا حاصل اس کا قطعی الثبوت ظنی الدلالت ہونا ہے لیکن اس کے نہ ماننے سے جو نتیجہ ہوسکتا ہے اس کو ہر شخص جانتا ہے۔

یہ تقریر پہلی غلطی کے متعلق تھی جو قرآن کے بارے میں ہوتی ہے۔

دوسری غلطی یعنی قرآن میں اس کے مسائل سائنس پر مشتمل ہونے کی کوشش کرنا۔ جیسا آج کل اکثر اخباروں اور پرچوں میں اس قسم کے مضامین دیکھنے میں آتے ہیں کہ جب اہل یورپ کی کوئی تحقیق متعلق سائنس کے دیکھی سنی جس طرح بن پڑا اس کو کسی آیت کا مدلول بنا دیا اور اس کو اسلام کی بڑی خیر خواہی اور قرآن کے لیے بڑی فخر کی بات اور اپنی بڑی ذکاوت سمجھتے ہیں اور اس غلطی میں بہت سے اہل علم کو بھی مبتلا دیکھا جاتا ہے اور اس میں ایک غلطی تو یہی ہے قرآن کے لیے کہ مسائل سائنس پر مشتمل ہونے کو قرآن کا کمال سمجھا اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ قرآن کے اصلی موضوع پر نظر نہیں کی گئی، قرآن اصل میں نہ سائنس کی کتاب ہے نہ تاریخ کی نہ جغرافیہ کی، وہ ایک کتاب ہے اصلاح ارواح کی جس طرح کسی کتاب طبی کا پرچہ بافی وکفش دوزی کی صنعت اور حرفت کی تحقیق سے خالی ہونا اس کے لیے موجب نقصان نہیں بلکہ اگر غور کیا جاوے تو اس تحقیق پر بلاضرورت مشتمل ہونا خود بوجہ خلط مبحث کے ایک درجے میں موجب نقصان ہے اور خالی ہونا کمال ہے۔

اسی طرح قرآن کا کہ طب روحانی ہے ان مسائل سے خالی ہونا اس کے لیے کچھ موجب نقصان نہیں بلکہ ایک گونہ کمال ہے۔ البتہ اس طب روحانی کی ضرورت سے اگر کوئی جزو اس کا مذکور ہو جاوے تو وہ اس ضرورت کا مکمل ہے مگر بقاعدہ "اَلضَّرُوْرِیُّ یَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَۃِ" مقدار ضرورت سے زائد مذکور نہ ہوگا۔

چنانچہ توحید کے (کہ اعظم مقدمات اصلاح اَرواح ہے) اثبات کے لیے کہ سہل واقرب طریق اس کا استدلال بالمصنوعات ہے کہیں کہیں اجمالاً واختصاراً بعض مضامین خلق سمٰوات وارض وانسان وحیوان وغیرہ کا بیان ہوا بھی ہے اور چونکہ تفصیل کی حاجت نہ تھی اس لیے اس کا ذکر نہیں ہوا۔ غرض سائنس کے مسائل اس کے مقاصد سے نہیں، البتہ بضرورت تائید مقصود کے جتنا کچھ اس میں بدلالت قطعیہ مذکور ہے وہ یقیناً اور قطعاً صحیح ہے کسی دوسری دلیل سے اس کے خلاف کا اعتقاد جائز نہیں، اگر کوئی

دوسری دلیل اس کے معارض ہوگی بعد تحقیق وہ دلیل ہی مخدوش ہوگی یا تعارض کا شبہ ہوگا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ دلالت آیت کی قطعی نہ ہو، اس کے خلاف پر ممکن ہے کہ دلیل صحیح قائم ہو وہاں نص قرآنی کو ظاہر سے منصرف کرلیں گے۔ جیسا اُصول موضوعہ نمبرے میں تحقیق ہوا دوسری غلطی یہ ہے کہ اس اوپر کی تقریر سے معلوم ہوا کہ ایسے مسائل (ایسے مسائل جو اصلاح ارواح میں سے نہیں ہیں) قرآن کے مقاصد میں سے نہیں بلکہ مقدمات مقصود سے ہیں اور ظاہر ہے کہ استدلال میں مقدمات ایسے ہونا چاہئیں جو پہلے سے یعنی قبل اثبات مدعا کے مخاطب کے نزدیک مسلم ہوں یا بدیہی ہوں یا بدلیل مسلم کرادیئے جاویں ورنہ ان سے مدعا پر استدلال ہی نہ ہوسکے گا۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب سمجھنا چاہیے کہ اگر یہ جدید تحقیقات ان آیات قرآنیہ کے مدلولات و مفہومات ہوں اور ظاہر ہے کہ عرب کے لوگ جو اوّل مخاطب ہیں قرآن کے وہ بالکل ان تحقیقات سے ناآشنا تھے تو لازم آتا ہے کہ مقدمات غیر مسلمہ وغیر بدیہیہ وغیر مثبتہ سے استدلال کیا گیا ہے جن میں استدلال کی صلاحیت ہی نہیں ہے تو کلام اللہ کے طرز استدلال پر کتنا بڑا دھبہ لگے گا۔

تیسری خرابی اس میں یہ ہے کہ یہ تحقیقات کبھی غلط بھی ثابت ہوتی رہتی ہیں۔ سو اگر ان کو قرآنی مدلول بنایا جاوے تو اگر کسی وقت کسی تحقیق کا غلط ہونا ثابت ہوگیا اور اہل اسلام کا اقرار بضمن ایسی تفسیر کے مدون ہوگا کہ قرآن کا یہ دعویٰ ہے تو اس وقت ایک ادنیٰ ملحد تکذیب قرآن پر نہایت آسانی سے قادر ہوسکے گا کہ قرآن کا یہ مضمون غلط ہے اور جزو کا ارتفاع مستلزم ہے ارتفاع کُل کو، پس قرآن صادق نہ رہا اس وقت کیسی دُشواری ہوگی اور اگر کوئی شخص یہ احتمال نکالے۔ جیسا کہ بعض نے دعویٰ بھی کیا ہے کہ قرآن میں یہ کمال ہے کہ جس زمانے میں جو بات ثابت ہو اس کے الفاظ اسی کے موافق ہوجاتے ہیں۔ سو اس بناء پر تو یہ لازم آتا ہے کہ قرآن کا کوئی مدلول بھی قابل اعتماد نہیں۔ ہر مدلول میں احتمال اس کی نقیض کا بھی ہے تو یہ تو ایسی بات ہوگئی

جیسے کسی چالاک نجومی کی حکایت ہے کہ اس سے جب پوچھا جاتا کہ ہمارے لڑکا ہوگا یا لڑکی وہ کہہ دیتا کہ لڑکا نہ لڑکی اور جو صورت واقع ہوتی باختلاف لب ولہجہ اس عبارت کو اس پر منطبق کر دیتا۔ کیا ایسی کتاب کو ہدایت نامہ کہنا صحیح ہوگا۔

چوتھی خرابی اس میں یہ ہے جو بالکل ہی غیرت کے خلاف ہے کہ اس صورت میں اگر محققانِ یورپ یہ کہیں کہ دیکھو قرآن کو نازل ہوئے اتنا زمانہ ہوا مگر آج تک کسی نے یہاں تک کہ خود نبی نے بھی نہ سمجھا، ہمارا احسان مانو کہ تفسیر ہماری بدولت سمجھ میں آئی تو اس کا کیا جواب ہوگا؟ یہاں تک بیان تھا ان غلطیوں کا جو کلام اللہ کے متعلق واقع ہو رہی ہیں اب بقیہ دلائل کی نسبت عرض کرتا ہوں۔

انتباہِ پنجم متعلق حدیث منجملہ اُصول اربعہ شرع

حدیث کے متعلق یہ غلطی ہے کہ اس کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حدیثیں محفوظ نہیں ہیں نہ لفظاً نہ معنًی۔ لفظاً تو اس لیے کہ عہد نبوی میں حدیثیں کتابۃً جمع نہیں کی گئیں محض زبانی نقل در نقل کی عادت تھی تو ایسا حافظہ کہ الفاظ تک یاد رہیں فطرت کے خلاف ہے اور معنًی اس لیے کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا لامحالہ اس کا کچھ نہ کچھ مطلب سمجھا خواہ وہ آپ کی مراد کے موافق ہو یا غیر موافق ہو اور الفاظ محفوظ نہ رہے۔ جیسا اوپر بیان ہوا۔ پس اسی اپنے سمجھے ہوئے کو دوسروں کے روبرو نقل کر دیا۔ پس آپ کی مراد کا محفوظ رہنا بھی یقینی نہ ہوا۔ جب نہ الفاظ محفوظ ہیں نہ معانی تو حدیث حجت کس طرح ہوئی؟ اور یہی حاصل ہے شبہ فرقۂ قرآنیہ کا اور حقیقت میں یہ غلطی محدثین وفقہاء سلف کے حالات میں غور نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے ان کو ضعف حافظہ وقلت رغبت وقلت خشیت میں اپنے اوپر قیاس کیا ہے قوت حافظہ ان کا ان کے واقعات کثیرہ سے جو متواتر المعنی ہیں ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سو شعر کے قصیدے کو ایک بار سن کر یاد

کر لینا اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک مجلس میں سو حدیثیں منقلب المتن والاسناد کو سن کر ہر ایک کی تغلیط کے بعد ان سب کو بعینہ سنا دینا، پھر ایک ایک کی تصحیح کر دینا اور امام ترمذی رحمہ اللہ کا بحالت نابینائی ایک درخت کے نیچے گزر کر سر جھکا لینا اور وجہ دریافت کرنے پر وہاں درخت ہونے کی خبر دینا جو کہ اس وقت نہ تھا اور تحقیق سے اس خبر کا صحیح ثابت ہونا اور محدثین کا اپنے شیوخ کے امتحان کے لیے گاہ گاہ احادیث کا اعادہ کرانا اور ایک حرف کی کمی بیشی نہ نکلنا یہ سب سیر و تواریخ و اسماء الرجال میں مذکور و مشہور ہے جو قوت حافظہ پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے۔

اسماء الرجال میں نظر کرنے سے سیئ الحافظہ رُوات کی روایات کو صحیح سے خارج کرنا کافی حجت ہے اس باب میں محدثین نے کافی کاوش کی اور علاوہ قوت حافظہ کے چونکہ اللہ تعالیٰ کو ان سے یہ کام لینا تھا اس لیے غیبی طور پر اس مادہ میں ان کی تائید کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قصہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چادرہ میں کچھ کلمات پڑھ دیئے اور انہوں نے وہ چادرہ اپنے سینے سے لگا لیا احادیث میں وارد ہے اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ خود حدیث ہی میں کلام ہو رہا ہے اور پھر حدیث ہی سے استدلال کیا جاتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ کلام تو احکام کی حدیثوں میں ہے اور یہ تو ایک قصہ ہے ایسی احادیث قسم ہیں علم تاریخ کی جو بلا اختلاف محتج بہ ہے اور اگر اس قصے پر خلافِ فطرت ہونے کا شبہ ہو تو اس کا جواب انتباہ سوم بحث معجزہ میں ہو چکا ہے، پھر خود ہم کو اس میں بھی کلام ہے کہ یہ خلاف فطرت ہے، اہل مسمریزم معمول کے متخیلہ میں ایسے تصرفات کر دیتے ہیں جن سے اشیائے غیر معلومہ منکشف اور اشیائے معلومہ غائب و منسی ہو جاتی ہیں اس سے یہ مقصود نہیں کہ آپ کا یہ تصرف اسی قبیل کا تھا بلکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ خلاف فطرت کہنا مطلقاً صحیح نہیں اور اگر مسلم بھی ہو تو معجزہ ہے جس کا فیصلہ اس سے پہلے ہو چکا ہے اور علاوہ اس کے ہم نے خود اپنے زمانہ کے قریب ایسے حافظے کے لوگ سنے ہیں۔

چنانچہ حافظ رحمت اللہ صاحب الٰہ آبادی کے حافظے کے واقعات دیکھنے والوں سے میں خود ملا ہوں اور حکایتیں سنی ہیں یہ تو حافظے کی کیفیت ہوئی اور رغبت ان کی یاد رکھ کر بعینہٖ پہنچانے میں اس لیے تھی کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو دُعا دی "بقوله نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا. الحديث" اس دُعا کے لینے کو وہ حضرات نہایت کوشش کرتے تھے کہ حتی الامکان بعینہٖ پہنچا دیں اور خشیت تغیر سے اس لیے تھی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تھا کہ "مَنْ كَذِبَ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْهُ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ" حتیٰ کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مارے خوف کے حدیث ہی بیان نہیں کرتے تھے۔

پھر محدثین کا احادیث طویلہ میں بعض الفاظ میں تردید کرنا اور نحوہ وغیرہ کہنا صاف دلیل ہے۔ اہتمام حفظ الفاظ اور احتیاط کی اس باب میں ایسی حالت میں کتابۃً حدیثوں کا مدون نہ ہونا ان کی حفاظت میں کچھ مضر نہیں ہوسکتا بلکہ غور کرنے سے مفید و معین معلوم ہوتا ہے کیونکہ کاتبین کے حافظہ کو کتابت پر اعتماد ہونے سے ریاضت کا موقع کم ہو جاتا ہے اور ہر قوت ریاضت سے بڑھتی ہے۔

ہم نے اَن پڑھ لوگوں کو بڑے بڑے طویل و عریض جزئیات کا حساب زبانی بتلاتے اور جوڑتے دیکھا ہے بخلاف خواندہ لوگوں کے بے لکھے ان کو خاک بھی یاد نہیں رہتا اور یہ بھی ایک وجہ ہے اس وقت لوگوں کے حافظ کے ضعف کی۔

دوسرے وہ بھی وجہ ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا کہ ان سے اللہ تعالیٰ کو یہ کام لینا تھا اور اب تدوین احادیث و احکام کی جو کہ تدوین احادیث کا ثمرہ تھا اس سے مستغنی ہوگئی اور یہ امر بھی فطرۃً جاری ہے کہ جس وقت جس چیز کی حاجت ہوتی ہے اس کے مناسب قویٰ پیدا کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت صنائع و ایجادات کے مناسب دماغوں کا پیدا ہونا اس کی تائید کرتا ہے اور حکمت عدم کتابت میں اس وقت یہ تھی کہ حدیث و قرآن کا خلط نہ ہو جاوے جب قرآن کی پوری حفاظت ہوگئی اور وہ

تھا محفوظ کا نہ رہا اور نیز مختلف فرقوں کے اہواء کا ظہور ہوا اس وقت سنن یعنی حدیثوں کا جمع ہو جانا "اَقْرَبُ اِلَی الْاِحْتِیَاطِ وَاَعْوَنُ عَلَی الدِّیْنِ" تھا پس نہایت احتیاط سے حدیثیں جمع کی گئیں۔ چنانچہ اسانید ومتون واسماء الرجال کے مجموعہ میں امعانِ نظر سے قلب کو پورا یقین ہوتا ہے کہ اقوال وافعال نبویہ بلا تغیر وتبدل محفوظ ہو گئے ہیں۔

یہ تقریر تو اخبار احاد میں بھی جاری ہوتی ہے اور اگر کتب وحدیث کو جمع کر کے ان کے متون اور اسانید کو دیکھا جاوے تو اکثر متون میں اتحاد واشتراک اور اسانید میں تعدد وتکثر نظر آئے گا جس سے وہ احادیث متواتر ہو جاتی ہیں اور متواتر میں شبہات متعلقہ بروایت کی گنجائش ہی نہیں رہتی کیونکہ متواتر میں راوی کا صدق یا ضبط یا عدل کچھ بھی شرط نہیں۔ اب بعد اثبات حجیت حدیث کے درایت سے اس کی تنقید کرنے کا غیر ثابت ہونا بھی معلوم ہو گیا ہوگا کیونکہ حدیث صحیح کا ادنیٰ درجہ وہ ہے جو ظنی الدلالت ظنی الثبوت ہو اور جس چیز کا درایت نام رکھا ہے اس کا حاصل دلیل عقلی ظنی ہے اور اصول موضوعہ [illegible] میں تقدیم نقلی ظنی کی عقلی ظنی پر ثابت ہو چکی ہے۔

رہا قصہ روایت بالمعنی کا سو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اول تو بلا ضرورت اس کی عادت نہ تھی اور ان کے حافظے کو دیکھتے ہوئے ضرورت نادر ہوتی تھی۔ پھر ایک ایک مضمون کو اکثر مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم نے سن سن کر روایت کیا ہے۔ چنانچہ کتب حدیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے سو اگر ایک نے روایت بالمعنی کیا تو دوسرے نے روایت باللفظ کی اور پھر بعضوں کے معانی متوافق ہونے سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ جنہوں نے روایت بالمعنی بھی کی ہے انہوں نے اکثر صحیح ہی سمجھا ہے اور واقعی جس کو خشیت وتقویٰ ہوگی وہ معنی سمجھنے میں بھی خوف سے کام لے گا، بدون شرح صدر مطمئن نہ ہوگا [illegible] اللہ [illegible] محفوظ [illegible] گو ایسا نادر ہے مگر پھر بھی ظاہر ہے [illegible] جس قدر [illegible] کے کلام کو قرآن مقالیہ اور مقامیہ سے صحیح [illegible] نہیں سمجھ سکتے [illegible] صحابہ رضی اللہ عنہم کا فہم قرآن وحدیث

میں جس قدر قابل وثوق ہوگا دوسروں کا نہیں ہوسکتا۔

پس دوسروں کا ان کے خلاف قرآن سے یا محض اپنی عقل سے کچھ سمجھنا اور اس کو درایت مخالف حدیث ٹھہرا کر حدیث کو رد کرنا کیونکر قابل التفات ہوسکتا ہے اور ان تمام اُمور پر لحاظ کرتے ہوئے پھر اگر کسی شبہ کی گنجائش ہوسکتی ہے تو وہ شبہ غایت مافی الباب بعض حدیث کی قطعیت میں مؤثر ہوسکتا ہے۔ سو بہت سے بہت یہ ہوگا کہ ایسی احادیث سے احکام قطعیہ ثابت نہ ہوں گے لیکن احکام ظنیہ بھی چونکہ جزءِ دین و واجب العمل ہیں۔ لہٰذا ظنیت بھی مضر مقصود نہ ہوگی۔

انتباہِ ششم متعلق اجماع منجملہ اُصول شرع

اب رہ گیا اجماع اور قیاس سو اجماع کے متعلق یہ غلطی کی جاتی ہے کہ اس کا رُتبہ رائے سے زیادہ نہیں سمجھا جاتا، اس لیے اس کو حجت ملزمہ نہیں قرار دیا جاتا۔ سو یہ مسئلہ اوّل تو منقول ہے اس میں نقل پر مدار ہے سو ہم نے جو نقل کی طرف رجوع کیا تو اس میں یہ قانون پایا کہ جس امر پر ایک زمانے کے علمائے اُمت کا اتفاق ہو جاوے اس کا اتباع واجب ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اپنی رائے پر عمل کرنا ضلالت ہے خواہ وہ امر اعتقادی ہو خواہ عملی ہو۔ چنانچہ وہ نقل اور اس سے استدلال کتب اُصول میں مصرحاً مذکور ہے۔ پس جس طرح کوئی کتاب قانون کی حجت ہو تو اس کے کل دفعات واجب العمل ہوتے ہیں، اسی طرح جب قرآن و حدیث حجت ہیں تو اس کے بھی کل قوانین واجب العمل ہوں گے۔ سو اُن قوانین میں سے ایک قانون یہ بھی ہے کہ اجماع حجت قطعیہ ہے۔ سو اس قانون پر بھی عمل واجب ہوگا اور اس کی مخالفت واقع میں اس قانونِ الٰہی و نبوی کی مخالفت ہوگی اور یہ امر بہت ہی ظاہر ہے اور اگر یہ مسئلہ منقول بھی نہ ہوتا تاہم قانون فطری عقلی بھی ہم کو اس پر مضطر کرتا ہے کہ جب ہم اپنے معاملات میں کثرت رائے کو منفرد رائے پر ترجیح دیتے ہیں اور کثرت رائے کے مقابلے میں منفرد

رائے کو کالعدم سمجھتے ہیں تو اجماع تو کثرت رائے سے بڑھ کر یعنی اتفاق آراء علماء اُمت ہے وہ منفرد رائے کے مرتبہ میں یا اس سے مرجوح کیسے ہوگا۔

اور اگر یہ شبہ ہو کہ بیشک منفرد رائے اجماع کے روبرو قابل وقعت نہ ہوگی لیکن اگر ہم بھی اس اجماع کے خلاف پر اتفاق رائے کرلیں تب تو اس میں معارضہ کی صلاحیت ہوسکتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہر شخص کا اتفاق رائے ہر امر میں معتبر نہیں بلکہ ہر فن میں اس کے ماہرین کا اتفاق معتبر ہوسکتا ہے۔ سو اگر ہم اپنی دینی حالت کا حضرات سلف کی حالت سے انصاف کے ساتھ مقابلہ کریں تو اپنی حالت میں علماً وعملاً بہت ہی انحطاط پاویں گے جس سے ان کے ساتھ ہم کو ایسی ہی نسبت ہوگی جو غیر ماہر کو ماہر کے ساتھ ہوتی ہے۔

پس ان کے خلاف ہمارا اتفاق ایسا ہی ہوگا جیسا ماہرین کے اتفاق کے خلاف غیر ماہرین کا اتفاق کہ محض بے اثر ہوتا ہے۔ البتہ جس امر میں سلف سے کچھ منقول نہ ہو اس میں اس وقت کے علماء کا اتفاق بھی قابل اعتبار ہوگا۔

اور اس میں ایک فطری راز ہے وہ یہ کہ عادت اللہ جاری ہے کہ غرض پرستی کے ساتھ تائید حق نہیں ہوتی اور خلوص میں تائید ہوتی ہے۔ جب یہ امر ممہد ہوچکا تو سمجھنا چاہیے کہ جس امر میں سلف کا اجماع موجود ہے جس کا حجت ہونا ثابت ہے اس کے ہوتے ہوئے ہم کو اپنی اپنی رائے سے کام لینے کی دینی ضرورت نہیں تھی۔

سو بلا ضرورت اپنی اپنی رائے پر عمل کرنا بدون غرض پرستی کے نہ ہوگا۔ اس لیے تائید حق ساتھ نہ ہوگی اور جس میں اجماع نہیں ہے وہاں دینی ضرورت ہوگی اور دینی ضرورت میں کام کرنا دلیل خلوص ہے اور خلوص میں تائید حق ساتھ ہوتی ہے اس لیے وہ اتفاق بوجہ مؤید من اللہ ہونے کے قابل اعتبار ہوگا۔

یہ سب اس صورت میں ہے جب سلف کا اجماع رائے سے ہوا ہو گو وہ رائے بھی مستند الی النص ہوگی لیکن نص صریح موجود نہیں تھی اور اگر کسی نص کے مدلول صریح پر اجماع ہوگیا ہے تو اس کی مخالفت نص صریح کی مخالفت ہے اور

اگر اس کے مخالف کوئی دوسری نص صریح ہوتو آیا اس وقت بھی اس اجماع موافق للنص کی مخالفت جائز ہے یانہیں؟

سو بات یہ ہے کہ تب بھی جائز نہیں کیونکہ نص نص برابر اور ایک کو موافقت اجماع سے قوت ہوگئی اور دلیل قوی کے ہوتے ہوئے ضعیف کا معمول بہ ہونا خلاف نقل اور خلاف عقل ہے بلکہ ہرگاہ دلیل نقلی سے امر مجمع علیہ کے ضلالت ہونے کا امتناع ثابت ہو چکا، اس لیے اگر اجماع کا مستند کوئی نص ظاہر بھی نہ ہو اور اس کے خلاف کوئی نص موجود ہو تب بھی اس اجماع کو یہ سمجھ کر مقدم رکھا جاوے گا کہ اجماع کے وقت کوئی نص ظاہر ہوگی جو منقول نہیں ہوئی کیونکہ نص کی مخالفت ضلالت ہے اور اجماع کا ضلالت ہونا محال ہے۔ پس اس اجماع کا نص کے مخالف ہونا بھی محال ہے۔

پس لامحالہ نص کے موافق ہے اور جس نص کے یہ موافق ہے وہ دوسری نص پر بوجہ انضمام اجماع کے راجح ہوگئی۔ پس واقع میں نص پر مقدم نص ہی ہے اور اجماع اس نص کے وجود کی علامت و امارت ہے جس کو دلیل اِنّی کہتے ہیں۔ مثال اس کی جمع بین الصلوٰتین بلا سفر و بلا عذر ہے جس کی حدیث ترمذی میں ہے اور فجر احمر کے وقت اذن تسحر کا کہ وہ بھی ترمذی میں ہے۔

انتباہِ ہفتم متعلق قیاس منجملہ اُصول شرع

اب صرف قیاس رہ گیا اس میں متعدد غلطیاں کی جاتی ہیں ایک غلطی قیاس کے معنی اور حقیقت میں ہے یعنی اس کی حقیقت واقعیہ کا حاصل تو یہ ہے کہ جس امر کا حکم شرعی نص اور اجماع میں صریحاً بیان نہ کیا گیا ہو اور ظاہر ہے کہ کوئی امر شریعت میں مہمل نہیں ہے جس کے متعلق کوئی حکم نہ ہو خواہ وہ امر معادی ہو یا معاشی جیسا کہ انتباہ سوم کی غلطی چہارم کے بیان میں مذکور ہوا ہے اس لیے یہ کہا جاوے گا کہ حکم تو اس کا بھی شرع میں وارد ہے مگر بوجہ خفاء دلالت خفی ہے۔

پس ضرورت ہوگی اس حکم خفی کے استخراج کی اس کا طریقہ ادلۂ شریعت نے یہ بتلایا ہے کہ جن اُمور کا حکم نصاً مذکور ہے ان میں غور کر کے دیکھو کہ یہ امر مسکوت عنہ ان میں سے خاص خاص صفات و کیفیات میں کس کے زیادہ مشابہ و مماثل ہے۔

پھر یہ دیکھو کہ اس امر منصوص الحکم میں اس کے حکم منصوص کی بناء بظن غالب کون سی صفت و کیفیت ہے۔ پھر اس صفت و کیفیت کو اس امر مسکوت عنہ میں دیکھو کہ محقق ہے یا نہیں۔ اگر محقق ہو تو اس امر کے لیے بھی وہی حکم ثابت کیا جاوے گا جو اس امر منصوص الحکم مماثل میں منصوص ہے اور اس منصوص الحکم کو مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا گیا ہو) اور اس امر مسکوت الحکم کو مقیس (جو قیاس کیا گیا ہو) اور اس بناء حکم کو علت اور اس اثباتِ حکم کو تعدیہ اور قیاس کہتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے قیاس کی جس کا اذن شریعت میں وارد ہے جیسا اُصولیین نے ثابت کیا ہے۔ پس درحقیقت مثبت حکم نص ہی ہے قیاس اس کا محض مظہر ہے۔ اب

جس قیاس کا استعمال کیا جاتا ہے اس کی حقیقت صرف رائے محض ہے جس میں استناد الی النص بالطریق المذکور نہیں ہے جس کو خود بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ محاورات میں بولتے ہیں کہ ہمارا یہ خیال ہے۔

سو حقیقت میں یہ تو مستقل شارع بننے کا دعویٰ ہے جس سے قبح عقلی ثابت ہے۔ اس رائے کی مذمت نصوص واقوالِ اکابر میں آئی ہے جس سے قبح نقلی ثابت ہوتا ہے تو عقلاً ونقلاً دونوں طرح یہ مذموم ہوا۔ دوسری غلطی محل قیاس میں ہے یعنی اوپر کی تقریر سے معلوم ہوا ہوگا کہ قیاس کی ضرورت محض اُمور غیر منصوصہ میں ہوتی ہے اور اس میں تعدیہ حکم کے لیے منصوص میں ابدائے علت کی حاجت ہوتی ہے تو بدون ضرورت تعدیہ حکم کے منصوص میں علت نکالنا جائز نہ ہوگا۔

اب غلطی یہ کی جاتی ہے کہ منصوص میں بھی بلاضرورت علت نکال کر خود حکم منصوص کو وجوداً وعدماً اس کے وجود وعدم پر دائر کرتے ہیں۔ جیسا انتباہ سوم کی چھٹی غلطی کے بیان میں مذکور ہوا ہے اور اسی سے ایک تیسری غلطی بھی معلوم ہوگئی یعنی غرض قیاس میں کہ غرض اصلی تعدیہ ہے غیر منصوص میں نہ کہ تصرف منصوص میں۔

چوتھی غلطی (غیر مقلدوں کے ردّ کیلئے) قیاس کے اہل میں یعنی ہر شخص کو اس کا اہل سمجھتے ہیں جیسا کہ بعض اہل جرأت کے لیکچروں میں تصریح دیکھی گئی کہ "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ" نے اجتہاد کو ہر شخص کے لیے عام کر دیا حالانکہ علمائے اُصولیین نے بدلائل قویہ اجتہاد کے شرائط کو ثابت کر دیا ہے جس سے عموم باطل ہوتا ہے اور "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ" کے یہ معنی بھی نہیں ہیں اور موٹی بات بھی ہے کہ ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوسکتا کیونکہ جو حاصل حقیقت قیاس واجتہاد کا اوپر مذکور ہوا ہے اس کی نظیر وکلاء کا کسی مقدمہ کو کسی دفعہ کے تحت میں داخل کرنا ہے۔

سو ظاہر ہے کہ اگر ہر شخص اس کا اہل ہو تو وکالت کے پاس کرنے ہی کی حاجت نہ ہو۔ پس جس طرح یہاں شرائط ہیں کہ قانون پڑھا ہو یاد بھی ہو اس کی غرض بھی سمجھی

ہو، پھر مقدمہ کے غامض پہلوؤں کو سمجھتا ہو تب یہ لیاقت ہوتی ہے کہ تجویز کرے کہ فلاں دفعہ میں یہ مقدمہ داخل ہے۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھئے۔ اب یہ دوسری گفتگو ہے کہ آیا اب اس قوت وملکہ کا شخص پایا جاتا ہے یا نہیں۔

یہ ایک خاص گفتگو "فیما بین فرقۃ" مقلدین وغیر مقلدین کے ہے جس میں اس وقت کلام کا طویل کرنا امر زائد ہے کیونکہ مقام ان غلطیوں کے بیان کا ہے جن میں جدید تعلیم والوں کو لغزش ہوئی ہے۔

اس لیے اس باب میں صرف اس قدر عرض کرنا کافی ہے کہ اگر فرض کرلیا جاوے کہ ایسا شخص اب بھی پایا جاتا ہے تب بھی سلامتی اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ اپنے اجتہاد وقیاس پر اعتماد نہ کرے کیونکہ ہمارے نفوس میں غرض پرستی و بہانہ جوئی غالب ہے۔ اگر اجتہاد سے کام لیا جاوے گا تو قریب یقینی امر کے ہے کہ ہمیشہ نفس کا میلان اسی طرف ہوگا جو اپنی غرض کے موافق ہو اور پھر اس کو دیکھ کر دوسرے نااہل اس کا بہانہ ڈھونڈ کر خود بھی دعوئ اجتہاد کا کریں گے اور تقویٰ وتدین سب مختل ہو جاوے گا۔

اس کی نظیر حسی یہ ہے کہ ہائی کورٹ کے ججوں کے فیصلے کے سامنے کسی کو حتیٰ کہ حکام ماتحت کو بھی دفعہ قانونی کے دوسرے معنی سمجھنے کی اجازت محض اس بناء پر نہیں دی جاتی کہ ان کو سب سے زیادہ قانون کے معنی سمجھنے والا سمجھا گیا ہے اور ان کی مخالفت کی اجازت سے ہر شخص اپنے طور پر کارروائی کر کے ملک میں تشویش و بدنظمی کا سبب ہو جاوے گا۔ بس یہی نسبت ہم کو مجتہدین کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔ حاصلِ اغلاط متعلقہ اُصول اربعہ کا یہ ہے کہ قرآن کو حجت بھی مانا اور ثابت بھی مانا مگر اس کی دلالت میں غلطی کی اور حدیث کو حجت تو مانا مگر ثبوت میں کلام کیا۔ اس لیے دلالت سے بحث ہی نہیں کی اور اجماع کو حجت ہی نہیں مانا اور قیاس کی جگہ ایک اور چیز مخترع کر کے اس کو اصل معیار ثبوت احکام کا قرار دیا اور وہ مخترع چیز رائے ہے۔

انتباہِ ہشتم متعلق حقیقت ملائکہ و جن و منہم ابلیس

ملائکہ اور جن کا وجود جس طرح کا نصوص و اجماع سے ثابت ہے اس کا انکار محض کبھی اس بناء پر کیا جاتا ہے کہ اگر وہ جواہر موجود ہوتے تو محسوس ہوتے اور کبھی اس بناء پر کہ اس طرح کا وجود کسی شے کا کہ سامنے سے گزر جاوے اور محسوس نہ ہو سمجھ میں نہیں آتا یہ تو وجہ انکار کی ہوئی پھر چونکہ آیاتِ قرآنیہ میں بھی جابجا ان کے وجود کا اثبات کیا گیا ہے اور قرآن کے ثبوت میں کلام نہیں ہو سکتا تھا۔

اس لیے ان آیات میں ایسی بعید بعید تاویلیں کی جاتی ہیں کہ بالکل وہ حد تحریف میں داخل ہیں جن بناؤں پر ظاہری معنی کا انکار کیا گیا ہے ان کا غلط ہونا تو اُصول موضوعہ نمبر ۴ میں ثابت ہو چکا ہے یہ تو تحقیقی جواب ہے اور الزامی جواب یہ ہے کہ مادہ کے لیے قبل تلبس صور موجودہ کے جس قوام لطیف کو تم مانتے ہو جس کو مادہ سدیمیہ اور اثیریہ کہتے ہو وہ جوہر ہے اور کبھی تم نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا اور نیز اس کی کیفیت بجز تخیل مبہم کے شافی طور پر سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ چنانچہ یونانیین اس کے منکر بھی ہیں مگر بزعم اپنے دلیل کی ضرورت سے اس کو مانا جاتا ہے۔ حالانکہ کوئی دلیل بھی اس پر قائم نہیں۔ چنانچہ انتباہِ اوّل میں اس کی تحقیق بھی ہوئی ہے۔

پس جب کہ ایسے جواہر کے استحالہ پر کوئی دلیل عقلی قائم نہیں تو عقلاً ممکن الوجود ہوئے اور جس ممکن عقلی کے وجود پر دلیل نقلی صحیح قائم ہو اس کے وجود کا قائل ہونا واجب ہے۔ (اُصول موضوعہ نمبر ۲) اور نصوص میں ان جواہر کا وجود وارد ہے اس لیے ایسے جواہر کا قائل ہونا لابُد واجب ہوگا اور چونکہ اصل نصوص میں حمل علی الظاہر ہے

اس لیے اس کی تاویلات بعیدہ کرنا باطل ہوگا۔ اگر چہ دلیل عقلی بھی مرتبۂ ظنیت میں ہوتی۔ (اُصول موضوعہ نمبر ۷) چہ جائیکہ محض وہم غیر معتبر ہی ہو اور بعض نے علاوہ بناء مذکور کے کچھ اور شبہات بھی اس میں نکالے ہیں جو سید احمد کی تفسیر میں مذکور ہیں۔ سُو البرہان میں اس کا جواب دیکھ لیا جاوے۔

انتباہ نہم متعلق واقعات قبر و موجودات

آخرت...جنت...دوزخ...صراطِ میزان

ان سب کے معنی ظاہری کا انکار بھی اسی بناء پر کیا جاتا ہے جس پر حقیقت ملائکہ و جن کا انکار کیا جاتا ہے اور جب ان بناؤں کا سست ہونا انتباہ ہشتم میں ثابت ہو چکا اس سے اس انکار کا باطل ہونا بھی معلوم ہو گیا اور بعض نے اور شبہات بھی کیے ہیں ان میں سے بعض تو معتزلۂ قدیم سے منقول ہیں ان کا جواب کتب کلامیہ میں بغایت مسکت دیا گیا ہے اور بعض کسی قدر جدید عنوان سے پیش کیے جاتے ہیں۔ مجموع کا حاصل یہ ہے کہ جب قبر میں جسد میں روح نہیں رہتی۔ پھر اس کو ادراک الم اور نعیم کا کیسے ہو سکتا ہے پھر وہ سوال کو بے کان کے سنتا کیسے ہے اور جواب بے زبان کے دیتا کیسے ہے اور جنت دوزخ ہیں کہاں اور جس قدر ان کی وسعت بیان کی جاتی ہے وہ کون سے مکان میں سما سکتے ہیں اور صراط پر چلنا جبکہ وہ اس قدر باریک ہے کس طرح ممکن ہے اور میزان میں عمل جب کہ وہ اجسام نہیں ہیں رکھے کیسے جائیں گے ان سب کا مشترک جواب یہ ہے کہ ان سب شبہات کا حاصل استبعاد ہے اور استبعاد سے استحالہ لازم نہیں آتا۔ (اُصول موضوعہ نمبر ۳) اور جب استحالہ نہیں تو عقلاً سب اُمور ممکن ہوئے اور نصوص نے ان کی خبر وقوع کی دی۔ پس وقوع کا قائل ہونا واجب ہے۔ (اُصول موضوعہ نمبر ۲) اور خاص خاص جواب یہ ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ جسد میں اتنی روح ہو جس سے الم و نعیم کا اس کو ادراک ہو سکے اور یہاں کے مؤثرات سے متاثر نہ ہو اور نہ مؤثر برزخی سے وہ متحرک ہو جس

طرح ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ احتباس بول میں علاج کی ضرورت سے اس کو بیہوش کیا گیا تو سلائی چڑھانے کی تکلیف مطلق محسوس نہیں ہوئی لیکن ایک قسم کی گھٹن سے جی گھبراتا تھا اور حرکت نہ ہوسکتی تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جسد کو تالم وتنعم نہ ہو بلکہ روح اپنے جس مقر میں ہے وہاں اس پر سب کچھ گزر جاتا ہو۔

باقی یہ کہ وہ روح کہاں ہے ممکن ہے کہ فضائے واسع کے کسی حصے میں یہ مستقر ہو اور وہی عالم ارواح کہلاتا ہو اور اس امکان سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ اگر جسد محروق یا ماکول کسی حیوان کا ہو جاوے تو اس وقت کیسے عذاب وغیرہ ہوگا۔ رہا یہ کہ بے کان سننا بے زبان بولنا کس طرح ہوسکتا ہے۔ سو اوّل تو ادراک کے لیے یہ آلات شرائط عقلی نہیں ہیں محض شرائط عادی ہیں اور ہر ایک کے جدا احکام ہیں۔ (اُصول موضوعہ نمبر۳) ممکن ہے کہ اس عالم کی عادت اس کے خلاف ہو دوسرے ممکن ہے کہ وہاں روح کو کوئی اور بدن مناسب اس عالم کے مل جاتا ہو اور اس بدن میں بھی ایسے ہی آلات ہوں جیسا کہ بعض اہل کشف اس کے قائل بھی ہیں اور اس کا نام جسم مثالی رکھا ہے اور جنت دوزخ ممکن ہے کہ فضائے واسع کے اندر ہوں جس کو فلاسفہ حال غیر محدود مانتے ہیں اور صراط پر چلنا بحالت موجودہ گو مستبعد ہو مگر اس سے محال ہونا لازم نہیں آتا (اُصول موضوعہ نمبر۳) اور میزان میں عمل کا موزون ہونا اس طرح ممکن ہے کہ ہر عمل صحف میں درج ہوتا ہے اور وہ اجسام ہیں جیسا کہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے۔ سو ممکن ہے کہ ہر عمل حسن ایک خاص حصہ صحیفہ میں لکھا جاتا ہو اور حصص کے بڑھنے سے لامحالہ وزن بڑھے گا۔

نیز ممکن ہے کہ بعض حصص باوجود تساوی فی الکم کے عوارضِ خلوص وغیرہ سے خفت وثقل میں متفاوت ہو جاتے ہوں۔ چنانچہ ہم حرارت و برودت کو اجسام متساویۃ المقدار والماہیت کے تفاوت وزن میں دخیل دیکھتے ہیں اور اسی طرح اعمال سیئہ میں ہوتا ہو اور میزان میں یہ صحف تولے جاویں اور ان کے تفاوت سے لامحالہ اعمال کا تفاوت معلوم ہو جاوے گا اور حدیثوں سے بھی اسی احتمال کا اقرب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ

بطاقہ اور سجلات کے الفاظ مصرح ہیں۔پس وزن تو حقیقتاً ہوا۔البتہ اس وزن کی اضافت میں تجوز ہوا۔پس اگر اسی طرح وہاں بھی ہو جاوے تو کیا مضائقہ ہے اور اسی قبیل سے ہے۔شبہ نطق جوارح کا سو وہ بھی مستبعد عادی ہے محال عقلی نہیں ہے اور جب سے گراموفون دیکھا ہے اب تو نطق جوارح کو مستبعد کہنا بھی بیجا معلوم ہونے لگا ہے۔

انتباہ دہم متعلق بعض کائنات طبعیہ

ہر چند کہ شریعت مطہرہ کو کائنات طبعیہ سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔جیسا کہ تمہید میں مفصل بیان کیا گیا ہے مگر تکمیل مقصود کے لیے بالتبع کچھ مباحث اس میں مختصر طور پر وارد بھی ہیں۔سو اگر چہ ہم کو اس کی پوری حقیقت کی تفتیش اس لیے ضروری نہیں کہ وہ غرض شریعت سے تعلق نہیں رکھتی لیکن جس قدر اور جس طور پر کہ وہ وارد و منصوص ہے چونکہ کلام صادق میں واقع ہے لہٰذا اس کی ضد کا اعتقاد یا دعویٰ کرنا کلام صادق کی تکذیب ہے اس لیے جائز نہیں اس لیے ہم ایسے عقائد یا دعاوی کی تکذیب کو واجب سمجھیں گے بطور انموذج (نمونہ) کے بعض اُمور کا تذکرہ مثال کے طور پر نامناسب نہ ہوگا۔من جملہ ان کے اوّل بشر کا مٹی سے پیدا ہونا ہے جو نصوص میں مصرح ہے اس کی نسبت بناء بر مذہب ارتقاء کے یہ کہنا کہ حیوان ترقی کر کے آدمی بن گیا۔

جیسا کہ ڈارون کا وہم ہے یقیناً باطل ہوگا اس لیے کہ نص تو اس کے خلاف وارد ہے اور کوئی دلیل عقلی معارض اس کے ہے نہیں نہ ڈارون کے پاس جیسا کہ اس کی تقریر سے ظاہر ہے کہ محض اُس نے اپنی تخمین سے یہ حکم کر دیا اور نہ مقلدین ڈارون کے پاس جیسا کہ ان کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض ڈارون کی تقلید سے ایسا کہتے ہیں۔بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو تقلید بھی اس کی ناتمام ہے اصل میں بھی اور فرع میں بھی۔ اصل میں تو اس طرح کہ اس کے اس قائل ہونے کی اصل اور مبنیٰ جس سے ایسے مضحکہ کے قائل ہوئے۔نہ کی ضرورت واقع ہوئی صرف یہ ہے کہ وہ بوجہ دہری ہونے کے خالق

سبحانہ کا منکر ہے۔ اس لیے مذہب کا قائل ہونا اس کو ممکن نہ ہوا اور مذہب ارتقاء ایجاد کرنا پڑا۔ پس لامحالہ ہر شے کے تکون کی طبعی عادت اور کیفیت نکالنا اس کو ضرور ہوا۔

پس انسان کی پیدائش میں اُس نے یہ احتمال نکالا اور جو شخص وجود خالق کا قائل ہے جیسے اہل ملت خصوص اہل اسلام ان کو خود مذہب ارتقاء ہی کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں مذہب خلق کے قائل ہو سکتے ہیں اور بشر کی تخلیق بھی اسی طور سے مان سکتے ہیں۔ پھر ان کو کیا ضرورت پڑی کہ ایسی مضحکہ کے قائل ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس اصل نے ڈارون کو مضطر کیا یعنی انکار صانع خود اس اصل میں اہل اسلام اس سے متفق نہیں۔ پس اصل میں تو یوں تقلید نہ ہوئی۔ رہی فرع اس میں اس لیے تقلید ناتمام ہے کہ وہ جو بطور ارتقاء کے کسی حیوان کے آدمی بن جانے کا قائل ہے۔

سو کسی ایک فرد میں اس کا قائل نہیں اور نہ اس کو ایسے قائل ہونے کی کوئی طبعی ضرورت ہے بلکہ اس کا قول یہ ہے کہ جس وقت ترقی کرتے کرتے طبیعت حیوانیہ میں انسان ہونے کی صلاحیت پیدا ہوئی ایک وقت میں ایک کثیر تعداد میں کسی حیوان کے افراد انسان بن گئے اور اہل اسلام چونکہ نصوص کی ضرورت سے کہ اس میں اوّل البشر کا توحد وارد ہے اس کے قائل ہو نہیں سکتے۔ لہٰذا فرع میں بھی موافقت نہ ہوئی۔ جیسا اس زمانہ میں بعضے بے باک ناعاقبت اندیش گستاخ اس کے قائل ہوگئے ہیں کہ جو بندر سب سے اوّل آدمی بنا ہے آدم اسی کا نام ہے نعوذ باللہ منہ۔

اس قول میں جو گستاخی ہے وہ تو الگ رہی مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس گستاخی کے قائل ہونے کے بعد بھی ڈارون کی موافقت کی دولت نصیب نہ ہوئی۔

از یں سو راندہ از اں سو ماندہ کی مثل صادق آ گئی اور منجملہ ان اُمور کے رعد و برق و مطر کا تکون ہے کہ روایات میں جو ان کے تکون کی کیفیت وارد ہے اس کی تکذیب محض اس بناء پر کہ بعض آلات کے ذریعے سے ان چیزوں کا تکون دوسرے طور پر مشاہدہ کر لیا گیا ہے اس لیے جائز نہیں کہ دونوں میں اگر تعارض ہوتا تو بیشک ایک کی تصدیق

کہ مشاہدہ اس کی طرف مضطر کرتا ہے۔ دوسرے کی تکذیب کو مستلزم ہوتی اور تعارض کی کوئی دلیل نہیں۔ ممکن ہے کہ کبھی ایک نوع کے اسباب سے ان کا تکون ہوتا ہو، کبھی دوسری نوع کے اسباب سے اور نہ روایات میں ایجاب کلی کا دعویٰ ہے اور مشاہدہ سے تو موجبہ کلیہ حاصل ہو ہی نہیں سکتا دونوں جگہ قضایائے جزئیہ یا مہملہ کہ قوت جزئیہ میں ہے حاصل ہوتے ہیں اور دو جزئیہ میں تناقض نہ ہونا معلوم و مسلم ہے۔ پس جب تعارض نہیں تو دونوں کی تصدیق ممکن ہے۔

پھر روایات کی تکذیب کی کیا ضرورت ہے اور من جملہ ان اُمور کے اسباب طاعون کی روایات میں کہ وہ معاصی یا وَخزِ جِنٍ سے واقع ہوتا ہے۔ سو یہ بھی اس مشاہدہ کے معارض نہیں جس سے اس کا سبب خاص کیڑے ثابت ہوئے ہیں اس میں بھی وہی تقریر بالا ہے۔ منجملہ ان اُمور کے مرض کا متعدی نہ ہونا ہے اس کا بھی اس وقت تجربے کی بناء پر انکار کیا جاتا ہے۔ سو عندالتامل اس میں بھی تعارض نہیں کیونکہ عدوی کی نفی کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ ضروری نہیں اس طرح سے کہ کبھی تخلف نہ ہو اور خود مؤثر ہو بلا اذنِ خالق اور مشاہدہ سے اس طرح کا عدوی ہرگز ثابت نہیں ہوا بلکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے کہ کبھی عدوی نہیں بھی ہوتا اور نصوص سے ہر امر کا موقوف ہونا ارادۂ الٰہیہ پر ثابت ہے۔ من جملہ ان کے تعدد ارض ہے کہ روایات میں مذکور ہے اس کا انکار محض اس بناء پر کرنا کہ اب تک مشاہدہ نہیں ہوا جائز نہیں کیونکہ عدم مشاہدہ مشاہدۂ عدم کو مستلزم نہیں اور احتجاج ثانی سے ہو سکتا ہے نہ اوّل سے۔

رہا یہ سوال کہ روایات میں ان کا تحت ارض ہونا آیا ہے سو ہم نے کرۂ ارض کے گردا گرد پھر کر دیکھا کسی جانب بھی اُن کا وجود نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ فضائے واسع میں اس ارض سے اس قدر دور ہوں کہ نظر نہ آتی ہوں یا بہت چھوٹی نظر آتی ہوں اور ہم ان کو کواکب سمجھتے ہوں اور تحت ہونا بعض حالات و بعض اوقات کے اعتبار سے ہو ورنہ تبدیل وضع سے کبھی فوق ہو جاتی ہوں کبھی تحت۔ منجملہ ان اُمور کے

یاجوج ماجوج کا وجود ہے یہاں بھی عدم مشاہدہ سے استدلال ہے جس میں استدلال کی صلاحیت نہ ہونا اوپر معلوم ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ جس قطب کی اب تک تحقیق نہیں ہو سکی وہاں موجود ہوں اور ممکن ہے کہ کوئی بڑا جزیرہ اب تک انکشاف سے رہ گیا ہو۔

منجملہ ان کے آسمان کا جسم صلب اور اس کا متعدد ہونا ہے اس میں بھی اسی عدم مشاہدہ کا حجت نہ ہونا یاد دلاتا ہوں۔ منجملہ ان اُمور کے بعض کواکب کا متحرک ہونا ہے جیسے شمس اور قمر کہ نصوص میں حرکت کو ان کی طرف منسوب فرمایا گیا ہے جس سے ظاہر اتصاف حقیقت میں ہے حرکت کے ساتھ نہ کہ محض رویت میں اور اس سے ہم کو مقصود انکار کرنا ہے سکونِ شمس سے نہ کہ انکار کرنا حرکتِ ارض سے، شریعت نے اس سے نفیاً یا اثباتاً بالکل بحث نہیں کی۔ ممکن ہے کہ دونوں میں خاص خاص حرکت ہو جس کے مجموعہ سے یہ اوضاع مشاہدہ حاصل ہوتی ہوں۔ منجملہ ان اُمور کے نظام حرکت موجودہ شمس کا اس طور سے متبدل ہو جانا ہے کہ وہ بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع کرے۔ محض اس نظام کا دوام مشاہد اس تبدیل کے استحالہ کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ علوم عقلیہ میں ثابت ہو چکا ہے اور ظاہر بھی ہے کہ دوام مستلزم ضرورت کو نہیں اور اگر خلاف فطرت ہونے کا شبہ ہو تو اس کا حل انتباہِ دوم میں ہو چکا ہے۔

منجملہ ان اُمور کے جہت فوق میں جسم بشری کے اس قدر بلند ہونے کا امکان ہے کہ جہاں ہوا نہ ہو اس وقت محض اس بناء پر کہ اس جگہ زندہ رہنا خلافِ فطرت ہے اس کا انکار کیا جاتا ہے اور اسی کی فرع ہے معراج جسمانی کا انکار، سو خلافِ فطرت کی بحث اوپر انتباہِ دوم میں ملاحظہ فرما کر اس کا جواب حاصل کر لیا جاوے اور اگر احتمال عقلی کو وسعت دی جاوے تو خلافِ فطرت کا قائل ہونا بھی نہیں پڑتا کیونکہ ایسی جگہ زندہ رہنا بشر کا اس وقت خلاف عادت ہے جب وہاں ایک معتد بہ وقت تک مکث بھی ہو اور اگر برق کی طرح حرکت شریعہ کے ساتھ نفوذ ہو جاوے تو اس وقت حیات خلافِ فطرت بھی نہیں جیسا ہم دیکھتے ہیں کہ اگر انگلی کو تھوڑی دیر تک آگ میں رکھا جاوے جل جاتی ہے لیکن اگر

جلدی جلدی اس کو نکال لے جاوے تو نہیں جلتی حالانکہ آگ کے اندر سے عبور ہوا ہے سو اگر معراج میں اس طبقے میں سے فوراً نکال کرا و پر لیجاویں اور وہاں ہَوا یا ہَوا کا ہم خاصیت کوئی دوسرا جسم فضاء یا سماء میں موجود ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔

انتباہ یازدہم متعلق مسئلہ تقدیر

مرجع اس مسئلہ کا علم وتصرف ارادۂ خداوندی ہے جو خدا کا اور اس کی صفات کمال کا قائل ہوگا۔ اس کو اس کا قائل ہونا واجب ہوگا مگر اس وقت اس مسئلہ میں بھی چند غلطیاں کی جاتی ہیں۔ بعض تو سرے سے اس کا انکار ہی کرتے ہیں اور بنائے افکار محض ان کا یہ خیال ہے کہ اس مسئلہ کے اعتقاد سے تدبیر کا ابطال ہوتا ہے اور تدبیر کا معطل ہونا اصل بنیاد ہے۔ تمام کم ہمتی وپستی کی اور واقع میں یہ خیال ہی خود غلط ہے کوئی شخص اپنے سوءِ فہم سے تدبیر کو باطل و معطل سمجھ جاوے تو یہ مسئلہ اس کا ذمہ دار نہیں لیکن کسی نص نے تدبیر کا ابطال نہیں کیا بلکہ سعی واجتہاد وکسب معیشت **وَتَزَوَّدُ لِلسَّفر** وتدابیر دفع مفاسد ومکائد عدو وغیرہ بے شمار نصوص میں "مُصَرحًا" وارد ہیں۔ بعض احادیث میں اس اشکال کا کہ دواء ودُعاء وغیرہ کیا دافع قدر ہیں کیا مختصر وکافی جواب ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "ذٰلِکَ مِنَ الْقَدْرِ کُلِّہٖ" اور بعض نے نصوص صریحہ کو دیکھ کر انکار کی تو گنجائش نہیں دیکھی مگر یہ سمجھ کر کہ اس میں انسان کا مجبور اور غیر مختار ہونا جو کہ خلاف مشاہدہ ہے لازم آتا ہے اس کی تفسیر بدل ڈالی اور اس کی یہ تفسیر قرار دی کہ تقدیر علم الٰہی کا نام ہے اور علم چونکہ معلوم میں متصرف نہیں ہوتا۔

اس لیے اس کے تعلق سے وہ اشکال لازم نہیں آتا اور مثال اس کی نجومی کے مطلع ہونے اور اس کے پیشین گوئی کرنے سے دی کہ اگر وہ کہہ دے کہ فلاں تاریخ فلاں شخص کنویں میں گر کر مر جاوے گا اور ایسا ہی واقع ہوگیا تو یوں نہ کہیں گے کہ اس نجومی نے قتل کر دیا لیکن نصوص میں نظر کرنے والا دریافت کر سکتا ہے اور عقلی مسئلہ بھی ہے کہ جس طرح کوئی واقعہ تعلق علم الٰہی سے خالی نہیں اسی طرح کوئی واقعہ تعلق ارادۂ

الٰہیہ سے بھی خالی نہیں اور تقدیر کی یہی حقیقت ہے اور اگر کوئی شخص اپنی اصطلاح میں اس کا نام تقدیر نہ رکھے لیکن خود اس تعلق ارادہ کا تو انکار نہیں کرسکتا۔ پس تقدیر کی تفسیر بدلنے سے اشکال سے کیا نجات ہوئی۔

پس تحقیق اس کی یہ ہے کہ خود یہی مقدمہ غلط ہے کہ خلاف ارادۂ خداوندی کے محال ہونے سے نفی اختیار کی لازم ہے اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی الزامی یہ ہے کہ اگر اس سے نفی اختیار کی لازم آجاوے تو ظاہر ہے کہ ارادۂ الٰہیہ خود افعال الٰہیہ سے بھی متعلق ہے تو لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا بھی اختیار اُن افعال پر باقی نہ رہے اور حالانکہ اس کا کوئی عاقل قائل نہیں ہوسکتا اور تحقیقی جواب کہ وہی حقیقت میں اس کا راز ہے یہ ہے کہ ارادہ کا تعلق افعال عباد کے محض وقوع ہی کے ساتھ نہیں بلکہ ایک قید کے ساتھ ہے یعنی وقوع باختیار ہم پس جب تعلق ارادہ اس متعلق کے وجوب کو مستلزم ہے تو اس سے تو اختیار عباد کا اور وجود مؤکد ہو گیا نہ کہ وہ منفی ہو گیا ہو اور یہ بہت ہی ظاہر ہے اور یہ شبہ کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جو اس مسئلہ کے قائل ہیں وہ بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی کاہلی کا اثر ہے نہ کہ اس مسئلہ کا اگر اس مسئلہ کا یہ اثر ہوتا تو صحابہ (نعوذ باللہ) سب سے زیادہ کم ہمت ہوتے۔

بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اس کا اثر تو یہ ہے کہ اگر تدبیر ضعیف بھی ہو جب بھی کام شروع کر دے۔ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کہ جب نظر حق تعالیٰ پر تھی تو باوجود بے سروسامانی کے محض توکل پر کیسے جان توڑ کر خطرات میں جا گھسے اور یہی مضمون ہے۔ اس آیت کا ”كَمْ مِنْ فِئَةٍ قليلةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ“ اور حدیث میں قصہ مصرح آیا ہے کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس میں مقدمہ ہار گیا اور ہار کر کہا کہ ”حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ“ تو آپ نے فرمایا ”اِنَّ اللّٰهَ يَلُوْمُ عَلَى الْعَجْزِ فَاِذَا غَلَبَكَ اَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ“ البتہ یہ اثر لازم ہے کہ وہ تدبیر کو مؤثر حقیقی نہ سمجھے گا تو یہ خود دلیل صحیح عقلی و نقلی کا مقتضا ہے۔

اس پر کیا ملامت ہوسکتی ہے؟ بلکہ اس کے خلاف کا اگر اعتقاد ہوتو وہ قابل ملامت ہے۔ایسا شخص تدبیر کا اتنا درجہ سمجھے گا جیسے جھنڈی کا درجہ ہوتا ہے۔ریل کے رُک جانے کی نسبت کہ نہ معطّل ہے نہ مؤثر حقیقی۔پس وہ چوکیدار جب کسی خطرے کے وقت ریل کو روکنا چاہے گا تو تدبیر تو یہی کرے گا مگر نظر اس کی ڈرائیور یا گارڈ پر ہوگی اور بزبانِ حال وہ مترنم ہوگا۔

کار زلفِ تست مُشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے برآ ہوئے چین بستہ اند

رہا یہ کہ جب یہ مسئلہ اس طرح عقل ونقل سے ثابت ہے تو اس کی کاوش سے ممانعت کیوں بیان کی جاتی ہے۔وجہ اس کی یہ ہے کہ بعض شبہے عقلی نہیں ہوتے طبعی ہوتے ہیں جس کی شفاء کے لیے دلیل کافی نہیں ہوتی بلکہ وجدان کے صحیح ہونے کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ اہل وجدان صحیح کم ہیں اس لیے کاوش سے ایسے شبہات بڑھنے کا اندیشہ ہے جو تمدن اور آخرت دونوں کے لیے مضر ہے اس لیے مقتضائے شفقت وحکمت نبویہ کا یہی ہوا کہ اس سے روک دیا جاوے۔جیسا شفیق طبیب مریض ضعیف کو قوی غذا سے روکتا ہے۔

انتباہِ دوازدہم متعلق ارکان اسلام وعبادات

بعض نے ان میں یہ غلطی کی ہے کہ ان احکام کو مقصود بالذات نہیں سمجھا بلکہ ہر حکم کی اپنی رائے سے ایک حکمت نکال کر اُن حِکَم کو مقصود سمجھا اور ان حکمتوں اور مصلحتوں کو دوسرے طرق سے حاصل کرسکنے کے بعد پھر اُن احکام کی ضرورت نہیں سمجھی۔مثلاً نماز میں تہذیب واخلاق کو اور وضو میں صرف تنظیف کو اور روزے میں تعدیل قوت بہیمیہ کو اور زکوٰۃ میں ایسے لوگوں کی دستگیر کو جو ترقی کے ذرائع پر قادر نہیں اور حج میں اجتماع تمدنی اور ترقی وتمرن تجارت کو اور تلاوت قرآن میں صرف مضامین پر مطلع ہونے

کو اور دُعائیں صرف نفس کی تسلی کو اور اعلائے کلمۃ اللہ میں صرف امن و آزادی کو مصلحت قرار دے کر جب ان مصالح کی ضرورت نہ رہی یا وہ مصالح دوسرے اسباب سے حاصل ہوسکیں۔ان حالتوں میں ان احکام کو لایعنی قرار دیا اور نفس کو جب اتنا سہارا ملا پھر مصالح کے حصول کا بھی انتظار نہ رہا۔ بالکل ان کو چھوڑ کر معطل ہو بیٹھے۔

اس کا مفصل رد انتباہ سوم کی غلطی ششم کے بیان کے ضمن میں ہو چکا ہے مگر حسب ضرورت پھر اعادہ کیا جاتا ہے اور کبھی اس میں یہ خرابی ہوگی کہ احکام میں تصرف و تغیر کرے گا۔ جیسا اس وقت قربانی میں بعض لوگوں نے کیا ہے کہ مقصود اس سے محض انفاق تھا اس وقت بوجہ مواشی ہونے کے اس کی یہی صورت تھی۔

اب روپیہ کی حاجت ہے اب اس کی صورت بدل دینا چاہیے۔ پھر یہ کہ کہاں تک حکمتیں نکالی جاویں گی، کیا کوئی شخص اعداد رکعات کی حکمت بتلا سکتا ہے اور اگر عقل ان اُمور کے لیے کافی ہوتی تو انبیاء کے آنے ہی کی ضرورت نہ تھی جبکہ دُنیا میں بہت سے عقلاء و حکماء ہر زمانے میں پائے گئے ہیں اور حقیقت میں اگر غور کیا جاوے تو ان مصالح کا اختراع کرنا جو درحقیقت سب راجع الی الدنیا ہیں در پردہ مقصودیت آخرت سے انکار ہے۔ کیا اگر آخرت واقع ہے اور ظاہر ہے کہ وہ دوسرا عالم ہے اس کے خواص ممکن ہے کہ یہاں کے خواص سے کچھ نسبت نہ رکھتے ہوں۔

جیسا ایک اقلیم کو دوسری اقلیم سے اور مریخ کو اس ارض سے اور وہ خواص ہم کو معلوم نہ ہوں اور ان کا حاصل ہونا خالص اعمال پر موقوف ہو جن کی مناسبت و ارتباط کی وجہ ہم کو معلوم نہ ہوسکتی ہو۔ اس سب کے علاوہ اگر کوئی یہی معاملہ قوانین حکام وقت کے ساتھ کرے کہ ہر حکم کی ایک مصلحت و حکمت اختراع کر کے اور اس مصلحت کو دوسرے سہل طریقے سے حاصل کر کے اصل قانون کی بجا آوری سے انکار کر بیٹھے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حکام اس کے واسطے کیا تجویز کریں گے۔ ادنیٰ سی بات ہے کہ اگر کسی کے نام عدالت سے بحیثیت شہادت سمن آوے اور وہ اطلاع یابی لکھ کر عین تاریخ

پر حاضر نہ ہو مگر یہ کہہ کر کہ مقصود حاضری سے شہادت ہے جس کا دوسرا طریق بھی سہل ہے بذریعہ رجسٹری تمام اظہارات قلمبند کر کے ڈاک میں بھیج دے۔

خاص کر جب کہ حاکم عدالت اس شخص کے دستخط بھی پہچانتا ہو تو کیا یہ شخص اس اعلان کا جو کہ سمن میں تھا کہ اگر حاضر نہ ہو سکے تو وارنٹ جاری کیا جاوے گا، مستحق نہ ہوگا یا بجائے سلام کے ایک پرچہ لکھ کر دیدیا کرے کیا کافی ہوگا اور ہماری اس تقریر سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ہم شرائع و احکام کو حِکم و اسرار سے خالی سمجھتے ہیں یا یہ کہ اس کے اسرار پر حکمائے اُمت کو بالکل اطلاع نہیں ہوئی۔ ضرور اس میں اسرار ہیں اور اطلاع بھی کسی قدر ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مدار امتثال کا وہ اطلاع نہیں ہے اگر اطلاع بھی نہ ہوتا ہم واجب الامتثال ہیں۔

بعینہٖ قانون ملکی کا سا حال ہے کہ رعایا کو اس کے ماننے میں انکشاف لِم (علت) کا انتظار جرم عظیم ہے اور پھر بھی جو کچھ بیان کر دیا جاتا ہے وہ تبرع ہے۔ جس قدر اطلاع ہے وہ بھی ظنی اور تخمینی ہے اور بعض کی بالکل بھی نہیں ہے اور اس کا کچھ تعجب نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ گھر کے نوکر کو بعض انتظامات خانگی کی لِم نہیں معلوم ہو سکتی حالانکہ وہ منتظم بھی مثل نوکر کے مخلوق ہے، جب مخلوق کو مخلوق کے بعض اسرار معلوم نہیں حالانکہ دونوں کے علم میں نسبت محدود ہے تو خالق کے اسرار پر اگر مخلوق کو بالکل ہی اطلاع نہ ہو یا صحیح اطلاع نہ ہو کیونکہ دونوں کے علم میں تفاوت غیر متناہی ہے تو کیا تعجب ہے بلکہ بقول ایک فلسفی کے اگر سب احکام کی وجوہِ عقلیہ بالتمام معلوم ہو جاویں تو شبہ یہ پڑے گا کہ شاید کسی ایک فرد یا ایک جماعت اہل عقل کا یہ مذہب تراشا ہوا ہو کہ دوسرے عقلاء بھی اس کی لِم تک پہنچ گئے۔ خدائی مذہب کی تو شان یہ ہونا چاہیے کہ اس کے اسرار تک کسی کو بالکل یا بتمامہ رسائی نہ ہو اور نہ اس تقریر سے یہ گمان کیا جاوے کہ جن احکام کی وجہ عقلی سمجھ میں نہیں آئی وہ عقل کے خلاف ہیں ہرگز نہیں عقل کے خلاف ہونا اور بات ہے اور عقل میں نہ آنا اور بات ہے۔ (اُصول موضوعہ نمبرا)

انتباہِ سیزدہم متعلق معاملات باہمی وسیاسیات

اس کے متعلق ایک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ معاملات وسیاسیات کو دین وشریعت کا جزو نہیں سمجھتے محض تمدنی اُمور سمجھ کر اس کا مدار رائے ومصلحت زمانہ پر سمجھا جاتا ہے اور اس میں اپنے کو تصرف کرنے کا مختار سمجھا جاتا ہے اور اسی بناء پر ربوا تک کے حلال کرنے کی فکر میں ہیں اور علماء کو بھی اس کی رائے دیتے ہیں اور ان کے قبول نہ کرنے پر غیظ وغضب کا معاملہ فرماتے ہیں اور ان کو ترقی کا دُشمن سمجھتے ہیں۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ شریعت میں کسی چیز کے داخل ہونے نہ ہونے کا معیار اوّل تحقیق کرلیا جاوے تاکہ اس کا آسانی سے فیصلہ ہوجاوے۔ سو وہ صرف ایک ہی چیز ہے وعدۂ ثواب یا وعید عذاب اس کے بعد آپ قرآن وحدیث کو ہاتھ میں لے کر پڑھو اور غور کرو۔ جابجا ان ابواب میں ثواب عذاب کے وعدے اور وعیدیں نظر پڑیں گی۔ پس جب معیار محقق ہے اب جزو شریعت ہونے میں کیا شبہ رہا۔ انتباہ سوم کی غلطی چہارم وپنجم کے ضمن میں اس کا مفصل ذکر ہوچکا ہے۔ البتہ شاید ان مسائل میں شبہ باقی رہے جو منصوص نہیں صرف مجتہدین کے قیاس سے ثابت ہیں۔

سو ان کا جزو شریعت ہونا انتباہ ہفتم میں بضمن بیان غلطی اوّل اور غیر مجتہد کی رائے کا معتبر نہ ہونا اور ہم لوگوں کو مجتہد نہ ہونا اسی انتباہ میں بضمن بیان غلطی چہارم مذکور ہوچکا ہے۔ اس تقریر سے ان سب شبہات کا جواب ہوگیا جو تعدد ازواج یا طلاق یا ربوا یا تجارت کی جدید صورتوں مثل بیمہ وغیرہ یا ملازمت کی نئی شاخوں یا میراث یا مقاتلۂ حربیین وغیرہ مسائل کے متعلق پیش کیے جاتے ہیں اور اگر کسی کو معاملات وسیاسیات کے جزو شریعت یا شریعت دائمہ نہ ہونے کا اس سے شبہ ہوگیا ہو کہ ہم بعض احکام کو مضر تمدن دیکھتے ہیں۔

پس یا تو وہ احکام الٰہیہ نہیں ہیں یا اس زمانے کے ساتھ خاص ہوں گے، اس کا حل انتباہ سوم میں بضمن تقریر شبہ متعلقہ غلطی پنجم مذکور ہوچکا ہے۔ پس ہم کو اس کی بھی۔ ضرورت نہیں کہ ان احکام کو زبردستی مصالح موہومہ پر منطبق کرکے آیات و

احادیث کے غلط معنی گھڑ ہیں اور احکام کو ان کی اصلیت سے بدلیں۔ جیسا مدعیان خیرخواہی اسلام کی عادت ہوگئی ہے کہ مبانی اعتراض پر مطالبہ دلیل کو بے ادبی سمجھ کر اعتراض کو تسلیم کر کے خود حکم معترض علیہ کو فہرست احکام سے نکال کر اس کی جگہ دوسرا حکم محرف بھرتی کر کے اس مضمون کے مصداق بنتے ہیں "وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اِلٰى قوله وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ" اور اصل جڑ خرابی کی حب دُنیا و تملق اہل دنیا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جن اہل دُنیا کے تملق میں جن مبانی کو تسلیم کر کے اُصول اسلامیہ کو بدلا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل دُنیا اُن اُصول کو تسلیم کرلیں تو یہ محبین فوراً اپنی سابق رائے کو چھوڑ کر ان مبانی کو غلط بتلانے لگیں گے۔ غرض قبلہ توجہ ایسے لوگوں کا رضا ہے، اہل دُنیا کی جس میں رضا ہو، اُدھر ہی پھر جاویں گے، جیسے جہاز کا نمازی جہاز کے گھوم جانے سے خود بھی گھوم جاتا ہے۔

انتباہِ چہاردہم متعلق معاشرات وعادات خاصہ

اس میں بھی مثل معاملات وسیاسیات کے یہ غلطی کی جاتی ہے کہ اس کا تعلق بھی دین سے نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کا مدار اپنی ذاتی آسائش اور آرائش اور پسند اور مصلحت پر سمجھا جاتا ہے اس غلطی کا بھی اسی معیار سے جواب سمجھ لینا چاہیے جو انتباہ سیزدہم میں مذکور ہو چکا ہے البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن اُمور میں نہ جزئی حکم ہے نہ کلی وہ بیشک اختیار میں ہیں جس طرح چاہیں ان میں برتاؤ رکھیں ورنہ جو امور جزئیاً یا کلیاً منصوص ہیں، ان میں ہرگز کسی کے اختیار کی گنجائش نہیں جزئیاً مثلاً یہ کہ ریشمی کپڑا امرد کو حرام ہے اور مثلاً یہ کہ کعبین سے نیچے ازار وغیرہ کا اسبال حرام ہے اور مثلاً یہ کہ داڑھی کٹانا یا منڈوانا حرام ہے اور مثلاً یہ کہ جاندار کی تصویر رکھنا یا تصویر بنانا حرام ہے اور مثلاً یہ کہ کتا بلاضرورت پالنا معصیت ہے اور مثلاً یہ کہ غیر مذبوح جانور کھانا حرام ہے۔ جیسا ذبح قواعد سے جس وقت مشروع ہو اضطراری یا اختیاری اور مثلاً یہ کہ شراب یا روح شراب کا استعمال ناجائز ہے دواءً ہو یا غذاءً خارجی استعمال ہو یا داخلی اور کلیاً، مثلاً

یہ کہ تشبہ کفار کے ساتھ ناجائز ہے۔لباس میں ہو یا طرز اکل وشرب میں ہو اور مثلاً یہ کہ چندہ جب طیب خاطر سے نہ ہو یا خداع سے ہو نا جائز ہے یا جو سواری ولباس تفاخر و تکبر واظہار شان کے لیے ہو وہ واجب التحرز ہے۔وعلیٰ ہذا

ان اُمور میں کوئی شخص مخیّر وآزاد نہیں ہے۔اس زمانے میں آزادی کو ایک خاص مشرب ٹھہرایا گیا ہے اور اس کا محل ایسے اُمور زیادہ قرار دیئے گئے ہیں اور ناصحین سے مختلف طور پر اُلجھتے ہیں کبھی ان کا ثبوت قرآن سے مانگا جاتا ہے اور حدیثوں میں شبہات نکالے جاتے ہیں، کبھی ان کی لم اپنی طرف سے تراش کر ان میں تصرف کیا جاتا ہے، کبھی ان کی لم عقلی دریافت کی جاتی ہے کبھی ان احکام سے تمسخر کیا جاتا ہے، کبھی ان عادات کی مصلحتیں بیان کی جاتی ہیں، ان سب اُمور کا جواب انتباہات سابقہ میں ہو چکا ہے۔اصل یہ ہے کہ ضوابط قانونیہ کے سامنے کسی کی رائے کوئی چیز نہیں نہ لم کی تفتیش کی اجازت ہے اور اگر کوئی حکمت یا سر تقریب فہم کے لیے بیان کر دیا جاوے وہ محض تبرع ہے وہ اصل جواب نہیں مگر مذاق ایسا بگڑا ہے کہ ان مضامین کو بڑا وقیع سمجھتے ہیں اس لیے ہم بھی تبرعاً اتنا بیان کیے دیتے ہیں کہ کیا کسی کو اپنی زوجہ کے کپڑے پہن کر مجلس میں آنا محض اسی تشبہ کی بناء پر معیوب معلوم نہ ہوگا اور کیا حکام تمدن کہ محض عقل ہی پر سب اُمور کا مدار سمجھتے ہیں۔اجلاس پر آنے والوں کے لیے لباس میں کوئی قید قانونی پر عمل کرانے پر مجبور نہیں کرتے اور کیا اس کی مخالفت توہین عدالت نہیں ہے تو کیا شریعت کو اتنی دست اندازی کا بھی حق حاصل نہیں۔

انتباہِ پانزدہم متعلق اخلاق باطنی وجذبات نفسانیہ

ان میں ایک غلطی تو مثل معاملات وسیاسیات ومعاشرت کے مشترک ہے کہ اس کو بھی جزو دین نہیں سمجھا جاتا اور اس خیال کے غلط ہونے کی دلیل بھی وہی ہے جو معاملات وغیرہ میں مذکور ہوئی یعنی نصوص میں خاص خاص اخلاق پر ثواب یا عقاب کا وارد ہونا اور ایک غلطی خاص یہ کی جاتی ہے کہ بعض اخلاقِ حمیدہ وذمیمہ کی فہرست میں

خلط کردیا گیا ہے یعنی بعض ایسے اخلاق کو اچھا نام رکھ کر حمیدہ قرار دیا گیا ہے جو اپنی حقیقت واقعیہ کے اعتبار سے ذمیمہ ہیں اور بعض کو بالعکس چنانچہ قسم اوّل میں سے ایک وہ ہے جس کو ترقی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حقیقت اس کی حرص مال وحرص جاہ ہے اور اس میں سے ایک وہ ہے جس کا نام اعزاز رکھا گیا ہے اور حقیقت اس کی کبر ہے اور اس میں سے ایک وہ ہے جس کو ہمدردی قومی کہا جاتا ہے کہ حقیقت اس کی عصبیت ہے جس میں حق ناحق کا امتیاز بھی نہیں کیا جاتا اور اس میں سے ایک وہ ہے جس کو سیاسی حکمت کہتے ہیں جس کی حقیقت تلبیس اور خداع ہے، ایک وہ ہے جس کو رفتارِ زمانہ کی موافقت کہا جاتا ہے جس کی حقیقت منافقت ہے۔ وعلیٰ ہذا

اسی طرح قسم ثانی یعنی وہ بعض اخلاق جن کو ذمیمہ میں داخل کیا ہے اور وہ واقع میں حمیدہ ہیں۔ ان بعض میں سے ایک قناعت ہے جس کو پست ہمتی کہتے ہیں، ایک اُن میں سے توکل وتفویض ہے جس کو تعطل قرار دیا گیا ہے، ایک ان میں سے حمیت دینی وتصلب فی الدین ہے جس کا نام تعصب وتشدد رکھ دیا ہے۔ ایک ان میں سے بذاذت ہے جس کو تذلل سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک ان میں سے تواضع ہے جس کو دناءت وخساست سے نامزد کرتے ہیں۔ ایک ان میں سے تقویٰ ہے جس کو وہم ووسوسہ کہنے لگتے ہیں، ایک ان میں سے فضول صحبت سے عزلت ہے جس کو وحشت کہتے ہیں۔ وعلیٰ ہذا

اور بعض اخلاق ذمیمہ کا نام نہیں بدلا مگر اس کے مرتکب ہیں اور مستحسن سمجھ کر مرتکب ہیں۔ ایک ان میں سے سوءِ ظن ہے۔ ایک ان میں سے ظلم اور حقوقِ غرباء سے بے پروائی ہے۔ ایک ان میں سے بے رحمی ہے مساکین کے ساتھ، ایک ان میں سے تحقیر ہے ایک ان میں سے قلت ادب ہے، ایک ان میں سے غیبت وعیب جوئی وعیب گوئی ہے۔ اہل علم واہل دین کی ایک ان میں سے ریا وتفاخر ہے۔

ایک ان میں سے اسراف ہے، ایک ان میں سے غفلت عن الآخرت ہے وغیرہ وغیرہ اور حقائق اِن اَخلاق کے کتبِ اخلاق میں دیکھنے سے منکشف ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً کتب مصنفہٗ حجۃ الاسلام علامہٗ غزالی اس کے لیے بینظیر ہیں۔

انتباہِ شانزدہم متعلق استدلال عقلی

آج کل اس کا بہت استعمال ہے مگر باوجود کثرتِ استعمال کے اب تک بھی اُس کے استعمال میں متعدد غلطیاں کی جاتی ہیں۔ ایک اُن میں سے یہ کہ دلیل عقلی کو مطلقاً دلیل نقلی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کا قاعدہ اُصول موضوعہ نمبر ۷ میں بیان ہو چکا ہے۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ تخمین واستقراء کو دلیل عقلی سمجھتے ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ فروع شرعیہ کو عقل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ نظیر کو ثبوت سمجھ کر کبھی خود بھی اس پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی دوسرے سے باوجود اُس کے دلیل قائم کرنے کے نظیر کا مطالبہ کرتے ہیں، ایک ان میں سے یہ ہے کہ اُمور ممکنۃ الوقوع پر دلیل عقلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان دونوں امر کا غلط ہونا اُصول موضوعہ نمبر ۵ و نمبر ۶ میں ثابت ہو چکا ہے۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ استبعاد سے استحالہ پر استدلال کرتے ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ عادت اور عقل کو متحد سمجھتے ہیں۔ وقِس علیٰ ذالک

اختتامی التماس

سر دست اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اس کے بعد اگر خدائے تعالیٰ مجھ کو یا کسی اور کو توفیق بخشیں تو اسی موضوع پر جس کی تفصیل تمہید میں کی گئی ہے اور اضافہ کی گنجائش ہے گویا یہ حصہ اوّل ہے اور آئندہ اضافات دوسرے حصص "وَافوّض امری الی اللّٰہ ان اللّٰہ بصیرٌ م بالعباد، وصلی اللّٰہ علٰی خیر خلقہٖ محمّد وّاٰلہٖ واصحابہ الامجادِ الٰی یوم التّنَادِ" مرقومہ ۲۱ / رجب ۱۳۳۰ھ

مقام تھانہ بھون صَانَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی عَنِ الْفِتَنْ

عُرُوْسُ الْمُوَاعِظ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَولانا محمّد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

عُروسُ المواعظ

(انتخاب مجموعہ چہار مواعظ قدیم معروف بہ اشرف المواعظ حصہ اوّل)

پہلا وعظ

(۱) وعظ سننے سے لوگوں کے اغراض متفاوت ہوتے ہیں بعض کی غرض صرف مجمع کی شرکت ہوتی ہے اور بعض کی غرض مجلس خیر کی برکت ہوتی ہے اور بعض کی غرض اپنے امراض کا علاج ہوتی ہے اس طرح پر کہ واعظ جو کہتا جائے اس کو اپنے احوال پر منطبق کر کے دیکھتے جائیں اور غرض درحقیقت یہی ہونی چاہئے۔

(۲) ہر مؤمن کے واسطے خواہ وہ کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو ایک نور عظیم ہے کہ جس سے اپنے نفع اور ضرر کو دیکھ سکتا ہے جیسے شمع ہوتی ہے کہ اس میں کم وبیش نور ضرور ہوتا ہے مگر اس بصیرت کے لئے اتباع دین کا قصد ضرور شرط ہے جو کوئی دین کا اتباع کرتا ہے نور عقل کے ساتھ وہی دیکھ سکتا ہے اور آج کل حال اس کے خلاف ہو گیا ہے لوگ عقل کا اتباع کرتے ہیں اور دین کو اس کے تابع بناتے ہیں امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ احکام مقصود بالذات نہیں ہیں صرف مصالح خاصہ سے حکم کر دیا ہے مثلاً جماعت کی فضیلت مطابق واقع کے نہیں ہے صرف ترغیباً ثواب کا وعدہ ہو گیا ہے اس لئے یہ سُن کر کہ بغیر جماعت کے بھی نماز ہو جاتی ہے خوش ہو جاتے ہیں۔ خیال کیجئے کہ تاجر بازار میں بیٹھ کر دو چند نفع کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے اور گھر پر فروخت کرنے سے کچھ تھوڑے نفع سے فروخت کر سکتا ہے پھر گھر پر کسی کو فروخت کرتے دیکھا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ کفر خفی ہے۔ کفر کبھی خفی بھی ہوا

کرتا ہے کہ خود اس شخص کو اس کا احساس نہیں ہوتا لوگوں کا گمان ہے کہ کبھی ایمان بوقت موت سلب ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بوقت موت ایمان سلب نہیں ہوتا اس واسطے کہ موت کے وقت تو آدمی مسلوب الحواس ہوتا ہے جو قواعد شرع کے مطابق مرفوع القلم ہے جب حالت اضطرار میں کلمہ کفر زبان سے نکلنا معاف ہے تو ایسی حالت میں موجب کفر کیسے ہو سکتا ہے اور عقلاً بھی وہ بے چارہ ایسی حالت میں واجب الرحم ہے اس وقت سلب ایمان بالکل مستبعد ہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ ایسے ایسے عقیدہ کر کے پہلے ہی سے کافر ہو جاتا ہے مگر تمیز نہیں ہوتی موت سے پہلے ہی ایمان رخصت ہو چکتا ہے البتہ ظہور سلب اس وقت ہوتا ہے اور آدمی کافر مر جاتا ہے۔

(۳) مؤمن کے لوازم سے ہے محبت اور چونکہ محبت کی حقیقت انجذاب قلب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے ایمان میں اللہ و رسول کی طرف انجذاب ہونا چاہئے قلب کو لیکن ابتداء میں اگر کسی کو انجذاب نہ بھی ہو تو اس کا غم نہ کرے بلکہ ظاہر کے لئے باطن میں ضرور ایک تاثیر ہے بتکلف اتباع کئے جائے انجذاب خود پیدا ہو جائے گا، عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ طالب مطلوب ہو جاتا ہے۔

(۴) اہل اللہ کی صحبت سے ضرور نفع ہوتا ہے خیال یوں ہوا کرتا ہے کہ صاحب ہم فلانے بزرگ کے پاس بیٹھے تو کیا کمال ہوا دل میں جوش تک بھی نہ ہوا یہ غلطی ہے صحبت کا اصلی اثر یہ ہے کہ دنیا کی محبت گھٹ جائے اور حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت بڑھ جائے بس پھر کبھی کیفیات نفسانی کا غلبہ بھی اس کے ساتھ پایا جاتا ہے بعض لوگوں کا حال سُنا ہوگا کہ شیخ کا کلام سُن کر پچھاڑ کھا کر گر پڑے لوگوں کے نزدیک یہی بڑا اثر ہے جہاں یہ پایا جائے وہی مجلس اچھی سمجھی جاتی ہے عوام کہا کرتے ہیں کہ میاں سماع تو وہ چیز ہے کہ سانپ کو مست کر دیتا ہے میں کہتا ہوں یہی دلیل ہے کہ یہ کیفیت خاص قابل اعتبار نہیں کیونکہ کیفیت معتبر وہ ہے کہ خواص انسانی سے ہو اور جب سانپ اس سے متاثر ہوا معلوم ہوا کہ اس سے ایسی کیفیت ہوتی ہے جو انسان اور دیگر حیوانات

میں مشترک ہے کمال خاص انسانی تو وہ ہے کہ تمام خلق پر فوق لے جائے بلکہ ملائکہ پر بھی وہ کمال یہی ہے کہ اتباع کامل وتہذیب نفس پیدا ہو ہاں اگر کیفیت نفسانی بھی اتباع کے ساتھ پیدا ہو جائے تو اور اچھا ہے کیونکہ نفس میں اشتعال پیدا کرتی ہے تو اور معین ہو جاتی ہے اتباع پر جیسا کہ انجن میں آگ کہ گاڑیاں بلا آگ ٹھیلنے سے بھی چلتی ہیں مگر آگ سے زیادہ تیز چلتی ہیں اسی معنی کر کہا ہے۔

صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی　　که درازو دور بینم رہ و رسم پارسائی

مقصود اصلی اتباع اور قرب باری تعالیٰ ہے اگر اشتعال نہیں ہے تو پڑا مت ہو۔

روزہا گر رفت گورو باک نیست　　تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

اور جو دونوں ہوں تو یہ اولیٰ ہے لوگ صحبت کا اثر چاہتے ہیں اور اکثر لوگ آداب صحبت سے واقف بھی نہیں، صحبت کے جو طریق ہیں وہ اختیار کیجئے دیکھئے اثر ہوتا ہے یا نہیں طرح طرح کے بکھیڑے لے کر مشائخ کی خدمت میں جاتے ہیں کوئی مقدمہ کے واسطے دُعا کراتا ہے کوئی اولاد کا طالب ہے اللہ تعالیٰ کا طالب بھی کوئی ہے مشائخ کے پاس سوائے کلام ضروری کے کچھ بات نہ کی جائے اگر وہ خود بھی دنیا کی بات کریں تو سمجھو کہ منتہی کو اس سے ضرر نہیں ہوتا اور تم مبتدی ہو۔

(۵) علماء کے ساتھ مجالست کرو اور حالت کو درست کرو اور علماء سے بلا حیاء وشرم کے پوچھ لیا کرو اور حساب کا مراقبہ کیا کرو اگر کوئی وقت مقرر کر کے یہ خیال کیا کرو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور میزان بھی موجود ہے اور حساب ہو رہا ہے اور پُل صراط سامنے کھڑا کر کے چلنے کا حکم دیا گیا ہے تو دیکھو تو پھر تم سے کیسے گناہ ہوتے ہیں اور خوف دل میں پیدا ہو جائے گا اور شریعت پر چلنا مشکل نہ رہے گا جب شریعت پر چلنے لگے پھر پُل صرائط پر چلنا کوئی بات نہیں۔ محققین کے نزدیک پُل صراط صورت ہے شریعت کی تو سالک یعنی شریعت پر چلنے والا پُل صراط پر اب چل رہا ہے اور اپنی حالت کو ہر وقت درست رکھو نہ معلوم کس وقت طلبی ہو جائے حالت کے درست ہو

جانے کی علامت یہ ہے من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقاء ہ جو شخص ایسا صاف ہو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانے سے اس کو اندیشہ نہ ہوتا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے خود ملنا چاہتے ہیں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اعمال درست ہوں حدیث میں ہے احسنوا الظن بربکم اور تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ گمان اس کا درست ہوتا ہے جس کے اعمال درست ہوتے ہیں اس بناء پر حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ احسنوا العمل عمل کو درست کرو کہ وہ موجب ہے حسن ظن باللہ کا اور یہ معنے تھوڑا ہی ہو سکتے ہیں کہ اعمال بد کئے جاؤ اور خیال اچھا جماتے رہو تو یہ دھوکہ ہے مختصر یہ ہے کہ ایسی حالت بنالو کہ جب سوچو موت سے کراہت نہ ہو اور موت کا وقت معین نہیں تو ہر وقت ہی درستی حالت کی ضرورت ہوئی۔ ع شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

تو ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔

دوسرا وعظ: (۶) دوسرا وعظ کُل دیکھنے کے قابل ہے۔

تیسرا وعظ: (۷) تیسرا وعظ بھی کُل دیکھنے کے قابل ہے۔

چوتھا وعظ

(۸) دو قسم کی باتیں ہیں جن میں زبان استعمال کی جاتی ہے ایک وہ جن کے واسطے پیدا کی گئی ہے دوسرے وہ باتیں ہیں جن سے زبان کو بچانا چاہئے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے طاعت و عبادت کے واسطے زبان کو پیدا کیا ہے جیسے چمچہ فیرنی دودھ کے واسطے بنایا گیا ہے بجائے اس کے کوئی اس سے غلاظت اُٹھانے لگے۔

لیکن اگر کوئی شخص چمچہ کو اس طرح استعمال کرے تو ہم اس کو بڑا احمق سمجھیں حالانکہ زبان کے چمچہ سے ہم ہر وقت غیبت و جھوٹ جمع کر رہے ہیں فرق اس قدر ہے کہ چمچہ ایک لوٹے پانی سے پاک و صاف ہو سکتا ہے لیکن وہ غلاظت جو ہم نے زبان کے چمچہ سے جمع کی ہے سات سمندروں کے پانی سے بھی نہیں دُھل سکتی۔

(۹) جھوٹ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ جس میں کسی کی حق تلفی نہ بلکہ اصلاح

ہو یہ جائز ہے۔ دوسرے وہ کہ دوسروں کو ضرر پہنچے یہ حرام ہے۔ تیسرے وہ جس میں نہ کوئی ضرر ہو نہ نفع یہ لغو ہے۔ اس کو بھی چھوڑنا چاہئے کیونکہ اس سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) ایک زبان کا گناہ غیبت ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے ایسی بات کہی جائے جس سے اس کی توہین ہو۔ خواہ وہ برائی اس کی ذات کے متعلق ہو یا اس کی کسی چیز کا عیب ہو۔ مکان۔ یا گھوڑے یا کپڑے کی غیبت بھی غیبت میں داخل ہے لیکن افسوس ہے کہ اس میں ہم کو ذرا بھی احتیاط نہیں ہے کوئی وقت ایسا نہیں جس میں دو چار لوگوں کی غیبتیں نہ کرتے یا سُنتے ہوں ہم لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہو اور اس کے ایک پڑوسی کا مقدمہ دیوانی میں پیش ہو تو اس کے اُوپر افسوس کرے اور اپنی مصیبت کو بھول جائے یہ نہ خیال کرے کہ میں تو کل کو لٹکتا ہوں گا اس کی کیا فکر کروں دوسروں کے ذرا ذرا سے عیبوں پر نظر ہے اور مجمعوں میں بیان کئے جاتے ہیں اور اس سے بڑے بڑے عیبوں میں خود مبتلا ہیں ان کا کچھ ذکر نہیں۔

اگر اپنے عیبوں کا ذکر تو کیا خیال بھی ہوتا تو کبھی اصلاح کی فکر بھی ہو جاتی مگر اپنے آپ کو تو ہر شخص نے بالکل بے گناہ سمجھ لیا ہے غیبت سننے سے جب منع کیا جاتا ہے تو بعض شخص یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ صاحب اگر ہم کسی کی بات نہ سنیں تو اپنے دل میں وہ بُرا مانے لیکن اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اُوپر سے کسی پر پیشاب کر دے اور وہ اس خیال سے کہ اگر میں ہٹوں گا تو یہ بُرا مانیں گے پڑا ہوا پیشاب کراتا رہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اس طرح سے کوئی اپنے آپ اُوپر پیشاب کرانے سے کبھی راضی نہ ہوگا پھر غیبت تو اس سے بھی زیادہ ناپاک و نجس ہے پیشاب سے اگر کپڑا ناپاک ہوتا ہے تو اس سے دل ناپاک و نجس ہوتا ہے۔

گناہوں میں مزہ پانا دل کی بیماری کی علامت ہے جیسے سانپ کے کاٹے کو نیم کے پتے میٹھے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ مٹھائی موت کا پیام لاتی ہے ابتداء میں اگر اصلاح کی کوشش کی جائے تو سہل ہے ورنہ پھر تو مثل بخار کے مریض کے ہے جس کو بد

پرہیزیوں سے دق ہوگئی ہو اور پھر بھی اس نے کچھ پرواہ نہ کی آخر کو درجہ رابع میں پہنچ کر لاعلاج ہوگئی اسی طرح جو لوگ گناہ پر برابر اصرار کرتے ہیں اور مالک کی طرف رجوع نہیں کرتے ان کے دِلوں پر مہر ہو جاتی ہے جس کے سبب سے پھر توبہ کی توفیق نہیں ہوتی ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرمایا ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ط وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اگر گناہ فی الوقت مزے دار معلوم ہوتا ہے لیکن وہ مزہ فوری وفانی ہے اور اس کی سزا دائمی و باقی ہے دنیا کے مزے بالکل خواب و خیال ہیں انسان کو چاہئے کہ ان کے واسطے اپنی آخرت کی دولت و عزت کو نہ برباد کردے جیسے کسی کی حکایت ہے کہ ایک شخص کی عادت تھی کہ سوتے میں ہمیشہ پیشاب نکل جاتا، اس کی بی بی نے کہا یہ کیا حماقت ہے؟

اس نے کہا کہ خواب میں شیطان آتا ہے اور کہتا ہے چلو سیر کو چلیں لیکن پیشاب کرلو میں سمجھتا ہوں پاخانہ ہے پیشاب کو بیٹھ جاتا ہوں اور پیشاب نکل جاتا ہے اس کی بی بی نے کہا آج شیطان سے کچھ روپیوں کی فرمائش کرنا اس نے کہا اچھا، اَگلے روز خواب میں جب پھر شیطان سے ملاقات ہوئی تو کہا یار تم روز بستر پر پیشاب تو کرا دیتے ہو لیکن ہماری کچھ مدد نہیں کرتے۔ شیطان نے کہا کس چیز کی ضرورت ہے غریبی کی شکایت اس نے کہا آپ اگر پہلے سے ذکر کرتے تو اس کا ضرور خیال کیا جاتا۔ شیطان نے اس کو ساتھ لے کر ایک بادشاہ کے یہاں جا کر نقب لگایا اور بہت سے توڑے روپیوں کے اس کی کمر پر لاد دیئے یہاں تک کہ پاخانہ خطا ہوگیا صبح کو جب آنکھ کھلی تو روپیہ ایک بھی نہ پایا لیکن بستر آلودہ تھا اس کی بی بی نے کہا یہ کیا ہوا سب قصہ بیان کیا بی بی نے کہا ایسے روپیوں سے باز آئی آئندہ معاف رکھو، پیشاب ہی کرلیا کرو۔ یہی حال دنیا کی لذتوں اور مزوں کا ہے۔

حال دنیا را بپرسیدم من از فرزانۂ　　گفت یا خواب راست یا بادی ست یا افسانۂ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے بہ بست　　گفت یا غولی است یا دیوی است یا دیوانۂ

عرصہ تک گناہ کرنے سے دل میں سیاہی ہو جاتی ہے اور پھر گناہ کی بُرائی محسوس نہیں ہوتی ابتداء میں جب کوئی رشوت لیتا ہے تو دل میں بہت رنج رہتا ہے اور شرماتا ہے کہ یہ مجھ کو بڑا لالچی سمجھے گا جب دو چار مرتبہ لے لیتا ہے تو پھر شرم وحیاء نہیں رہتی یہاں تک کہ پھر خود منہ سے مانگ کر لیتا ہے اور جس روز کچھ نہیں آتا بہت رنج وصدمہ ہوتا ہے اور جس روز کچھ مل گیا عید ہوگئی اصرار سے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ایک شرابی سے توبہ کے واسطے کہا گیا تو اس نے کہا مجھے اللہ کی رحمت پر اُمید ہے اور آخر وقت شراب پی کر مرگیا۔

(۱۱) اشرف المواعظ حصہ دوم کُل دیکھنے کے قابل ہے۔

انتخاب مجموعہ التذکیر (حصہ اوّل) ''الاستغفار''

(۱۲) اَعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ○

اس آیت کریمہ کا مضمون ہود کا خطاب ہے، اپنی قوم کو حق تعالیٰ نے اس مقام پر اس کو نقل فرمایا ہے اس آیت کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ہر چند کہ ہماری ہر حالت ایک سے ایک زیادہ ایسی ہی ضروری ہے کہ اس کے متعلق بیان کیا جائے تاہم بعض حالت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ اس کے اشتراک اور عموم کی وجہ سے مناسب سمجھا جاتا ہے کہ اس کے متعلق اہم سمجھ کر بیان کیا جائے اس وقت مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر کہ کم وبیش سب پریشانی میں مبتلا ہیں مناسب معلوم ہوا کہ اس مضمون کو اختیار کیا جائے کہ اس میں معالجہ ہے تمام پریشانیوں کا ترجمہ سے معلوم ہوگا کہ وہ کیا مضمون ہے اور نیز معلوم ہو جائے گا کہ اس کی ضرورت ہے۔

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ الخ یہاں پر شبہ نہ کیا جائے کہ ہم لوگ تو اُمتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں ہم کو ''ہودؑ'' کا اِرشاد سنانے سے کیا فائدہ اس لئے کہ یہ مسلم ہے کہ اُمم

ربقہ کے احکام بلا انکار اگر اللہ ورسول ہم کو سنا دیں تو وہ ہمارے لئے بھی حجت ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ اُصول یعنی عقائد اور اخلاق حمیدہ کے مامور بہ ہونے میں سب انبیاء کا ایک مشرب ہے اس میں کسی نبی کا اختلاف نہیں۔

مثلاً توحید رسالت کا اعتقاد ظلم کا برا ہونا عدل کا مستحسن ہونا، سچ بولنا یہ بالاتفاق مسلم ہیں اسی فہرست میں سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنا بھی ہے جس کا اس آیت میں بیان ہے پس جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کی نقل کے بعد انکار نہیں فرمایا اور نیز بیان اعمال سے ہے کہ جن کا مامور بہ ہونا تمام شرائع میں یکساں رہا ہے تو لامحالہ ہم بھی اس کے ضرور مخاطب ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ اگر اس مضمون کو بیان ہی کرنا تھا تو حضور کا کوئی ارشاد نقل کر دیا جاتا حضرت ہود علیہ السلام کا ارشاد کیوں نقل کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کا ارشاد نقل کرنے میں ایک خاص مصلحت ہے وہ یہ کہ آپ صاحبوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ مضمون بہت ہی اہتمام کے قابل ہے اس لئے کہ قوم عاد بہت پُرانی قوم ہے پس جب کہ وہ بھی اس مضمون کے مخاطب ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات کوئی نئی نہیں ہے بلکہ یہ وہ بات ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء اپنی اپنی قوم کو کہتے آئے ہیں حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو ارشاد فرماتے ہیں اے میری قوم اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ خلاصہ ارشاد کا اصلاح کے دو درجے ہیں اوّل تو اپنے گناہ کا معاف کرانا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف طاعت کے ساتھ متوجہ ہونا کہ اس پر کیا ثمرہ مرتبہ ہوگا۔ **یرسل السمآء الخ** یعنی استغفار اور رجوع الی اللہ کا ثمرہ دنیا میں تم کو یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ تم پر بارش بھیجیں گے اور تمہاری قوت موجودہ کے اندر اور قوت بڑھا دیں گے قوم عاد قوت کے اندر مشہور ہیں آگے ارشاد ہے اور اللہ کے حکم سے رُوگردانی مت کرو جرم کرتے ہوئے یہ آیت کا ترجمہ ہوا۔ ترجمہ سے مضمون کی اجمالی تعیین ہوگئی ہوگی۔ کہ اُس کے دو جزو ہیں اوّل مغفرت مانگنا، دوسرے طاعت کی طرف رجوع کرنا خلاصہ وحاصل یہ ہے کہ آیت میں دو مامور

یہ ہیں استغفار اور رجوع الی الطاعۃ اور دو اس کے ثمرے ہیں بارش ہونا اور قوت بڑھ جانا اور کمزوری وضعف کا جاتا رہنا اور ایک منہی عنہ ہے وہ مجرم ہو کر اعراض کرنا ہے۔

ہود علیہ السلام نے جو اس میں فرمایا باعتبار مقصود ایراد کے یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا ہم کو ارشاد ہے گویا اللہ تعالیٰ ہم کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تم کو کسی قسم کی شکایت قحط کی یا کمزوری یا پستی یا ادبار یا تنزل کی ہو تو اس کی تدبیر اور اس کا علاج وہ ہے جو ہم نے بتلایا ہے اور وہ نہیں ہے جو تم نے اختیار کیا ہے یہ حاصل ہے اس مقام کا ترجمہ سے مضمون کی تعیین اور حاصل سے اُس کی ضرورت کا علم ہو گیا ہو گا کہ اس مضمون کی کیا ضرورت ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مسلمانوں کو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ پریشان ہیں اور یوں تو ہر شخص کو خاص خاص پریشانیاں ہیں مگر ایک عام پریشانی اور مشترک و مدید شکایت تو تنزل اور پستی کی ہے کہ یہ پرانی شکایت ہے دوسری جدید پریشانی قحط اور قلت باراں کی ہے یہ دو پریشانیاں اس وقت ہم سب کو عام ہیں اس لئے ان کا انتظام ضروری ہے کیونکہ انسان کو جو مصیبت لاحق ہوتی ہے عقل اس کو مقتضی ہے کہ اس کی تدبیر کریں اور تدبیر بھی وہ جو صحیح تدبیر ہے ہمارے بھائیوں کی یہ حالت ہے کہ بعضے تو ان میں ایسے جوانمرد ہیں کہ تدبیر کی پرواہ ہی نہیں کرتے اور بعضے جو کچھ کرتے بھی ہیں وہ اُلٹی تدبیر کرتے ہیں بس یہ کہنا صحیح ہے کہ بالکل تدبیر کرتے ہی نہیں۔

چنانچہ بعضے تو صرف یہ کرتے ہیں کہ بس شکایت کرتے ہیں کوئی تو کہتا ہے کہ امسال ایسی خشکی ہوئی ہے کہ مویشیوں کو چارہ تک نہیں ملتا ہے بھوکے مر رہے ہیں کوئی کہتا ہے کہ اس فصل میں بارش نہ ہوئی تو گرانی بہت زیادہ ہو جائے گی جو ذرا دین دار ہیں وہ کہتے ہیں کہ میاں یہ سب ہماری شامت اعمال ہے مگر اصلاح وہ بھی نہیں کرتے جو باصطلاح جدید ذرا مہذب ہیں وہ ترقی و تنزل پر لیکچر دیتے ہیں کوئی بیماری کی شکایت کرتا ہے میرے پاس بھی خطوط آتے ہیں کہ بعض جگہ بیماری شروع ہو گئی ہے کوئی کہتا ہے کہ خیر بھائی ہمارے یہاں تو امن ہے تو گویا بالکل بے فکر ہی ہو گئے اور یہ

بھی غضب ہے یاد رکھو کہ جیسے تمہارے یہاں بیماری کا ہونا اندیشہ ناک ہے اسی طرح تمہارے آس پاس ہونا یہ بھی خوفناک ہے اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان دونوں سے خوف دلایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ پس ہمارے شہر میں ہونا بیماری کا جیسے خوفناک ہے اسی طرح ہمارے ضلع میں ہونا یا ہماری کمشنری میں ہونا یا ہمارے ملک میں ہونا بھی خطرناک اور فکر کی بات ہے۔ غرض دو شکایتیں اس وقت غالب ہیں۔

ایک بیماری وقحط وغیرہ کی اور دوسرے قوم کے ذلیل اور روز بروز کمزور ہوتے جانے کی اور باقی خاص خاص شکایتیں یا خاص خاص بیماریوں کی شکایتیں وہ تو معمولی طور پر رہتی ہی ہیں مگر اس وقت غالب اور مشترک آفات کے متعلق عرض کرتا ہوں اور مجھ کو اس میں دو جماعتوں کی شکایت ہے اوّل شکایت تو عام لوگوں کی ہے اور دوسری مہذب لوگوں کی ہے جو کہ بیدار مغز کہلاتے ہیں سو میں کہتا ہوں کہ یہ پریشانیاں سب صحیح اور واقعی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کی کوئی تدبیر بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو میں مطلق تدبیر کے متعلق پوچھتا ہوں کہ کسی چیز کی ارجح وانفع تدبیر کون سی ہوتی ہے آیا وہ تدبیر جو عقلاء محض استدلال سے تجویز کریں یا وہ جو کوئی تجربہ کار بعد تجربہ کے تجویز کرے سو بڑا فرق ہے عاقل کی تجویز اور تجربہ کار کی تجویز میں چنانچہ مثل ہے سل المجرب ولا تسئل الحکیم عاقل کی تجویز تو محض تخمینی رائے کی طرف مستند ہوتی ہے اور تجربہ کار کی تجویز تکرار مشاہدہ سے ناشی ہوتی ہے اور ثانی کی ترجیح اوّل پر ظاہر ہے پس جب کہ تجربہ کار کا علم حالانکہ وہ بھی استدلالی ہے حکیم کے علم پر ترجیح دیا جاتا ہے تو عالم الغیب والشہادۃ کا علم کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا اور اس سوال کے جواب میں یوں کیوں نہیں کہا جاتا کہ حق تعالیٰ سے اس کی تدبیر پوچھو خاص سرکار جو عالم اور حکیم سب کچھ ہیں اگر کسی مرض کا نسخہ عطا فرمائیں تو کیوں اس کو استعمال نہیں کیا جاتا اس دوا سے بڑھ کر اور کون سی دوا ہوگی جو مرض اور دوا کے خالق سے عطاء ہو عقلاء اور

اہل الرائے تو محض تخمین اور رائے اور قیاس ہی سے کہتے ہیں کہ اس مرض کی یہ دوا ہے مثلاً طاعون ہی ہے اس کی دوائیں اور تدبیریں محض ظنی ہیں میں ان کی نافعیت کا اور ان کے استعمال کرنے کا مخالف نہیں ہوں یہ اطباء ہی کی عادت ہے کہ جس طبیب کا علاج کرو دوسرا نسخہ پینا اس کے نزدیک جائز نہیں اور حق تعالیٰ کو یہ حق بدرجہ اولیٰ حاصل تھا کہ وہ یہ فرما دیتے کہ جو ہم نے تدبیر اور دوا بتلائی ہے اس کو ہی استعمال کرو خصوصاً اس صورت میں جبکہ تدبیر صحیح کا انحصار بھی اسی میں ہے لیکن ان کی یہ رحمت ہے کہ اور تدبیروں کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا۔ اس لئے میں تدابیر ظنیہ مجوزہ عقلاء کا مخالف نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ صرف تدابیر ظاہری اور طب کے ایسے پیچھے کیوں پڑے ہو کہ صحیح تدبیر اور سچی طب کو بالکل ہی بھول گئے۔

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں را ہم بخواں
صحت ایں حس بجوئید از طبیب صحت آں حس بجوئید از حبیب
صحت ایں حس ز معموری تن صحت آں حس ز تخریب بدن

پس جو طب حکیم حقیقی نے ارشاد فرمائی ہے بالکل کافی ہے لیکن باوجود اس کے یہ بھی اجازت دے دی ہے کہ اور نسخہ بھی پیو تو حرج نہیں بلکہ ترغیب دی ہے تداووا عباد اللہ جس کی حقیقت اہل اللہ و مربیان قلب نے سمجھی چنانچہ انہوں نے ترک اسباب کو علی الاطلاق جائز نہیں رکھا یہاں سے وہ شبہ بھی رفع ہو گیا جو کہ بہت لوگ ناتمام باتیں سُن کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ مولوی تو چاہتے ہیں کہ دنیا کے کاروبار ترک کر کے مسجد کے کونہ میں تسبیح لے کر بیٹھ جائیں حاشا وکلا مولویوں کا یہ مقصود ہرگز نہیں بلکہ تم اگر ایسا کرو بھی تو وہ تم کو روک دیں کیونکہ آدمی بالطبع اسباب ظاہرہ کا خوگر بنایا گیا ہے۔

پس اگر اسباب کو ترک کرے گا تو اس کی جمعیت و سکون میں ضرور فرق پڑے گا اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک طبیب کامل ہے اس کو مریض کے حال پر بہت عنایت اور شفقت ہے اس نے مریض کو نسخہ لکھ کر دیا لیکن وہ طبیب یہ بھی جانتا ہے کہ اس مریض کو

ضعف اور توہم کی وجہ سے اس پر قناعت نہ ہوگی اور اس کو خیال رہے گا کہ فلاں دوا اگر پیتا تو جلدی کامیاب ہو جاتا اور یہ اس کی دھن اور ادھیڑ بن ممکن ہے کہ اس حد تک ہو کہ اصلی دوا سے بھی اعراض کرے اس لئے وہ براہِ عنایت اس کی تسلی کے واسطے کہہ دیتا ہے کہ دوا تو اس مرض کی یہی ہے جو ہم نے بتلائی ہے لیکن اگر تم کوئی اور دوا بھی پیو تو تم کو اختیار ہے تو اس مریض کو اگرچہ شفاء اور صحت تو اسی باقاعدہ اور صحیح نسخہ سے ہوگی اور مریض خواہ کچھ سمجھے لیکن طبیب کو چونکہ شفقت اور محبت ہے وہ اپنا نام بھی کرنا نہیں چاہتا اس کا مقصود تو یہ ہے کہ اس کو صحت ہو جائے وہی مثل ہے کہ کام تو کسی کا اور نام کسی کا ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

پس اسی طرح حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ہمارے بندے کسی طرح اچھے ہو جائیں چاہے وہ حکیم جی ہی کا نام کر دیں اور ان کو پریشانی نہ ہو پس یہ وجہ ہے کہ ترک اسباب کو منع کر دیا ورنہ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کا مقتضی تو یہ تھا کہ سب اسباب ترک کر دیتے اور تجارت زراعت نوکری صنعت یکلخت چھوڑ دیتے ہاں اقویاء کو اجازت دی ہے کہ اگر تم ترک اسباب کرو تو جائز ہے اس لئے کہ ان کو ترک اسباب سے اپنی قوت توکل کی وجہ سے پریشانی لاحق نہ ہوگی باقی ضعفاء کو یہی حکم ہے کہ تدبیر کرو ایک صحابی کا قصہ ہے کہ ان سے تخلف تبوک کی لغزش ہوگئی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی انہوں نے حضور کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمائی ہے اس کے شکریہ میں مَیں چاہتا ہوں کہ اپنا سب مال تصدق کر دوں فرمایا نہیں سب مت دو کچھ رکھ لو اس قصہ سے اور نیز شریعت کے ہر ہر حکم سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ شریعت نے جذبات طبعیہ کی بڑی رعایت کی ہے اور اسلام کے سب احکام فطرت سلیمہ کے موافق ہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بی بی نے عرض کیا کہ میں اپنی جائیداد وقف کرنا چاہتی ہوں حضرت نے فرمایا کہ نہیں نہیں ایسا نہ کرو کچھ

رکھ لو نفس کو کبھی پریشانی ہو جایا کرتی ہے پھر وہ پریشانی دین تک مفضی ہوتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گیا کہ درہم و دینار رکھنا تقویٰ و توکل کے خلاف تھا اب تو اگر کسی کے پاس کچھ مال ہو تو اس کو حفاظت سے رکھنا چاہئے۔ کم ہمت انسان جب مفلس ہوتا ہے تو اوّل اس کا دین ہی برباد ہوتا ہے بعض بزرگوں نے رزق ملنے کی عجیب طریقہ سے دُعائیں مانگی ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ نے دُعا کی تھی کہ اے اللہ جو کچھ میری قسمت میں لکھا ہے ایک دم سے دے دو اِرشاد ہوا کہ کیا ہم پر اطمینان نہیں عرض کیا کہ اطمینان کیوں نہیں شیطان مجھ کو بہکاتا ہے اور کہتا ہے کہ کہاں سے کھائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دے گا وہ کہتا ہے کہ یہ تو یقینی ہے کہ دے گا مگر یہ تو خبر نہیں کہ کب دے گا اس سے میں پریشان ہوتا ہوں آپ مجھ کو اگر ایک دم سے دیں گے تو میں کوٹھڑی میں بند کر کے رکھ لوں گا جب شیطان کہے گا کہ کہاں سے کھائے گا میں کہہ دوں گا کہ اس کوٹھڑی میں سے کھاؤں گا وہ اس میں کوئی شبہ نہ ڈال سکے گا اور پریشان نہ کر سکے گا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلوک میں خاص کیفیات مثلاً باوجود مال نہ ہونے کے پریشانی نہ ہو سو یہ مطلوب نہیں اگر مال رکھ کر جمعیت اور تسلی ہو تو رکھے اور اگر خرچ کر کے اطمینان حاصل ہو تو خرچ کر دے بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر ان کی مِلک میں بہت سی چیزیں ہوں تو ان کا دل گھبراتا ہے بہر حال اس باب میں دَوا دَارُو کی بھی اجازت ہے لیکن دَوا کو مؤثر بالذات نہ سمجھے کہ بغیر اس کے شفاء ہی نہ ہوگی بہت لوگ ہم نے دیکھے ہیں کہ دَوا بالکل نہیں کرتے ہیں جلال آباد کے ایک رئیس سُنے گئے ہیں حکیم کو بُلاتے گاڑی بھیجتے فیس دیتے اور حکیم سے کہتے کہ آپ بلا تأمل جتنے کا چاہیں نسخہ لکھئے دس کا بیس کا پچاس کا چنانچہ حکیم جی نسخہ لکھ دیتے ملازم کو دیتے کہ جاؤ بھائی دکھلاؤ عطار کو کتنے کا ہے عطار کہتا ہے کہ پچیس روپیہ کا ہے کہتے لاؤ صندوقچی سے پچیس روپیہ گن کر دیتے کہ جاؤ خیرات کر دو، مساکین کو میری یہی دوا ہے۔

چنانچہ جب یہ عمل کرتے فوراً اچھے ہو جاتے ہمارے ایک دوست ہیں وہ بھی دَوا نہیں کرتے اس مرتبہ وہ سخت بیمار ہوئے ہر چند اُن کو سمجھایا گیا کہ علاج کرو مگر ایک نہ سُنی آخر لوٹ پوٹ چند روز کے بعد اچھے خاصے ہو گئے معلوم ہوا کہ تدبیر حقیقی پر کفایت کرنا بالکل کافی ہے اگر کوئی کہے کہ اگر تدبیر حقیقی یہی ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعضے لوگ نری دوا سے اَچھے ہو جاتے ہیں صاحبو تم سمجھتے ہو کہ وہ اچھے ہو گئے وہ اچھے نہیں ہیں ایک بخار تو چلا گیا اس کو ایک بخار اور ہے جو اس کے لئے رُوح فرسا بن رہا ہے جس کا انجام ہلاکت جسمانی ہی نہیں بلکہ ہلاکت اَدبی ہے اصلی تدبیر طاعت ہی ہے اس کے ہوتے ہوئے دَوا کی اجازت ہے۔

پس جمع کرنا جائز اور نری طبعی تدبیر پر اکتفا کرنا ناجائز۔ ہم لوگ اسی میں مبتلا ہیں کہ اور تدابیر سب کرتے ہیں اور اصلی تدبیر سے غافل ہیں سو طاعون کی تدبیر میں صفائی مکانات کی اور فنائل کی کافی نہیں ہے بلکہ دوسری صفائی کی بھی ضرورت ہے اور یہ دوسری صفائی وہ نہیں جو بعضے بدمذاق لوگ سمجھتے ہیں یعنی وہ تعویذوں کو کافی سمجھتے ہیں کہ تعویذ دروازہ پر چسپاں کر دو طاعون تعویذ سے ڈر کر بھاگ جائے گا یہ ان سے بڑھ کر ہیں جو دوا پر اکتفاء کرتے ہیں کیونکہ دوا کا کھانا اور استعمال کرنا بیماری زائل ہو جانے کی طبعی تدبیر تو ہے لیکن تعویذ کا چسپاں کرنا طاعون کے بھاگ جانے کے لئے تو اس درجہ کی طبعی تدبیر بھی نہیں اور نہ باطنی وحقیقی جیسا کہ اصلاح حالت تدبیر حقیقی ہے پس اس پر اتنا اعتقاد رکھنا بہت ہی عجیب ہے جتنا وہ لوگ رکھتے ہیں جو کہ تعویذوں کے معتقد ہیں یعنی ان کو کچھ شک ہی نہیں ہوتا گویا ایک پٹہ لکھوالیا ہے۔

صاحبو! طاعون تو جب بھاگے جب کہ باہر سے آتا ہو طاعون تو گھر کے اندر موجود ہے باہر تعویذ لگانے سے کیا ہوتا ہے وہ طاعون کیا ہے معصیت کیونکہ طاعون ہو یا کوئی اور مصیبت ہو اس کا اصلی سبب تو معصیت ہے پس جب معصیت بحالہ رہے تو دشمن تو تمہارے گھر کے اندر ہے باہر کے انتظام سے کیا ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود حیلۂ فرعون زیں افسانہ بود

یہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ فرعون نے اپنے دشمن کو یعنی موسیٰ علیہ السلام کو گھر کے اندر رکھا اور اُن کو پرورش کیا اور دشمنوں کا انتظام کرتا تھا۔ صاحبو! لوگ باوجود اصلاح نہ کرنے کے جو تدبیریں کر رہے ہیں یہ فرعونی تدبیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جو اَصلی سبب ہے پریشانیوں کا اُس کو چھوڑتے نہیں اور بالائی تدبیریں کرتے ہیں یاد رکھو جب تک کہ مرض کے اصلی سبب کا استیصال نہ کیا جائے مرض نہ جائے گا۔

پس جب تک کہ معصیت نہ چھوڑیں گے اِن بلاؤں سے خلاصی نہیں ہو سکتی سو اس سبب کی طرف کسی کو التفات تک بھی نہیں آپ ہی بتلایئے فیصدی کتنے ایسے لوگ ہیں جن کو اس کا احساس ہوا اور وہ یہی تدبیر کرتے ہوں ہاں ظاہری تدبیریں کرتے ہیں لیکن اصلی تدبیر سے غفلت ہے اور بعضے کوئی بھی تدبیر نہیں کرتے البتہ خالی شکایتیں کیا کرتے ہیں میاں کتنے دن ہو گئے بارش نہیں ہوئی قحط ہو گیا میں کہتا ہوں کہ اس کہنے سے کیا مقصود ہے کس کو سُناتے ہو کیا یہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے یا اللہ تعالیٰ کو یا کسی آدمی کو صرف سُنا رہے ہو آدمیوں کو سُنانا تو ظاہر ہے کہ مقصود نہیں اس لئے کہ آدمی کچھ کر ہی نہیں سکتے اور اللہ تعالیٰ کو بھی صرف سُنانا اور خبر دینا ہرگز مقصود نہیں اس لئے کہ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے اب یہی شق رہی کہ یہ اعتراض ہے۔

اور گویا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ اَمر خلاف حکمت ہے ایسا نہ کرنا چاہئے تو دیکھ لیجئے کہ حق تعالیٰ پر اعتراض کرنا کیا ہوتا ہے اگر قصداً بھی یہ اعتراض ہوتا تو میں اس کو کفر کہتا لیکن اب کہ قصد نہیں ہے سخت بے ادبی اور گستاخی ضرور کہوں گا مجھے تو واللہ ان کلمات سے سخت وحشت ہوتی ہے ہاں اگر اس جملہ خبریہ سے یہ مقصود ہو کہ دُعا کرو کہ بارش ہو تو دوسری بات ہے لیکن قرائن حالیہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مقصود نہیں اگر کہو کہ ہمارا تو کچھ بھی مقصود نہیں ہوتا یوں ہی ہانک دیتے ہیں تو یہ لغو ہوا اور لغو سے بھی احتراز کرنا چاہئے حدیث میں ہے "من حسن الاسلام المرء ترکہ مالا

بعینہ ’’غرض ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ فضول اور لغو میں تو مشغول ہیں اور جو اصلی اور صحیح تدبیر ہے۔ اُس سے غفلت ہے اور وہ تدبیر وہ ہے جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہے یعنی استغفار اور رجوع الی اللہ اگر کوئی شبہ کرے کہ یہ تدبیر بھی کی جاتی ہے چنانچہ دُعائیں کرتے ہیں گناہوں۔ سے توبہ کرتے ہیں مگر اس سے بھی کچھ نہیں ہوا۔

تو صاحبو! جواب یہ ہے کہ خود آپ دیکھتے ہیں کہ یہ تدبیر کرنے والے بہت ہی کم ہیں تو یہ کیا تدبیر ہوئی کہ ایک نے تو تدبیر کی اور زیادہ اس کی ضد اور خلاف کریں یعنی ایسے اعمال کریں کہ اُلٹا اثر ہو اور اثر غالب اُن ہی لوگوں کا ہوتا ہے جو زیادہ ہوں دیکھو جو شخص باغیوں سے ملتا ہے وہ بھی باغی ہی شمار ہوتا ہے ایام غدر میں جس نے باغیوں کو پناہ دی سرکار کے نزدیک وہ بھی مجرم شمار ہوا جس کے ہم وفادار ہوں گے تو یہ وفاداری کی بات نہیں ہے کہ اُس کے دشمنوں سے ملیں پس اگر صلحاء کہیں ہیں بھی وہ بہت تھوڑے ہیں زیادہ تعداد تو اَیسے ہی لوگوں کی ہے جو نافرمانی میں مبتلا ہیں ہاں کوئی یہ ثابت کرے کہ بستی کی بستی صالح ہو اور پھر وہاں بلائیں اور امراض اور قحط ہو سو یہ بہت مشکل ہے صلاحیت اور تقویٰ تو بڑی چیز ہے اس کا تو اَثر ہی دوسرا ہے برائے نام ہی کوئی تھوڑی دیر کے لئے حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر دیکھ لے کہ کیا رحمت ہوئی دیکھو استسقاء کی دو ہی رکعت ہیں جو بہت سے بہت دس منٹ میں ہو جاتی ہیں لیکن باستثنائے شاذ و نادر کے بہت کم ایسا ہوا ہے کہ مؤثر نہ ہوں جب کبھی پڑھی گئی ہیں بارش ضرور ہوئی ہے کوئی رجوع ہو کر دیکھے تو پس جبکہ باوجود ہماری اتنی کوتاہیوں کے تھوڑی سی توجہ میں بھی رحمت ہو جاتی ہے تو اگر ہم پوری اپنی اصلاح کرلیں اور دل سے توبہ اور رجوع الی الحق کریں تو کیسے رحمت نہ ہوگی۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد　　　اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

پس یہ فرض محال ہے کہ ہم سب نیک ہوں اور بارش نہ ہو اور اگر بالفرض نہ بھی ہو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ ناکامی ہوئی اس کو ناکامی کہنا کامیابی کی حقیقت نہ

جاننے سے ہوا ہے اس کامیابی کی حقیقت بتلاتا ہوں اس سے ناکامی کا علم ہو جائے گا،
صاحبو! روپیہ مل جانا۔ ارزانی کا ہونا، روٹی کا ملنا، ہر شے کا حسب دل خواہ ملنا لوگ اس کو کامیابی کہتے ہیں یاد رکھو یہ کامیابی کی صرف صورت ہے کامیابی کی حقیقت نہیں چنانچہ میں ایک مثال عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ چیزیں اپنی ماہیت میں کامیابی نہیں ہیں دو شخص فرض کیے جائیں ایک شخص تو ایسا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ اُس کی مِلک میں ہے اور جائیداد ہے نوکر چاکر غرض سب سامان دنیا کا اُس کو میسر ہے لیکن اُس پر ایک مقدمہ فوجداری کا قائم ہو گیا اور اس میں پھانسی کا حکم ہو گیا اور ایک دوسرا شخص ہے جو اسی کے پڑوس میں رہتا ہے جس کی اوقات یہ ہے کہ وہ ۸ کا مزدور ہے مزدوری کی اور کھا کر اپنے بیوی بچوں میں سو رہا یہ امیر آدمی اس کو ہمیشہ تحقیر کی نظر سے دیکھتا تھا اگر آج اس امیر کو یوں کہا جائے کہ تم کو ایک صورت سے خلاصی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ تم اپنا سارا سامان اس شخص کو دے دو بجائے تمہارے یہ اس جرم کا اقرار کرلے گا اور اس کو پھانسی ہو جائے گی اور تم بچ جاؤ گے مگر اس کے بعد ناداری سے تمہاری حالت ایسی ہو جائے گی جیسی اس شخص کی ہے تو وہ امیر یقیناً یہی کہے گا کہ اس سامان کی کیا حقیقت ہے اگر اس سے دو گنا بھی میرے پاس ہو اور وہ دے کر جان بچے تو میں راضی ہوں اور اگر اس غریب کو کہا جائے کہ تم کو اتنا روپیہ اور سامان ملتا ہے لیکن تمہاری جان لی جائے گی وہ کہے گا کہ جب میری جان ہی گئی تو میں اس سامان کو لے کر کیا کروں گا سو صاحبو! اگر یہ روپیہ اور جائیداد اور مکانات ہی کامیابی اور مقصود اصلی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آج ان کو وہ شخص کامیابی کیوں نہیں سمجھتا اور ان کے دینے پر کیوں راضی ہے اور وہ غریب آدمی کیوں ان کے لینے پر راضی نہیں ہوتا۔

پس معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں کامیابی کی صورتیں ہیں حقیقت کامیابی کی اور شے ہے وہ کیا ہے راحت قلب۔ چونکہ مال سے راحت ہوتی ہے اس لئے وہ مقصود ہے بالذات مقصود نہیں ورنہ ہر حالت میں مقصود ہوتا۔

چنانچہ اس واقعہ نے ثابت کر دیا کہ ''خود غلط بود آنچہ ماپنداشتیم'' پس بڑی چیز اور اصلی مقصود راحت قلب ہے اسی واسطے وہ دو دو لاکھ روپیہ دینے پر بھی بے تکلف اور دل سے راضی بلکہ مصر ہے اور وہ ۸ کا مزدوران پر تھوکتا بھی نہیں جب یہ ثابت ہوگیا تو اب ہم اس شبہ کا جواب دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ راحت اور سکون حقیقی جو حقیقت ہے کامیابی کی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے صلاح وتقویٰ کے اختیار کرنے کے بعد اگر بارش وغیرہ بھی نہ ہو اور ظاہراً مصیبت بھی دُور نہ ہو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ ناکامی ہوئی اس حالت میں بھی کامیابی ہی ہے اس لئے کہ اس شخص کو مصیبت میں بھی پریشانی نہ ہوگی راحت اور سکون ہی ہوگا اور یہ نرا دعویٰ ہی نہیں ہے کہ راحت منحصر ہے اطاعت میں۔ اہل اطاعت کی حالت کا مشاہدہ کر لیجئے کہ ان کو کوئی شئے پریشان نہیں کرتی ان کا قلب ہر وقت مطمئن ہے اور جو کچھ حق تعالیٰ کی جانب سے پیش آتا ہے وہ اُس پر دل سے راضی ہیں خواہ وہ نعمت ہو یا قمت ہو، ارزانی ہو یا گرانی بارش ہو یا نہ ہو اور وہ اسی کو دل سے کامیابی سمجھتے ہیں۔

پس یہ ثابت ہوگیا کہ اگر سب نیک ہوں اور پھر بھی بارش نہ ہو تب بھی اس کو ناکامی نہ کہیں گے بلکہ وہی عین کامیابی ہے اس لئے کہ قحط اور امساک باران اسی وقت مصیبت ہے جبکہ اس سے پریشانی ہو اور جب کہ وہ ہر حالت میں راضی ہیں تو اُن کے لئے یہ مصیبت ہی نہیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب اگر اصلاح کر لیں تو اس کا کہنا ہی کیا ہے اگر ایک شخص بھی اپنی پوری اصلاح کر لے تو وہی کامیاب ہو جائے گا اس کو ہرگز پریشانی نہیں رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں جو راحت ہے وہ کسی شے میں بھی نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اور محبت وہ شے ہے کہ تمام تلخیوں کو شیریں کر دیتی ہے اور حق تعالیٰ کی محبت میں یہ اثر کیسے نہ ہوگا مجازی عشق میں یہ اثر ہوتا ہے کہ تکلیف کو راحت بنا دیتا ہے مثلاً کسی پر عاشق ہوں اور آپ چلے جا رہے ہوں کہ پیچھے سے کسی نے ایک گھونسہ بڑی زور سے

ایسا رسید کیا کہ بڑی تکلیف اور اذیت ہوئی پیچھے پھر کر جو دیکھا تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ گھونسہ مارنے والا وہ شخص ہے جس کے دیکھنے کی برسوں سے تمنا تھی اور غیبت میں جس کا نام لے کر دل کو تسلی دیا کرتا تھا۔ جیسے ایک حکایت ہے۔

دید مجنوں رایکے صحرا نورد در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم می نمودی بہرکس نامہ رقم
گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلےٰ می کنم خاطرِ خود را تسلی مے کنم

جس کا نام ہی بجائے مسمی کے تھا اب وہ سامنے جلوہ افروز ہے اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس حالت میں کیا اس گھونسہ کی اس کو تکلیف ہوگی اگر عشق میں سچا ہے تو یوں کہے گا کہ ایک گھونسہ نہیں تم میرے دس گھونسہ لگا لو مگر میرے سامنے رہو جسم کو تو اس کی تکلیف ضرور ہوگی لیکن قلب تو یہی کہے گا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور یہ کہے گا۔

نا خوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من

اور یہ کیوں ہے محض اس لئے کہ یہ محبوب کی جانب سے ہے۔ از محبت تلخہا شیریں بود جب مخلوق کی محبت میں یہ حالت ہے تو۔

عجب داری از سالکان طریق کہ باشند در بحر معنے غریق
خوشا وقت شوریدگان غمش اگر ریش بینند و گر مرہمش
گدایانے از پادشاہی نفور بامیدش اندر گدائی صبور
دما دم شراب الم درکشند دگر تلخ بینند دم درکشند

جبکہ تمہارے جیسا آدمی جو تمہاری مثل خون اور کھال اور گوشت پوست سے بنا ہے تمہاری یہ حالت بنا دیتا ہے تو صاحبو! محبوب حقیقی کے عشق میں تو یہ اثر کیسے نہ ہوگا پس

کوئی شخص یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ بعد اصلاح کے بھی ناکامی ہوتی ہے میرا مقصود صرف یہ ہے کہ ان کو اطمینان اور چین اور سکون ہر وقت رہتا ہے اس کا نام میں نے باعتبار حقیقت کے کامیابی رکھا ہے میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مصائب ان پر نہیں آتے مصائب صوریہ آتے ہیں مگر اس سے وہ پریشان نہیں ہوتے از جارفتہ نہیں ہوتے اور کیوں ہوں اس لئے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ بندہ کے واسطے وہی کرتے ہیں جو اس کے لئے بہتر ہو حق تعالیٰ کو ماں سے زیادہ شفقت ہے ۔

طفل مے لرز دزنیش احتجام مادر مشفق ازاں غم شاد کام

اللہ تعالیٰ ان کو مریض رکھیں یا تندرست۔ مفلس رکھیں یا امیر مگر ان کو ذلیل اور پریشان نہیں کرتے اس کے خلاف کہیں بتلاؤ تب شبہ کی گنجائش ہے۔

بہرحال ثابت ہوگیا کہ ان مصیبتوں سے بچنے کی تدبیر حقیقی صرف اطاعت کاملہ ہے پس اس تدبیر کو اختیار کرو اور دین کی طرف توجہ کرو اور اس کے طریقہ سے توجہ کرو بہت لوگ اس کے متعلق بھی غلطیوں میں مبتلا ہیں یعنی اگر دین کی طرف آتے ہیں تو نئے رنگ سے اور جو اُس کا اصلی طریق ہے اس طریق پر نہیں چلتے مثلاً کسی بزرگ سے کہتے ہیں کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر کیجئے کہ گناہ مجھ سے نہ ہوں گویا حضرت کے پاس کوئی زنجیر ہے کہ آپ کو اس میں جکڑ دیں گے تو گویا وہ نرے بزرگ ہی نہیں بلکہ کوتوال یا داروغہ جیل بھی ہیں ایک معقولی مولوی صاحب تھے ان کے ملنے کے لئے ایک خان صاحب رئیس آئے اور وہ رئیس مستاجری پر گاؤں لیا کرتے تھے مولوی صاحب نے پوچھا خاں صاحب گاؤں کا انتظام کس کے سپرد کر آئے۔

خاں صاحب نے فرمایا کہ بڑے پیر صاحب کے سپرد کر دیا، مولوی صاحب نے فرمایا: آہا! ہم تو یہ سمجھا کرتے تھے کہ بڑے پیر صاحب نرے ولی ہیں معلوم ہوا کہ وہ گاؤں کے پدبان بھی ہیں ظاہر میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولوی صاحب بڑے گستاخ تھے اور واقع میں گستاخ وہ خاں صاحب تھے کہ بڑے پیر صاحب رحمہ اللہ کو

انہوں نے ایسے لغو کام کا سمجھا تو ایسے ہی ہمارے بھائی اوّل تو دین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اگر کچھ ضروری شوق ہوتا ہے تو ایسی بے ہودہ فرمائشیں کرتے ہیں۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

بعضے کہتے ہیں کہ حضرت اپنے سینے میں سے کچھ دے دیجئے گویا ان کے پاس کوئی پڑیہ ہے کہ وہ اس میں سے تم کو بھی دے دیں گے۔

ایک بزرگ نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ جس کے سینہ میں سے تم مانگتے ہو یہ دیکھو کہ اس کے سینہ میں کیونکر آیا برسوں مجاہدے کئے محنتیں کیں خدمتیں کیں اپنے حظوظ نفسانیہ پر خاک ڈالی جب کچھ ملا سو تم بھی اسی طرح کرو۔

صوفی نشود صافی تا درنہ کشد جامے ۔ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

بڑے بڑے سفر سے مراد مجاہدے اور مشقتیں ہیں اتنے مجاہدوں کے بعد خامی گئی ہے غرض نرا خبط ہے۔

صاحبو! خدمتیں کرو محنتیں کرو، اللہ تعالیٰ فضل فرمانے والے ہیں۔ طلب کا تو یہ حال پھر چاہتے ہو کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے مل جائے تو یہ طریق بزرگی کے متعلق کلام تھا اب اس کے ثمرات کے متعلق لیجئے کہ بزرگی کے ثمرات اپنے ذہن میں کیا سمجھ رکھے ہیں مثلاً اگر کوئی اچھا خواب نظر آ گیا بس یہ بزرگی ہے اور اگر خواب بند ہو گئے سمجھ گئے کہ بزرگی ہماری جاتی رہی میرے پاس بہت خطوط خوابوں کے متعلق آتے ہیں۔

میں تو جواب میں یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ۔ چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

جو دریافت کرو بے داری کی حالت پوچھو خواب تو اگر یہ بھی دیکھ لو کہ سور کا گوشت کھایا ہے واللہ ذرّہ برابر تم کو بعد نہیں ہوا اور اگر خواب میں یہ دیکھو کہ ہم جنت میں ہیں واللہ اس سے کچھ قرب نہیں ہوا بہر حال کام کرو کام کرنے سے کچھ ملتا ہے اور سینہ میں کیا دھرا ہے ہاں سینے میں تو بلغم ہے وہ تم کو دے دیں گے اور بعضے لوگ اس طرح دین

کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ دنیا لے کر بزرگوں کے پاس جاتے ہیں کیا معنی کہ بزرگوں کے پاس جائیں گے اوران کا وقت بھی ضائع کریں گے اور دنیا بھر کے قصے وہاں بیان کریں گے حضرت بمبئی میں یہ ہو رہا ہے رُوم میں یہ قصہ ہوا۔ رُوس میں یہ واقعہ ہوا تھا۔ صاحبو! تم کو رُوم، رُوس کے قصوں سے کیا لینا ہے خود تمہارے اندر ایک رُوم، رُوس ہے کہ ان میں روزانہ جنگ رہتی ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے برادر عقل یک دم باخود آر　　دمبدم در تو خزان است بہار

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ

تو زغنچہ کم ندمیدۂ دردل کشابہ چمن درآ

حکیم سنائی کہتے ہیں۔

آسماں ہاست در ولایت جاں　　کار فرمائے آسمانِ جہاں

در رہ رُوح پست و بالا ہاست　　کوہ ہائے بلند و صحرا ہاست

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

و انت الکتاب المبین الذی　　باحرفه یظهر المضمر

وتزعم انک جرم صغیر　　و فیک اتطوی العالم الاکبر

صاحبو! تمہارے اندر سب کچھ ہے رُوم بھی ہے رُوس بھی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں مکان بنے ہوئے ہیں مقصود یہ ہے کہ جب تم رُوم ورُوس کی لڑائی دیکھو یا سنو تو اپنے اندر رُوح ونفس کی لڑائی کے متعلق بھی غور کیا کرو کہ تمہارا نفس غالب ہے یا روح غالب ہے یہ کیا ظلم وستم ہے کہ بیرونی لڑائیوں کے تو تذکرے کرو اور اپنے اندر جو لڑائی ہے اس سے غفلت ہو۔

ماقصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

یاد رکھو کہ اگر اس سے غفلت میں رہے تو بہت پچھتاؤ گے یہاں تو ناکامی ہو ہی رہی ہے وہاں بھی ناکام رہو گے بہت جلدی اصلاح کرلو۔

(۱۳) آج کل لوگ آمدنی وخرچ کے طریقوں میں حدودشریعت کا لحاظ نہیں رکھتے
، اس زمانہ میں آمدنی کے بہت سے طریقے خلاف شرع شائع ہوئے ہیں کہ جوئے یا
ربوا سے خالی نہیں دیوالی کی رات میں جو جواء کھیلا جاتا ہے اس کو تو بُرا سمجھتے ہیں لیکن
آج کل جو سٹہ چل رہا ہے اس سے پرہیز نہیں کرتے۔ ان سٹہ والوں میں بہت لوگ
ایسے ہیں کہ نمازی اور داڑھی لمبی، ٹخنوں سے اُوپر پاجامہ، ہاتھ میں تسبیح ، بڑے متقی۔
لیکن سٹہ سے ان کا تقویٰ نہیں ٹوٹتا یادرکھو یہ بالکل جوا ہے اسی طرح چٹھیاں جو پڑتی
ہیں یہ بھی جواء ہے اس سے بڑھ کر بیمہ کمپنیاں جو نکلی ہیں وہ بھی حرام ہیں ان کے تو
شروع ہی میں بیم آگیا ہے۔(یہ لطیفہ ہے ۱۲ جامع)۔

اور شادی فنڈ اور جان بیمہ اور ایک قسم کے ٹکٹ کی تقسیم کا سلسلہ یہ سب حرام وقمار و
جواء اور ربوا ہیں اور ان میں سخت دھوکہ بھی ہے، شریعت میں کوئی معاملہ پیچیدہ نہیں اور
اِن طریقوں میں سخت پیچیدگی اور دھوکہ ہے، یہ تو آمدنی کے طریق ہیں اور خرچ کے
اندر کچھ باک ہی نہیں جہاں چاہتے ہیں تنعمات میں فضول سامان میں نام وری کے
کاموں میں بے دھڑک خرچ کرتے ہیں، سمجھتے ہیں اپنی شئے ہے جس طرح چاہیں
صرف کریں اور سب سے زیادہ مصرف جو اس شہر میں کثرت سے ہے کوکین کھانا ہے
اس کوکین سے سینکڑوں گھر برباد ہو گئے، ظاہر میں تو ذراسی چیز ہے لیکن مفاسد اس کے
کثیر ہیں، شیطان کا شیرہ ہے شیطان کو کسی نے کہا تھا کہ تو بڑا ملعون ہے گناہ کراتا
ہے۔ اس نے کہا میں کیا گناہ کراتا ہوں میں تو ایک ذراسی بات کرتا ہوں لوگ اس کو
بڑھادیتے ہیں۔ دیکھو میں تم کو تماشا دکھلاتا ہوں ایک دکان پر پہنچے ایک انگلی شیرہ کی بھر
کر دیوار کو لگادی، اس پر ایک مکھی آبیٹھی ایک چھپکلی اس پر جھپٹی اس پر دکاندار کی بلی
دوڑی اس پر ایک خریدار کا جو کہ فوجی سوار تھا کتا لپکا۔

دکاندار نے اس کتے کے ایک لکڑی ماری، سوار کو غصہ آیا اس نے دکاندار کے ایک
تلوار ماری، بازار والوں نے انتقام میں سوار کو قتل کر ڈالا فوج میں خبر ہوئی فوج والوں

نے بازار کو گھر کر قتل عام شروع کر دیا، بادشاہ وقت نے دوسری فوج سے ان ظالموں کو سزا میں قتل کرانا شروع کر دیا ایک گھنٹہ میں تمام شہر میں خون کے ندی نالے بہہ گئے، شیطان نے کہا دیکھا میں نے کیا کیا تھا اور لوگوں نے اس کو کہاں تک پہنچایا۔ اسی طرح یہ کوکین بھی شیطان کا شیرہ ہے جب تک اپنے پاس روپیہ رہتا ہے اس کو خرید کر کھاتے ہیں جب وہ ختم ہو جاتا ہے تو اثاث البیت بیچ کر کام چلاتے ہیں جب وہ بھی ختم ہو گیا تو بیوی کا زیور، پھر جائیداد اور گھر غرض سب اُڑا دیتے ہیں جب اپنا سرمایہ ختم ہو گیا، پھر پڑوسیوں پر صفایا شروع کر دیا، کسی کے برتن اُٹھا لئے، کسی کے یہاں نقب دے دی، آخر جیل خانہ میں چلے جاتے ہیں، وہاں مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں، گھر رہنے میں تو کچھ فکر بھی تھی وہاں کچھ فکر ہی نہیں، بعضے ایسے بے حیاء ہوتے ہیں کہ جیل خانہ سے جب چھوٹتے ہیں تو کہہ کر آتے ہیں کہ ہمارا چولہا باقی رکھنا ہم پھر آئیں گے۔

غرض یہ کوکین بڑی بلا کی شئے ہے اور ہزاروں اس میں مبتلاء ہیں اور تعجب ہے کہ سب بلائیں اور مصیبتیں اُٹھاتے ہیں لیکن چھوڑتے نہیں، لوگ کہتے ہیں کہ یہ چھوٹتی نہیں۔ صاحبو جب ہمت قوی کر لی جائے تو سب چھوٹ جاتی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک گاؤں کا رہنے والا مرید ہونے کے لئے آیا، حضرت رحمہ اللہ نے کلمات بیعت کے کہ جن کا حاصل معاصی سے توبہ ہے کہلا دیئے جب توبہ کر لی تو کہتا ہے کہ مولوی جی افیم سے تو توبہ کرائی ہی نہیں حضرت نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ تو اُفیون کھاتا ہے اچھا یہ بتلا کتنی کھایا کرتا ہے جس قدر کھاتا ہو میرے ہاتھ پر رکھ دے مگر اس نے جیب میں سے اُفیون کی ڈبیہ نکال کر دُور پھینکی کہ مولوی جی جب توبہ ہی کر لی اب کیا کھاویں گے گھر گیا تو دست شروع ہوئے اس نے مولانا سے کہلا کر بھیجا کہ حضرت دُعا کیجئے اچھا ہو جاؤں چند روز کے بعد تندرست ہو کر پھر آیا دو روپیہ حضرت کی خدمت میں پیش کئے، حضرت نے بعد انکار کے اس کے اصرار سے قبول فرمائے کہتا ہے مولوی جی یہ تو آپ نے پوچھا ہی نہیں کہ یہ روپیہ کیسے ہیں۔

حضرت نے دریافت فرمایا بتلاؤ کیسے ہیں۔ کہا افیم کے ہیں پوچھا افیم کے کیسے۔ کہنے لگا میں دو روپیہ ماہوار کی افیون کھاتا تھا جب میں نے افیون چھوڑی تو میرا نفس بہت خوش ہوا کہ دو روپیہ بچیں گے میں نے کہا کہ میں تیرے لئے نہیں بچاؤں گا یہ دو روپیہ اپنے پیر کو دوں گا۔ بظاہر لوگ اس گنوار کو اس کی گفتگو سے غیر مہذب سمجھے ہوں گے حضرت تہذیب نام لکھنؤ اور دہلی کے الفاظ کا نہیں ہے وہ تعذیب ہے تہذیب نام ہے تہذیب نفس کا جس کا بڑا شعبہ خلوص ہے جو اس گنوار میں کمال کے ساتھ حاصل تھا سو آپ نے الفاظ کو تو دیکھا لیکن یہ نہ دیکھا کہ اس گنوار میں کس درجہ کا خلوص اور تکلف اور تصنع سے کتنا دور تھا کہ جو بات تھی بلا تکلف سب کہہ دی۔ مولانا رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما بروں رانگریم و قال را مادروں رابنگریم و حال را

اور اس گنوار کی قوت علمی و عملی پر غور فرمایئے کہ کس درجہ تھی قوت علمی تو فہم اس بات کا کہ نفس کے خلاف کرنا چاہئے اور عملی قوت یہ کہ ایک دم سے ایک مدت کی عادت کو جو سالہا سال کے مجاہدہ سے بھی نہیں چھوٹتی چھوڑ دی۔

بہر حال یہ نفس کے حیلہ حوالے ہیں جب آدمی دل سے ہمت کرتا ہے اور قصد کرتا ہے کسی کام کے چھوڑنے کا تو حق تعالیٰ ضرور امداد کرتے ہیں۔ پس کو کین بھی ہمت کر کے چھوڑ دو، اسی طرح اور سب بیہودہ اخراجات ترک کر دو۔ خلاصہ یہ ہے کہ آمدنی اور خرچ کے طرق کی بھی اصلاح کیجئے۔

دُعاةُ الاُمّۃ وَهُداةُ المِلّۃ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی مظہار الجلی اعنی بہ

مَولانا مُحمّد اَشرف علی التّھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

دُعَاۃُ الْاُمَّۃِ وَهُدَاۃُ الْمِلَّۃِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"بعد الْحمدوَ الصَّلٰوۃ" احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ باقتضاء وقت ایک ضروری مضمون بقاء ملت اسلام کے عرض کرتا ہے جس کو پولیٹیکل معاملات سے کچھ تعلق نہیں۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:"ولتکن منکم اُمّۃ یدعُون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر وَاُولٰئِکَ هُمُ الْمفلحُوْن" یعنی تم مسلمانوں میں (ہمیشہ) ایک ایسی جماعت رہنا چاہیے جو خیر کی طرف (لوگوں کو) دعوت کرتی رہیں اور اچھی باتوں کی فرمائش کرتی رہیں اور بُری باتوں سے منع کرتی رہیں اور (دُنیاو آخرت میں) کامیاب یہ ہی لوگ ہیں۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"لایزال طائفة مِنْ اُمّتِی مَنْصُورِیْن علی الحقّ لا یضرھم مِنْ خذلھم" یعنی میری اُمت میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت (خدمت دین کے لیے) موجود رہے گی جو (منجانب اللہ) منصور (ومؤید) ہوں گے اور حق پر قائم ہوں گے اور جو شخص ان کا ساتھ نہ دے گا وہ (یعنی اس کا ساتھ نہ دینا) ان کے لیے مضر نہ ہوگا۔

آیت شریفہ تشریعاً ایسی جماعت کو ضروری بتلا رہی ہے جو طریق حق کی طرف اُمت کے داعی اور ملت کے ہادی ہوں اور اخیر میں لفظ عام سے اس جماعت کی کامگاری کی بشارت دے رہی ہے اور حدیث شریف بعد ضرورت تشریعیہ کے ایسی جماعت کے وجود تکوینی مستمر الی یوم القیامۃ کی پیشین گوئی کر رہی ہے اور اُس جماعت کی کامگاری کا راز کہ تائید من اللہ ہے بتلا رہی ہے۔

اور "لایضرھم من خذلھم" سے لطیف و خفی لہجہ میں اس جماعت کا ساتھ نہ دینے والے کا مذموم و ملام ہونا اس عنوان سے ظاہر کر رہی ہے کہ اس جماعت کا جب خدا تعالیٰ ساتھ دیتا ہے جس سے وہ منصورین کی صفت سے موصوف ہوئے تو ان کا ساتھ نہ دینے والا خدا کا مخالف ہوا کہ خدا تو ساتھ دے اور وہ شخص ساتھ نہ دے۔ "اعاذنا اللہ منہ"

اور ایک طرف جس طرح ساتھ نہ دینے والے کو مذموم و ملام کہہ رہی ہے دوسری طرف صریح دلالت سے اس جماعت کو کسی کا ساتھ نہ دینے سے اندیشہ میں پڑنے سے بے فکر کر رہی ہے کہ تم تسلی رکھو اگر تمہارا کسی نے ساتھ نہ دیا تب بھی تم کو اس سے ضرر نہ ہوگا اور تمہاری کامیابی میں تمہارا انفراد سنگ راہ نہ ہوگا کیونکہ تمہارا ساتھ دینے والا خدا ہے جس کے ساتھ دینے کے بعد کسی کے ساتھ دینے کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔

اور اس پر نظر کر کے یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ کسی کا ساتھ دینا اس کا دین یا خدام دین پر احسان نہیں ہے بلکہ یہ خود اس پر خدائی احسان ہے کہ گو اس کی اس محکمہ میں ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی بلا ضرورت اس کو جگہ دے دی گئی اور تنخواہ و اُجرت یعنی ثواب و قبول بمقدار اوفی دی گئی یہ ہی معنی ہیں اس ارشاد کے "یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صٰدقین" اور اسی کا ٹھیک ترجمہ ہے:

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمیکنی　　منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

یہ مدلولات و مفہومات ہیں آیت و حدیث مذکورین کے اور اسی جماعت کی بعض اہم اوصاف و خدمات والقاب کی مختصر تعیین و مجمل تبیین حضرت مولانا شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اپنے اس قول میں فرمائی ہے۔ "المعتنین بتعلیم الشرائع والقرآن والسنن والآمرین بالمعروف والناھین عن المنکر والذین یحصل بکلامھم نصرۃ الدین اما بالمجادلۃ کالمتکلمین او بالموعظۃ کخطباء الاسلام او بصحبتھم کمشائخ الصوفیۃ الذین یقیمون

الصلوٰة والحج والذين يدلون علىٰ طريق اكتساب الاحسان والمرغبون فى التنسک والتزهد والقائمون بهذا الامرهم الذين نسميهم بالخلفاء الباطنين" اس عبارت میں اس جماعت کے یہ تو اوصاف ہیں۔ "معلم الشرائع والقرآن والسنن. امر بالمعروف وناهی عن المنكر ناصر دين بالكلام الملفوظى اوالمكتوبى" اور یہ خدمتیں ہیں علاوہ اُن خدمات کے جو اوصاف مذکورہ سے ماخوذ و مفہوم ہیں۔ مجادلہ وکلام، وعظ وخطبہ، ہمت بالصحبت، تہذیب نفس وتحصیل نسبت اور اخیر میں لقب ہے یعنی خلفاء باطنین۔

میرا اس وقت کا مضمون کوئی جدید دعویٰ نہیں ہوگا بلکہ قرآن مجید کی اسی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی اسی عبارت کی کچھ شرح اور تفصیل ہوگی جس سے وہ ہر طرح قابل قبول اور لائق توجہ وعمل ہوگی۔ "وان اريد الا الاصلاح ما استطعت وما توفيقى الا باللّٰه عليه توكلّت واليه أُنيب"

اِس آیت اور اس روایت اور اس عبارت میں چند احکام ہیں اور بعض احکام میں کچھ اجزاء۔ ہر حکم اور ہر جزو پر مختصر مختصر عرض کرنا ضروری ہے۔ حکم اوّل بقاء دین اِن اُمور پر موقوف ہے۔ علم تفسیر، علم تجوید وقراۃ، علم حدیث، علم اُصول حدیث، علم عربیہ صرف ونحو ولغت وبلاغت، علم فقہ جس میں فرائض وعلم اخلاق وتصوف بھی داخل ہے۔ علم اُصول فقہ، علم کلام، علم قول شارح و حجت، اُصول مناظرہ اور جو علوم ان کے مقدمات یا متممات ہوں ان کی تکمیل میں اہل مدارس مشغول ہیں۔

وعظ جو مساجد ومجالس عامہ میں دیکھا جاتا ہے، تربیت اخلاق وسیاسات نفس جو خانقاہوں میں پایا جاتا ہے۔ اس حکم میں چند اجزاء ہیں:

جزو اوّل: وجہ توقف اور علوم پر ظاہر ہے کیونکہ دین میں کل دو امر مقصود ہیں۔ تصحیح عقائد و اِصلاح اعمال۔ ان اعمال میں اعمال جوارح اور اعمال قلب دونوں داخل ہیں اور اعمال جوارح میں دیانات و معاملات دونوں داخل ہیں اور معاملات میں

حقوق مالیہ اور معاشرت دونوں داخل ہیں۔ قرآن و حدیث ان کی تعلیم میں اصل ہے۔ پھر قرآن مجید کے توضیح مغلقات وتعیین مبہمات ومشترکات وامثال ذلک میں لغات وروایات کاشفہ اسباب نزول کی حاجت ہوئی۔ اس مجموعہ کا نام علم تفسیر ہے۔

اور چونکہ قرآن لغت عربی میں ہے اس سے علوم عربیہ ادبیہ ولغات کی احتیاج بھی ثابت ہوگئی اور حدیث چونکہ بجمیع اجزاء متواترۃ الالفاظ نہیں ہے اس لیے اس کی تنقید و تمیز کے لیے علم اُصول روایت کہ فن رجال بھی اس کے تابع ہے ضروری ٹھہرا اور چونکہ بعض احکام صریح الفاظ قرآن و حدیث کے مدلول نہیں اس لیے سلف صالح نے غیر منصوص کے احکام کو منصوص سے اخذ واستنباط کرنے کے لیے خود قرآن وحدیث سے قواعد صحیحہ سمجھ کر اُن کو خود بھی استعمال کیا اور اپنے اصحاب پر اس کو القاء واملاء فرمایا۔ اس سے فقہ کہ علم احکام مستنبط ہے اور اُصول فقہ کہ علم بقواعد استنباط احکام ہی حاصل ہوا۔

پھر چونکہ ہر زمانہ میں عامۂ ناس تحصیل علوم بدرجۂ تکمیل کے لیے فارغ نہیں ہوسکتے۔ اس لیے ان کے افادہ کا سہل طریق خطبہ یعنی موعظت عامہ قرار پایا اور چونکہ بعض اعمال نفس پر کسی قدر شاق ہیں جن میں کوتاہی بعید نہیں۔ نیز بعض اعمال میں بعض غامض خرابیاں بھی ہیں جن کا فروگذاشت ہو جانا عجیب نہیں اس لیے اوّل کے تدارک کے لیے بالاستقلال علوم منبہہ کی کہ علم اخلاق ہے اور ثانی کی تلافی کے لیے یہ سمجھ کر کہ انسان بنی نوع کے حال سے بہت متاثر ہوتا ہے صحبت اہل تہذیب کی ضرورت ثابت ہوئی یہ انتظام تو اندرون حدود کا ہے۔

چونکہ ہر مقصود الابقاء چیز کے لیے اندرونی انتظام کے ساتھ بیرونی حفاظت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ دین اسلام بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے بیرونی حملات مذہبی کی مدافعت بھی ایک لابدی امر ٹھہرا اس کے لیے علوم مجادلہ وکلام کی ضرورت قرار پائی اور چونکہ بعض مدافعات میں مخالف کے مذہب پر بھی نظر کی ضرورت ہوتی ہے اس ضرورت سے بھی اور نیز خود احقاق حق وابطال باطل کی غرض سے بھی جو کہ اشاعت

اسلام کے لیے موقوف علیہ ہے اور یا اشاعت خود موقوف ہے بعض اوقات دوسرے مذاہب پر مطلع ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بعض غیر مقصود علوم کی تحصیل اس مرتبہ میں مقصود بالغیر ہوگی۔ نیز اثبات اُمور بوجہ الاثبات اور نفی اُمور بوجہ النفی میں چونکہ عقلی قوانین کی حاجت ظاہر ہے اس بناء پر بعض علوم آلیہ عقلیہ بھی ایسے ہوں گے۔

اور چونکہ شریعت نے قرآن مجید کے الفاظ کے ساتھ بذات بھی مقصود ہونا ہے بضرورت حفاظت بھی اور بمصلحت ثواب تلاوت بھی اس لیے تجوید و قرأت بھی واجب الاہتمام ہوا۔ اس تقریر سے اجمالاً تمام علوم ضروریہ بالذات و بالغیر کی مختصر فہرست معلوم ہوگئی اور ساتھ ساتھ ان سب پر بقاء دین کا توقف عقلی عادی بھی معلوم ہوگیا اور بقیہ اُمور پر توقف آگے جزو دوم میں مذکور ہوگا۔

جزو دوم: عام لوگوں کو جو کہ علوم مذکورہ میں بوجہ عدم فراغ مہارت نہیں پیدا کر سکتے ضروریات دین پر اطلاع ہونے کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ خود اُن کو اُس کی حاجت محسوس ہو اور احساس کے ساتھ طلب و رغبت بھی ہو اور اس وجہ سے وہ کسی ماہر عالم کے پاس قصد کر کے جاویں اور سوال کر کے جواب حاصل کریں یا استفتاء واقعہ ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ یا تو اُن کو حاجت کا احساس ہی نہ ہو۔ یعنی مثلاً اُن کو اپنے کسی فعل کے متعلق کوئی شبہ ہی نہ پیدا ہو اس لیے اُس کی نسبت سوال کی حاجت نہ سمجھیں یا احساس ہو مگر جاذبہ عمل و تقویٰ کا تقاضا نہ ہو اس لیے پوچھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھیں اور اس لیے اُن کو علماء خود ابتداءً خطاب کر کے متنبہ و متوجہ کریں۔

اور چونکہ غفلت اکثر میں غالب ہے اس لیے علماء کو اجازت نہ ہوگی کہ عوام سے پہلے طریقہ کے منتظر رہیں بلکہ دوسرے طریقہ کا اختیار کرنا خود اُن پر ضرور ہوگا اس سے مواعظ و خطبات عامہ کا محتاج الیہ بقاء دین کا ہونا ظاہر ہوا۔

جزو سوم: تحصیل علم کی غایت عمل ہے اور اعمال میں عموماً جذبات باطنہ محمودہ کا سخت دخل ہے اور ان جذبات کے ساتھ دوسرے جذبات نفسانیہ جن کی بناء بعض

منافع دنیویہ کا جلب یا بعض مضار دنیویہ کا دفع ہے۔ اکثر اوقات منازعت کرتے ہیں اور بوجہ ان جذبات نفسانیہ کے اوفق بالمرافق العاجلہ ہونے کے اکثر یہی غالب آتے ہیں اور اس کے مغلوب کرنے اور جذبات محمودہ کے غالب کرنے کے لیے صرف ایک ہی چیز کام دینے والی ہے یعنی ہمت بمعنی عزم مصمم۔

اور تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بہت کم طبائع ایسی ہیں کہ حالت انفراد میں اُن کے عزم کو تصمیم ہو جاوے اس لیے اکثر کے لیے اس کی سخت حاجت ہوگی کہ وہ کسی صاحب عزم مصمم کے ساتھ چندے مجتمع رہے کہ اُس کے عزم کو دیکھ دیکھ کر اس کے عزم میں تصمیم پیدا ہو اور پھر بعد راسخ ہو جانے ملکہ کے مفارقت اور انفراد بھی مضر نہ ہوگا اور اس مصلحت تصمیم عزم کے ساتھ ہی دوسرے منافع و مصالح بھی مثل اطلاع کے دقائق مکائد نفس پر اور تطہیر اعمال کے شوائب اغراض فاسدہ سے اور ایک وجدانی و ذوقی تعلق پیدا ہو جانے کے حق تعالیٰ کے ساتھ وغیر ذلک بھی اُن کی صحبت سے میسر ہوتے ہیں۔

اس سے ضرورت مفہوم ہوگئی ہوگی۔ حضرات مشائخ صوفیہ کی صحبت میں چندے رہ کر اُن کے ارشادات پر عمل کرنے کی اور یہ ضرورت مشترک ہے خواص و عوام یعنی علماء وغیر علماء سب کے درمیان میں۔

پس حکم اوّل کے ان اجزاء ثلثہ میں بقاء دین کا توقف جمیع اُمور مذکورہ پر ثابت ہوگیا اور یہی مدعا تھا اور یہ حکم آیت کے ان جملوں میں ”**یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر**“ اجمالاً اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت میں تفصیلاً موجود ہے جو اُسی اجمال کی تفصیل ہے۔ چنانچہ ”**دُعاء الی الخیر وامر بالمعروف و نھی عن المنکر**“ کا اِن سب پر منطبق ہو جانا اہل علم پر خفی نہیں رہ سکتا۔

حکم دوم: ان علوم کی تحصیل کے دو درجے ہیں ایک مجموعہ مقاصد و آلات کا مہارت کے ساتھ جمع کرنا، دوسرے صرف مقاصد پر اور اس میں بھی ہر وقت کے

اقتضاء کے موافق ضروری مقدار پر پھر دوسرے وقت پر اُس وقت کے اقتضاء کے موافق ضروری مقدار پر اکتفاء کرنا۔

اور ظاہر ہے کہ درجۂ اوّل کے لیے ہر اُمتی فارغ نہیں ہے اسی لیے اسلام کے کسی دور میں بھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہر ہر واحد اس درجہ کا جامع ہوا ہو۔ البتہ ہمیشہ یوں رہا ہے اور اب بھی یہی ہوسکتا ہے اور اتنا ہی ہونا کافی بھی ہے کہ دوسرا درجہ عام رہے اور پہلا درجہ خاص جماعت کے ساتھ خاص رہے مگر وہ جماعت ہر جگہ شمار میں اتنی ہو کہ اُس جگہ کی ضروریات دینیہ کیلئے کافی ہوسکے۔ پہلے درجے کے لوگوں کو عوام یا طلبہ کہا جاوے گا۔ دوسرے درجے کے لوگوں کو خواص یا علماء لقب دیا جائے گا۔

آیت میں "اُمَّۃٌ الخ" اور حدیث میں "طائفۃ الخ" اور شاہ صاحب کی عبارت میں خلفاء باطنین اِسی جماعت خواص کے اوصاف ہیں۔ جیسا کہ دوسرے درجہ کا ایک اور آیت میں بعنوان الناس اور ایک اور حدیث میں بعنوان مسلم و مسلمۃ ذکر ہے۔ آیت یہ ہے "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس" حدیث یہ ہے: "طلب العلم فریضۃ علٰی کل مسلم و مسلمۃ" نیز صدر کی آیت وحدیث بھی اس درجہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ آیت میں "یدعون" کا مفعول مقدر اور حدیث میں لفظ اُمتی کے مصداق کا (جو کہ مِنْ کا مجرور ہے) بقیہ اس سے عبارت ہے۔

حکم سوم: جس جماعت کو علماء و خواص سے اوپر ملقب کیا گیا ہے اور جس کو قرآن وحدیث میں اُمۃ داعیہ الی الخیر اور طائفہ منصورین فرمایا گیا ہے اس جماعت کا قائم ہونا اور ہمیشہ قائم رہنا مقاصد شرعیہ اور واجبات دینیہ سے ہے۔ چنانچہ قرآن میں "ولتکن" صیغۂ امر اس وجوب پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے تو بعد انضمام حکم دوم ایک ایسی جماعت کا جن میں علماء مفسرین ومحدثین وفقہاء واُصولیین ومتکلمین وخطباء و صوفیہ ہوں قائم کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہوا اور بعد انضمام حکم اوّل بقاء دین کا اِس جماعت علماء پر موقوف ہونا ثابت ٹھہرا۔

تجربہ متعلقہ تکمیل و تسہیل حکم سوم

اس میں کلام زیادہ طویل کرنے کی حاجت نہیں زمانہ کے اسباب و واقعات نے تجربہ و مشاہدہ کرا کر اس کے تسلیم کرا لینے پر بلاشبہ مجبور کر دیا ہے کہ اس شان کی جماعت علماء کی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے تیاری کی تکمیل موقوف عادی ہوگئی ہے اسباب خاصہ کے جمع ہونے پر۔ اُن اسباب کا خلاصہ آئندہ کی مختصر سطور سے سمجھ میں آ جاوے گا وہ یہ کہ جابجا اسلامی علوم کی کفالت کے لیے مدارس ہوں اور اُن میں علوم دینیہ کا درس ہو اور اُن کا ایسا نظم ہو کہ اُن کے محصلین میں ایسے کاملین کی جماعت پیدا ہو جو مذکورۂ بالا خدمات دین کے لیے بالکل کافل و کافی ہوں۔

اور چونکہ مشاہدہ ہے کہ ہر مدرسہ میں کاملین تیار ہونے کا نہ سامان ہے اور نہ مسلمانوں کی حالت سے یہ اُمید ہے کہ ہر ہر مدرسہ میں اتنا سامان مہیا کر سکنے کے وہ متحمل ہو سکیں۔ اس واسطے یہ ضرور ہوگا کہ بعض مدرسے ایسے ہونے چاہئیں۔

پھر وہ اگر متعدد ہوں اور ایک کا دوسرے سے کوئی ارتباط و اتساق نہ ہو تو اس صورت میں تجربہ ہی اس ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ بوجہ اس کے کہ طبائع میں استبداد و انفراد غالب ہے بہت جلد ایک دوسرے کے گھٹانے یا مٹانے کی فکر میں پڑ کر دونوں ہی اس اثر سے متاثر ہوں گے اور کوئی بھی کامیاب نہ ہوگا۔

اور اگر باہم کوئی ارتباط ہو تو اگر تساوی کے ساتھ ہے تو اس پر بھی تجربہ ہی شہادت دینے کے لیے تیار ہے کہ محض تساوی کے ساتھ وہ ارتباط رہ نہ سکے گا۔ چنانچہ قدرتی یہ ہی راز ہے بنی آدم میں باوجود تشارک نوعی کے عقلاً و نقلاً تشارک حکمی کے جائز نہ ہونے کا اور بالاضطرار ایک کے فرماں روا ہونے اور لاکھوں کروڑوں اُسی فرماں روا جیسے ہاتھ پاؤں رکھنے والوں کے زیر فرمان ہونے کا۔

اور اگر تساوی کے ساتھ نہ ہو بلکہ ایک کو دوسرے کا تابع بنایا جاوے تو اُس کا حاصل یہ ہوا کہ اگر اسی درجہ کے علماء تیار کرنے والے متعدد مدارس بھی ہوں تب بھی

اِن سب کا مرکز اور صدر اور متبوع اور قطب الرحی ایک ہی مدرسہ ہونا چاہیے۔

اور جب ایک کی مرکزیت کی ضرورت تسلیم کر لی گئی تو اب اس خصوص میں گفتگو کرنا کہ پھر ایسے مدارس متعدد ہوں یا ایک ہو قبل از وقت اور فوق از منصب تسلیم کنندۂ مرکزیت کے ہے کیونکہ جب ایک کو مرکز مان لیا تو اب اس کا فیصلہ اُس مرکز ہی میں ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ وہ مرکز مجموعی حالات داخلیہ و خارجیہ پر نظر کر کے سر دست ایسے مدرسہ کا ایک ہونا اور آئندہ ضرورت و مصلحت و وسعت کی بناء پر متعدد ہونا مناسب قرار دے۔ اس وقت تو مقصود اعظم اس کا تسلیم کرانا تھا کہ مرکز ایک ہی مدرسہ ہونا چاہیے سو وہ مسلم ہو چکا۔

پس حاصل اُن اسباب موقوف علیہ تکمیل اعداد جماعت مذکورہ کا یہ ہوا کہ مثلاً ہم لوگوں کے لیے ہندوستان میں ایک ایسا مدرسہ مرکزیہ تجویز کیا جاوے کہ تمام مدارس اسلامیہ اُس کے تابع ہوں اور ہر مدرسہ کا درس اُس مدرسہ مرکزیہ کی رائے سے معین کیا جاوے اور ان مدارس کے محصلین جب اُس درس سے فارغ ہو جاویں تو اِس مدرسہ مرکزیہ میں تکمیل کے لیے آجاویں اور تکمیل سے مراد درسیات متعارفہ کا پورا کرنا نہیں یہ تو اُن مدارس فرعیہ میں سے بھی بہت سے مدرسوں میں رہ سکتا ہے اور خود اِس مدرسہ مرکزیہ میں بھی مثل دیگر مدارس کے یہ نصاب بھی رہنا چاہیے۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے اکابر کا طریق تھا کہ باوجود جامعیت کے زیادہ توجہ ہر محصل کے مناسب طبیعت و موافقت مذاق کے لحاظ سے کسی خاص فن کی طرف کی جاتی تھی اور یہ ہی وجہ تھی کہ سب کامل ہی ہوتے تھے اور گو قدرتی طور پر اب بھی یہ طریقہ جاری ہے کہ بعد تحصیل نصاب متعارف کے سب کی توجہ الگ الگ خاص خاص فنون کی طرف ہو جاتی ہے۔ لیکن بڑا فرق ہے اس میں کہ توجہ ہو اور سامان نہ ہو یا کم ہو اور اس میں کہ توجہ ہو اور سامان بھی پورا ہو۔ اکابر کے پاس اگر سامان میں کچھ کمی ہوتی تھی تو وہ اپنی جد و جہد و صبر و مشقت و نیز فطری اصابت فہم سے اُس کی تلافی کر لیتے تھے اور اب یہ جزو ما بہ التلافی خود کمیاب ہوتا جاتا ہے و نیز اُس وقت

دوسرے مذاہب وملل والے بھی ایسے ضوابط سے کام نہ لیتے تھے اس لیے اہل حق کو بھی اس کی ضرورت نہ تھی اب ایک تغیر یہ بھی ہو گیا ہے۔

اس لیے بہت ضروری ہے کہ جس کی مناسبت جس علم سے دیکھی جائے اُس کو اس علم کی کتابیں زیادہ مقدار میں دی جاویں۔ اُس علم کے ماہر اساتذہ کی صحبت میں اُس کو چندے رکھا جاوے اُس کی ضروریات کی کفالت کی جاوے تاکہ فراغ کے ساتھ ترقی ومہارت حاصل کر سکے، تکمیل سے ہماری یہ مراد ہے۔ ایسی تکمیل کے لیے اس مدرسہ مرکزیہ میں ایک درجہ ہونا چاہیے۔

ایسے مدرسہ کا لقب پہلے سے عام وخاص کی اِصلاح میں دار العلوم ہوتا ہے اور اُس کے اِس درجہ خاص کا نام جس میں اس طور پر تکمیل ہو درجۂ تکمیل۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ایسی جماعت خادم دین کی تیاری کے لیے ایک اسلامی دار العلوم کی کہ مرکز المدارس ہو اور اُس دار العلوم میں درجۂ تکمیل کی ضرورت ہے۔ پس اس بناء پر باقتضائے حکم سوم بانضمام مقدمۃ الواجب واجبٌ مسلمان پر اس دار العلوم کا قائم کرنا واجب ہوا۔

اور اگر اس مجموعی سامان کو اس مقصود کی تکمیل کا موقوف علیہ نہ بھی مانا جاوے اور دعویٰ کیا جاوے کہ بدون اس کے بھی مقصود کی تکمیل ہوسکتی ہے تاہم اس میں تو شبہ ہی نہیں کہ اس سامان سے مقصود میں سہولت تو ضرور ہے پس اگر مقصود کی تکمیل کا موقوف علیہ نہ بھی ہو لیکن اُس تکمیل کی تسہیل کا موقوف علیہ تو ضرور ہے اور حدیث میں سنت نبویہ مصرح ہے "ما خیر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فی امرین الا اختارا یسرھما" پس اگر ایسا دار العلوم بنانا واجب نہ ہوگا تو سنت ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

اور یہ احتمال سنیت کا اس وقت تبرعاً وتنزلاً منوانے پر اکتفاء کیا جاتا ہے ورنہ بطور پیشین گوئی (نہ کہ کشفاً بلکہ فراسۃً) کہتا ہوں کہ مسلمانوں پر جو زمانہ آرہا ہے اُس کو دیکھنے کے وقت آج وجوب کا انکار کرنے والے ان شاء اللہ تعالیٰ اُس کو فرض کہتے ہوئے نظر آویں گے اور اُس وقت ایسے دار العلوم کا قائم کرنا محال تو نہیں مگر غالباً دُشوار ضرور ہوگا۔

کیونکہ جس شان کے محققین و متدینین علماء میں اس وقت موجود ہیں ظاہراً آئندہ کمی ہی ہوگی جیسا اس وقت پہلے سے کمی ہے اور ظاہر ہے کہ جس قدر سامان میں کمی ہوتی ہے مقصود میں دشواری ہوتی ہے اور روح ایسے دارالعلوم کی معلمین محققین ہی ہیں اور باقی سامان اس روح کا جسد۔

اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ کہ جو کام سب کے ذمہ سنت تھا یا واجب یا آئندہ کی حالت قریبہ دیکھ کر فرض۔ وہ آپ سب کی طرف سے ایک مختصر مگر برگزیدہ جماعت نے شروع کر دیا ہے یعنی ایک مدرسہ کو اِسی شان کا دارالعلوم بنانا قرار دے دیا ہے۔ یہاں تک تو اُمید ہے کہ سب کے نزدیک پہلے سے مسلم یا اب واجب التسلیم ہوگا۔

اب صرف کلام اس کی تعیین میں رہا مگر قبل اُس کی تعیین کے مستحسن بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن خواص و اوصاف میں بحث کی جاوے جو دارالعلوم کے لیے شایاں ہیں۔ اس سے تعیین میں بھی سہولت ہوگی۔ سو میرے نزدیک بلکہ جو صاحب ذرا بھی غور و انصاف و تحقیق سے کام لیں گے اُن کے نزدیک بھی ایسے دارالعلوم کے لیے اِن اوصاف کی ضرورت ہے۔

(۱) وہ خالص مذہبی مدرسہ ہو یعنی دُنیا کا نہ اُس میں غلبہ ہو نہ خلط ہو کیونکہ اگر غلبہ ہے تو احکام و آثار میں حکماً و وقوعاً اعتبار غالب کا ہوتا ہے اس لیے وہ دینوی مدرسہ ہوگا اور گفتگو ہے مذہبی دارالعلوم میں، اس لیے دینوی مدرسہ مذہبی دارالعلوم نہیں ہو سکتا اور اگر دُنیا کا خلط ہے تو تجربہ سے طے ہو چکا ہے کہ دُنیا بوجہ عاجل ہونے کے نفوس کو جلدی اپنی طرف مائل کرتی ہے تو دُنیا و دین کا جامع بنانا مآل کار دنیادار بنانا ہے تو ایسا مدرسہ بھی دینوی مدرسہ ہوگا جو مذہبی دارالعلوم نہیں بن سکتا۔

دوسری غرض دارالعلوم سے خادمانِ مذہب کا پیدا کرنا ہے اور خدمت مذہب کے لیے صرف تحصیل علوم ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لیے سخت ضرورت ہے تقدس و تعشق دین و خلوص و للّٰہیت و توکل و قناعت و تواضع و انکسار و تحمل مشاق و مصاعب کی

اور خلط دُنیا کے ساتھ یقینی اور مشاہد ہے کہ یہ صفات پیدا نہیں ہوسکتیں۔ نیز ان صفات کے پیدا ہونے میں اِن اوصاف والوں کے صحبت طویلہ کو اور صحبت بھی بلا شرکت ان کے اضداد کے بڑا دخل ہے اور خلط کی صورت میں یا تو ایسی صحبت ہی میسر نہ ہوگی یا اگر ہوئی تو بوجہ خلط بالدنیا کے ان کے اضداد کی معیت ان آثار کو ضعیف کرتی رہے گی۔ غرض ایسی جگہ کی آب و ہوا دینی و مذہبی نہیں ہوسکتی اور بدون اس کے یہ اوصاف نہیں پیدا ہوسکتے اور بدون اِن اوصاف کے کوئی خادم دین نہیں بن سکتا تو ایسے مخلوط مدرسہ سے خدام دین نہیں پیدا ہوسکتے اس لیے وہ دار العلوم بھی نہیں بن سکتا۔

(۲) اُس مدرسہ میں اساتذہ محققین و مشائخ کاملین کافی مقدار میں مجتمع ہوں کیونکہ غرض دار العلوم سے ایسے ہی لوگوں کا پیدا کرنا ہے تو اگر وہاں علماً و عملاً اہل کمال نہ ہوئے یا ہوئے مگر کم مقدار میں ہوئے تو ایک صورت میں نفس غرض اور دوسری صورت میں غرض کی مقدار کافی محتاج الیہ مرتب و حاصل نہ ہوگی۔

(۳) وہاں سرمایۂ کتب و مساکن و مطاعم و ملابس طلبہ کے لیے کافی مقدار میں ہو کیونکہ یہ سب موقوف علیہ ہیں غرض مقصود کے اور یہ ظاہر ہے۔

(۴) عام مسلمانوں کے دلوں میں اُس کی وقعت اور میلان اور اُس کے کارکنوں پر وثوق و اعتبار ہو کیونکہ یہ دار العلوم لابد محتاج ہوگا مسلمانوں کی امداد کا اور امداد کے لیے یہ اُمور عادۃً موقوف علیہ ہیں۔

اب بعد اثبات ضرورت اِن اوصاف کے آگے دو صورتیں ہیں یا تو کوئی نیا مدرسہ اس شان کا ہو یا مدارس قدیمہ میں سے کسی مدرسہ کو اس درجہ پر پہنچا دیا جاوے فی نفسہ تو دونوں صورتیں ایک ہی درجہ میں تحصیل غرض کے لیے مساوی ہیں لیکن اندرونی اور بیرونی اسباب پر نظر کرنے سے ایسا جدید مدرسہ قائم کرنا دشواری سے خالی نہیں۔

اندرونی اسباب تو یہ کہ اُس جدید مدرسہ کے لیے اس درجہ کے علماء و مشائخ جو کہ فارغ ہوں کہاں سے آویں گے اور اتنے مشغولین کا فارغ ہو جانا یہ کوئی سہل بات نہیں

اور بیرونی اسباب یہ کہ اتنے سامان فراہم کرنے کے لیے جس میں سب سے پہلے ایک بہت بڑا امکان اور ایک بہت بڑا کتب خانہ ہوگا، قبل کام شروع ہونے کے لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہوگی جس کے لیے مسلمانوں کو ہم تیار نہیں پاتے خاص کر اس وجہ سے بھی کہ اُس وقت وہ خیال محض فرضی وہوائی ہو۔ انسان طبعاً آنکھوں کے سامنے کی موجودہ کام کی صورت کی طرف منجذب ہوا کرتا ہے۔

غرض اِن بیرونی واندرونی اسباب کی دُشواری جدید مدرسہ سے کار برآری کی متوقع نہیں ہونے دیتی لامحالہ دوسری شق متعین ہوگئی کہ کسی قدیم مدرسہ ہی کے لیے معراج ترقی پر پہنچانا تجویز کیا جاوے۔ اب یہ بات کہ قدیم مدارس میں سے وہ مدرسہ کون سا مدرسہ ہو تو بعد معلوم ہو جانے اُن خصوصیات لازمہ کے جو دارالعلوم کے لیے شایاں ہیں جن کا اوپر چار نمبروں میں ذکر کیا گیا ہے اس سوال کے جواب میں میرے کسی دعوے کی ضرورت نہیں ہر صاحب نظر فیصلہ کر سکتا ہے کہ جس مدرسہ میں وہ خصوصیات ہوں وہی اس تخصیص کے لیے احق ہے اور اس کا دیکھ لینا بھی کچھ دُشوار نہیں کہ وہ کون سا مدرسہ ہے جس میں ان خصوصیات کا اجتماع محسوس وبین ہے۔

شاید اب بھی کسی کو اس مصلحت سے کہ بعض طبائع کو بعد تسمیہ کے تطبیق میں غور کرنا سہل ہوتا ہے اُس مدرسہ کے نام سننے کا انتظار ہو سو جو مدرسہ میرے نزدیک اس شان کا ہے اُس میں میرا تحصیل درسیات کرنا اُس کا گو نام لینے سے عرفاً مانع ہے کہ وہ نام لینا کہیں اس پر محمول نہ کیا جاوے کہ جس کا کھائیے اُس کا گائیے مگر یہ مانع اتنا قوی نہیں جس قدر مقتضی تسمیہ کا کہ شرع اور عقل ہے قوی ہے اس لیے حدیث "اَلدِّیْنُ النصیحة" پر نظر کر کے اُس مدرسہ کا نام بلا کسی لقب کے بتلائے دیتا ہوں۔ اُس کا نام ہے مدرسہ دیوبند۔

اور بلا لقب اس لیے بتلایا گیا کہ جس کا نام ہی سننے سے اُس کے تمام اوصاف وکمالات مثل لازم بین کے سب نظروں میں پھر جاتے ہوں اُس کا نام ہی لقب ہے، پھر لقب بڑھانا تحصیل حاصل ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی قدرتی راز ہو

اس کا کہ اس وقت بہت کم مدارس ایسے ہوں گے جن کا کوئی نہ کوئی علم لقبی نہ ہو بجز مدرسہ دیو بند کے کہ اوّل سے اس وقت تک اُس کا کوئی علم لقبی ہوا ہی نہیں۔ صرف ''مدرسہ دیو بند'' کہا جاتا ہے۔ ''ولنعم ماقیل''

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است   بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

وقیل۔ دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند   دلبر ماست کہ باحسنِ خداداد آمد

وقیل. حسن الحضارة مجلوبٌ تبطرية   وفي البداوة حسن غير مجلوب

اور اُس کی ایک روشن اور پاک نظیر یہ ہے کہ اُمت میں جتنے اکابر سلف گزرے ہیں باوجود اُن کے اکمل الامت مانے جانے کے آج ان کا نام کس سادگی و اختصار سے بلا انضمام بڑے لمبے چوڑے لقبوں کے لیا جاتا ہے کسی کو یہ کہتے نہ سنا ہوگا۔ جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول حضرت مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ مولوی ابوحنیفہ وکذا وکذا۔ اکثر تو صرف ابوحنیفہ کہا جاتا ہے اور اسی میں محبت وعظمت کا وہ لطف آتا ہے کہ بڑے بڑے القاب وآداب میں نہیں آتا اور جو کسی کا بہت ہی شوق ہوا تو امام کا لفظ بڑھا دیا۔ جیسا بعینہ اسی طرح چند روز سے خود بخود لوگوں کے السنہ پر مدرسہ دیو بند کے ساتھ ''عالیہ'' کا لفظ اطلاق کیا جانے لگا ہے۔

یہ ایک مضمون بطور جملہ معترضہ کے لفظ ''بلا لقب'' کی توضیح میں بڑھ گیا جس کی ناظرین سے معافی چاہتا ہوں۔ بالجملہ وہ مدرسہ جو بوجہ جامع خصوصیات بالا ہونے کے دار العلوم ہونے کے لائق ہے مدرسہ دیو بند ہے۔ چنانچہ اُس کا دار العلوم ہونا بفضلہٖ تعالیٰ طے ہوگیا ہے۔ اور اُس کا سب سے پہلا قاعدہ جو کبھی متغیر ومتبدل نہ ہوگا نہایت اہتمام والتزام کے ساتھ یہ منظور ہوا ہے کہ اس دار العلوم کے افسر اعلیٰ اکابر علماء اہل حق کی ایک خالص مذہبی جماعت ہوگی اور تمام منتظمین پر اُن کا ہر حکم بلا مزاحمت و بلا معارضۂ کثرت رائے و بلا تفتیش وجوہ وعلل فیصلۂ ناطق سمجھا جاوے گا اور اس جماعت کا لقب ''الجامعة القاسميّه'' تجویز کیا گیا ہے۔

اور مدرسہ موصوفہ کا اِن خصوصیات کا جامع ہونا فلسفی مزاجوں کے نزدیک خواہ کسی سبب ظاہری سے ہو مگر ہمارا تو یقین اور اعتقاد ہے کہ اُس کا سبب صرف ایک امر باطنی ہے وہ یہ کہ وہ ایسے مقبولان الٰہی کا بنا کردہ ہے جن پر اصاغر تو کیا اُن کے اکابر بھی فخر کرتے تھے، بقول کسی صاحب ذوق کے:

شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر　　آبا از وکرم و ابناء عزیز تر

اور بانی کی برکت کا موجب ترقی اصلی ہونا ایک عارف کی شہادت میں مصرح بھی ہے وہ مولوی رومی ہیں۔　　حیث یقول

کعبہ را ہردم تجلی میفزود　　ایں زاخلاصات ابراہیم بود

اور یہ میرا نام لینا اس غرض سے نہیں کہ میرے نام لینے ہی سے میرے دعوے کو مان لیا جاوے۔ یہ نام لینا تو صرف اُن لوگوں کے انتظار کے جواب میں تھا جن کو تطبیق اوصاف میں نام لینے سے سہولت ہوتی ہے۔ باقی اصل مدار اس دعویٰ کا اِن خصوصیات کا منطبق ہونا ہے سو میں درخواست کرتا ہوں کہ میرے نام لینے سے قطع نظر کر کے خود سب حضرات نمبر وار غور فرمالیں کہ مجموعہ اوصاف کا جامع اس وقت کونسا مدرسہ ہے۔

وصف اوّل نے تو تمام مدارس اسلامیہ خالصہ کو شریک رکھ کر خالص دنیوی اور دینی دنیوی مخلوط مدارس کو مستثنیٰ کر دیا، ان پر کسی طرح اس کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا اور اس وقت یہ مسئلہ ضروری البحث نہیں کہ وہ اپنے اپنے غرض موضوع لہ میں کیسے ہیں یا کون کامیاب ہے کون نہیں ہے اور پھر ہو سکتا ہے یا نہیں اس وقت تو صرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خالص مذہبی دار العلوم نہیں بن سکتے اور اگر وجدان و ذوق صحیح کے ساتھ مشاہدہ سے کام لیا جاوے تو صرف مشاہدہ اس دعویٰ کی کافی شہادت دے سکتا ہے۔

اور وصف دوم وسوم نے بہت سے معمولی مدارس کو مستثنیٰ کر دیا جہاں کمالی اور مالی ذخیرہ کم ہے اور خاص خاص مدارس شریک رہے گو بطور کلی مشکک قلت و کثرت کے تفاوت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وصف چہارم نے بقیہ شرکاء سے بھی مدرسہ

بندوں کو بھی اس کا مکلف بنایا اور مکلفین میں بہت لوگوں کو توفیق دی تو کیا کسی کو اس کہنے کی گنجائش ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حفاظت قرآن کی کفالت فرمائی ہے تو ہم کو اس کے اہتمام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اِسی طرح اس جماعت کے وجود کے وعدہ سے اقامت جماعت کے اہتمام کا واجب نہ ہونا لازم نہیں آتا۔

اگر کسی کو دوسرا فلسفی شبہ ہو کہ اس صورت میں حق تعالیٰ کا فعل ہمارے فعل پر موقوف ہوا تو نعوذ باللہ منہ واجب کو ممکن کی طرف احتیاج لازم آئی۔ اُس کا جواب یہ ہے کہ تقریر بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ اصل موقوف علیہ توفیق ہے اور توفیق خود فعل حق ہے اور اُس کے بعد جو بندہ کا فعل ہے وہ توفیق کا موقوف علیہ نہیں بلکہ توفیق کے لوازم متاخرہ سے ہے اور توقف "شئی علی شیء" آخر سے اُس پہلی "شیء" کا توقف اُس "شیء" آخر کے لازم متاخر پر لازم نہیں آتا "کوجود النهار يتوقف على طلوع الشمس الذی من لوازمه المتأخرة طمس الكواكب فلا يلزم توقف وجود النهار على طمس الكواكب ولا يلزم ان يكون لطمس الكواكب مدخل فی وجود النهار فافهم"

حکم پنجم: جو ایسی جماعت کی یا اُس کی اقامت میں سعی کرنے والوں کی نصرت و اعانت نہ کریں گے وہ حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

"لایضرهم من خذلهم" میں سخن فہم کی نظر میں اس کی صراحت ہے چنانچہ ابتداء مضمون ہذا میں اس حدیث کے تحت میں اس کی ایک تقریر بھی کی گئی ہے ملاحظہ فرمایا جاوے اور اِس طرح بھی اُس کی تقریر ہو سکتی ہے کہ من خذل سے ضرر رسانی کی نفی کی گئی ہے تو خذلان اگر امر جائز ہوتا تو شرعاً ضرر رسانی کا اُس میں احتمال ہی نہ تھا تو نفی کی ضرورت ہی نہ تھی نفی اسی لیے کی کہ فی نفسه خذلان مضر تھا مگر چونکہ نصرت حق ان کے ساتھ ہے اس لیے اُس "خذلان" کا اثر ظاہر نہیں ہوا لیکن اس سے "خذلان" کا "فی نفسه" مضر ہونا مرتفع نہیں ہوا وہ بحالہ مضر رہا۔

اور جو امر حق و اہل حق کے لیے مضر ہوگا ظاہر ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو کیسے ناپسند نہ ہوگا۔ پس بلا عذر شرعی خذلان و خاذل حق تعالیٰ کے نزدیک ملام و مذموم ہوں گے تو جس طرح حکم بالا میں اعانت کا وجوب ثابت ہوتا ہے اسی طرح اس حکم میں اعانت نہ کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ یہ حکم مرتبہ کلی میں تو ظاہر ہے کہ اجماعی ہے۔

البتہ بعض خصوصیات جزئیہ کی تقیید کے بعد کسی وقت اس کے اجتہادی ہونے میں گنجائش ہے مگر اجتہادی ہونا کسی حکم کا اس پر مجبور نہیں کرتا کہ اُس پر عمل کرنے کے لیے اجماعیت کا انتظار کیا جاوے بلکہ سمجھ جانے والوں کے ذمہ اُس پر عمل شروع کر دینا ضروری ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اعانت کی قسمیں مختلف ہیں "لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" کے اقتضاء سے اہل اموال پر واجب ہے کہ اس غرض کی تکمیل کے لیے چندہ دیں یکمشت بھی اور دوامی بھی اور اہل اثر پر واجب ہے کہ لوگوں کو اعانت کی ترغیب دیں مگر اس شرط کی رعایت واجب ہے کہ طیب خاطر کے ساتھ لیا جاوے ثقل اور کراہت کے ساتھ نہ لیا جاوے ورنہ وہ حرام ہوگا اور اہل دل پر واجب ہے کہ دل سے دُعا کریں اور اہل الرائے پر واجب ہے کہ نیک مشورہ دیں اور اِسی مشورہ میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر اس کے دستور العمل میں کوئی مضرت و مفسدہ محسوس فرماویں تو تحریراً یا تقریراً اُس پر مطلع فرماویں اور اُس میں نوبت گفتگو کی آوے تو بدون ضیق قلب گفتگو فرماویں۔

اور اُس کے بعد بھی اگر اجتماع آراء نہ ہو تو باہم وہی طریق عمل رکھیں جو اُمور اجتہادیہ میں ہوتا ہے کہ سب اپنی اپنی رائے پر عمل کریں اور ایک دوسرے پر رد و قدح نہ کریں۔ اسی طرح اگر کوئی بزرگ سلف کے اوصاف ظاہری و باطنی کے جامع ہونے کے سبب یا کوئی بندۂ خدا فطری آزادی کے سبب انتظام خاص کا مقید نہ ہو یا نہ ہو سکے تو اُس کی برکت و شرکت دُعا اور سادگی کے ساتھ خدمت دین کرنے پر اکتفاء کیا جاوے، خلاف طبع پر مجبور نہ کیا جاوے۔ اخیر کی ان تینوں اعانتوں کا مصداق ایک شعر یاد آیا۔

لاخیل عندک تهديها ولا مال فليسعد النطق ان لم يسعد المال

حکم ششم: "واولٰئک ھم المفلحون" اور منصورین اور "لایضرھم" میں یہ ارشاد ہے کہ ایسی جماعت گویا "ساعی فی اقامتھم" کو کسی کے ساتھ دینے نہ دینے کا انتظار نہ کرنا چاہیے اِس سے اُن حضرات کو جو کہ دارالعلوم بنانا مدرسہ دیوبند کا تجویز کر چکے ہیں کسی کی شرکت وموافقت کا منتظر نہ رہنا چاہیے۔ اگرچہ موافقت میں سعی قرین صواب ہے لیکن بنام خدا اس کو شروع کر ہی دینا چاہیے ان شاء اللہ تعالیٰ قلوب خود اس طرف متوجہ ہوں گے اور جو نہ ہوں گے اُن کے نہ ہونے سے کچھ ضرر نہ ہوگا اور ضرر نہ ہونے کی ظاہری صورت وہ ہوگی جس کو ایک آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

"وان تتولوا یستبدل قومًا غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم"

یہاں بھی اُس مضمون کو یاد کرلیا جاوے جو اختلاف اجتہادی کے متعلق حکم پنجم اخیر میں مذکور ہوا ہے جس میں اہل عذر اجتہادی مستثنیٰ کیے گئے۔

حکم ہفتم: بقول شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ بنام خدا اس دارالعلوم میں ان لوگوں کو تیار کرنے کا سامان کیا جاوے۔

مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، مناظر، مصنف، مفتی، واعظ اور ایسے لوگ اِن خدمات کے لیے منتخب کیے جاویں جو یا تو غناء ظاہر رکھتے ہوں یا غناء باطن اور اُن کی مالی خدمات حسبۃً للہ عمر بھر کی جاوے اور وہ عمر بھر دین کی خدمت میں خالصاً للہ مشغول رہیں۔ لفظ خلفاء باطنین میں اِس طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ خلافت نبوت کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا یہی طریق رہا ہے کہ اُنہوں نے اشاعت دین پر معاوضہ نہیں لیا۔ "لا اسئلکم علیه اجراً. لا اسالکم علیه مالاً. ام تسئلھم خرجا فخراج ربک خیر" اِسی طرح وارثان علوم نبویہ کے لیے بجائے اکتساب کے اُن کے نفقات قوم کے ذمہ قرار دیئے گئے۔ "قَالَ اللّٰه تَعَالٰی لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ الخ"

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اس مختصر مضمون میں صرف اجمالی خاکہ

ضرورت و حالت دار العلوم کا کھینچا گیا ہے۔اس کے بعد میں مولانا عبیداللہ صاحب ناظم جمیعت الانصار سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ زبانی یا اپنی تحریرات سابقہ یا حال کے ذریعہ سے جوکہ اسی مضمون میں لکھی گئی ہوں اس مضمون کی جس قدر مناسب سمجھیں تفصیل فرمادیں کہ وہ اس کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور اچھی طرح سمجھا سکتے ہیں۔

بلکہ میں نے جو کچھ ان پریشان عبارات میں عرض کیا ہے وہ اُن ہی کی توجہ کی برکت ہے اور میں یہ بات براہِ تکلف نہیں کہتا بلکہ یہ ایک واقعہ ہے جو مجھ پر گزرا ہے کہ جب مجھ سے مولوی صاحب موصوف نے اس باب میں کچھ لکھنے کو فرمایا: واقعی میں خالی الذہن تھا، ایک صفحہ کے لائق بھی ذہن میں مضمون نہ تھا اور مولوی صاحب نے فرمائش کی بیس صفحہ کی۔

میں نے عذر بھی کیا مگر دوبارہ فرمانے سے قبول کرنا پڑا لیکن متردد تھا کہ کیا لکھوں گا، صرف شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت کہ وہ بھی مجھ کو مولوی صاحب ہی سے ملی تھی میرے پاس کل سرمایہ تھا مگر جب لکھنے بیٹھا غالباً پانچ گھنٹے میں یہ بیس صفحے لکھے گئے۔ میرا اعتقاد یہ ہی ہے کہ اس فضل خداوندی کے ظاہری دو سبب ہوئے ایک مدرسہ دیوبند کی مقبولیت، دوسرا مولوی صاحب کی توجہ کی برکت۔اس کے چاہے یہ معنی نہ ہوں کہ مولوی صاحب، صاحب تصرف ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ صاحب خلوص ہیں۔خلوص کی ایسی تاثیرات متعدیہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

”وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین“

(۲۱ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ مقام تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ)

مَقالاتِ حکیمُ الامّت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات سے منتخب چند رسائل
جو ایمان... اسلام... عقائد اور دینیات سے تعلق رکھتے ہیں

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَولانا محمّد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

رسالہ ملقب بہ شکوی المتحببین

(دین کے نادان دوست)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فہم کا آج کل اس قدر قحط ہو گیا ہے شاید ہی الا ماشاء اللہ کوئی اس نعمت سے بہرہ ور ہو ورنہ بڑے بڑے لکھے پڑھے اور تعلیم یافتہ اس سے کورے ہیں جتنی حرکات ہیں سب بدفہمی کی یہ لوگ دین کو تو کیا سمجھتے' دنیا کی بھی سمجھ نہیں ویسے خطابات بڑے بڑے کوئی عقلاء کہتے ہیں کوئی ریفارمر کوئی لیڈر لفافہ پر پتہ تو بڑے جلی قلم سے لکھا ہوا ہے مگر جب کھول کر دیکھو تو معقول مضمون ندارد ان کی بیہودگیوں اور کم عقلی کی باتوں نے مسلمانوں کو تباہ اور برباد کیا' ملک میں ہر روز ایک ڈھونگ بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں مگر دین کے پکے دشمن ہیں دوستی کے پردہ میں دشمنی کر رہے ہیں۔ احکام اسلام کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں' کوئی کہتا ہے کہ حرمت سود کا مسئلہ مانع ترقی ہے کوئی کہتا ہے کہ پردہ مسلمانوں کی ترقی کو مانع ہے کوئی کہتا ہے کہ صرف توحید خداوندی کی ضرورت ہے اعتقاد ورسالت مانع ترقی ہے۔ غرض یہ کہ ہاتھ دھو کر اسلام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور پھر مسلمان کے مسلمان قوم کے خیر خواہ راہبر مقتداء بنے ہوئے ہیں' خیر لگالیں زور ایڑی سے چوٹی تک ان شاء اللہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' ان شاء اللہ وہ اپنی جگہ پر ہے اور اس کے احکام اور تعلیم کی خوبیاں تو غیر مسلم اقوام کے بڑے بڑے حکماء اور فلاسفروں کو تعلیم ہے واقعی حق تعالیٰ ہی اپنے دین کے محافظ ہیں ورنہ اس سے پہلے بھی لوگ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں اپنی تمام قوتیں صرف کر گئے مگر کچھ نہیں ہوا۔ ارشاد فرماتے ہیں:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہٗ لحفظون.

ترجمہ: ''ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔''

اور فرماتے ہیں: **یریدون لیطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون.** (سورہ صف)

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور یعنی دین اسلام کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھادیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا' گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔۱۲'' اسی کو فرماتے ہیں:

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد
اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد

(جس چراغ کو اللہ تعالیٰ نے روشن کیا ہو اس کو گل کرنے کیلئے جو پھونک مارے گا اس کی داڑھی جل جائے گی اگر ساری زمین میں آندھیاں آجائیں تو بھی اہل اللہ کا چراغ گل نہیں ہوسکتا)

اور اسلام کی تو وہ شان ہے جس کو فرماتے ہیں:

ہنوز آں ابر رحمت درفشان ست خم و خم خانہ با مہر و نشان ست

(آج بھی وہ ابر رحمت موتی برسا رہا ہے اور خم اور خم خانہ سب سر بمہر موجود ہے۔۱۲)

اگر اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی محافظت نہ ہوتی اور اس کی حمایت کے لیے حق تعالیٰ وہ جماعت پیدا نہ فرماتے جس کی خبر مخبر صادق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں:

لایزال طائفة من اُمتی منصورین علی الحق لایضرھم من خذلھم

''میری اُمت میں ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا جو حق پر ہوگا اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی امداد ہوتی رہے گی' کسی کی مخالفت اس کو ضرر نہ پہنچائے گی۔۱۲''

توان آج کل کے ریفارمر اور عقلاء کی سازش اور شر کچھ کم نہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ

وان کان مکرھم لتزول منه الجبال

''واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں۔۱۲''

ان سازشوں کو دیکھ کر اسلام بزبان حال کہتا ہے:

قتل ایں خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نبود ورنہ ہیچ از دل بیرحم تو تقصیر نبود

(اس بیچارہ کا قتل تیری تلوار سے مقدر ہی نہ تھا ورنہ تیرے دل بے رحم نے تو کوئی کسر چھوڑی نہ تھی۔۱۲)......... اسلام کو غیروں کی شکایت نہیں اس کو تو مسلمانوں ہی سے شکایت ہے۔ اسلام بزبان حال کہتا ہے:

من از بیگان گاں ہرگز نہ نالم کہ بامن آنچہ کرد آں آشنا کرد

(میں غیروں کا شاکی نہیں کیونکہ میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ اپنوں نے کیا ہے۔۱۲)

طعنہ اہل جہاں کی مجھے پرواہ کیا تھی تم بھی ہنستے ہو مرے حال پر رونا ہے یہی

اس تحریک حاضر کے زمانہ میں احکام شرع میں اس قدر تحریف ہوئی ہے کہ زمانہ سابق سے اب تک کبھی بھی اس قدر تحریف نہ ہوئی تھی اور زیادہ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان بدخواہوں کے ساتھ بعض اہل علم پھسل گئے' پھر خیر کہاں مگر ہوتا کیا ہے۔

قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

ایسے ہی عقلاء اور ریفارمروں کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے:

گربہ میر وسگ وزیر وموش را دیواں کنند ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

(ملفوظات حکیم الامت جلد ۲ ص ۱۳۴)

حسن الانتظام فی الاسلام مشتمل بر دو ملفوظ

(اسلام میں انتظام اور راحت رسانی کی اہمیت)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جمعہ کے روز باہر کے لوگ آتے ہیں مصافحہ کی بھرمار ہوتی ہے مجھے بڑی کلفت ہوتی ہے بڑے بے ڈھنگے پن سے لوگ مصافحہ کرتے ہیں۔ میں نے یہ انتظام سوچا ہے کہ اس موجودہ صورت میں تو تکلیف ہوتی ہے حوض کے کنارے پر جا کر بیٹھ جایا کروں گا اور پھر چاہے ایک گھنٹہ مصافحہ میں صرف ہو رنگون میں انتظام ٹھیک ہوا تھا بعد وعظ دو شخصوں نے میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال لیے ہاتھ خالی ہی نہ تھے جو کوئی مصافحہ کرے لیجا کر موٹر میں بٹھلا دیا اس پر ایک حاکم انگریز نے جو مجلس میں موجود تھا لکھا تھا کہ ایسا شخص کیا فساد کر سکتا ہے جو اس قدر کمزور ہے کہ دو شخصوں نے ہاتھ پکڑ کر موٹر میں بٹھلایا۔ صاحب بہادر تھے بڑے محقق یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے آج کل ان کے مقلد عقلاء قرآن وحدیث سے کیا کرتے ہیں۔

فساد کا قصہ یہ ہے کہ مخالفین نے ایک درخواست حاکم کے یہاں دیدی تھی کہ یہ شخص اگر وعظ کہے گا تو اندیشہ فساد کا ہے اس انگریز نے کہا تھا وعظ سننے کے بعد کہ جو لوگ ایسے وعظ کی مخالفت کرتے ہیں وہ بدقسمت ہیں۔ فرمایا کہ یہ بات جو اس نے کہی کچھ سمجھتا ہوگا اس انگریز کی ظاہری تہذیب سنئے کہ مہتمم وعظ سے اجازت لے کر مجلس میں آیا کہ اگر اجازت ہو تو ہم اندر مجمع کے جا کر بیٹھ جائیں۔ گو یہ حقیقی تہذیب نہیں محض نقل تہذیب ہے مگر یہ سب اسلام اور مسلمانوں سے سیکھی ہیں۔ اصل چیز تو ہمارے یہاں کی ہے مگر افسوس ہے کہ ہم کو اس سے محض اجنبیت ہوگئی حتیٰ کہ ایک

صاحب نے میرے متعلق کہا تھا کہ اس کے مزاج میں تو انگریزوں جیسا انتظام ہے میں نے سن کر کہا کہ غلط ہے یہ تو ہمارے گھر کی چیز ہے یوں کہو انگریزوں میں ہمارا جیسا انتظام ہے اور پھر بھی حقیقت ان کے پاس نہیں وہ اس طرح سے کہ ان کا انتظام دنیوی مصلحت کے لیے ہے جو بدلتی بھی ہے اور ہمارا انتظام حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے جو کبھی نہیں بدلتا۔ پھر اس انتظام پر ایک قصہ فرمایا کہ حضرت مقداد ایک صحابی ہیں وہ مع بارہ تیرہ آدمیوں کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے۔

آپ نے ان کو بکریاں بتلا دی تھیں کہ دودھ نکال کر پی لیا کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ رکھ دیا کریں۔ اکثر حضور عشاء کے بعد ایسے وقت تشریف لاتے کہ یہ حضرات سونے کے لیے لیٹ جاتے مگر آپ تشریف لا کر جو سلام کرتے تو ایسی آواز سے کہ اگر یہ جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو نیند خراب نہ ہو۔

کیا ٹھکانہ ہے اس رعایت کا ورنہ اگر آپ ان کو جگا کر دوڑاتے بھی تو صحابی کیا عذر کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اب بتلائیے یہ تعلیم کس کی ہے اور کس کے گھر کی ہے مگر افسوس اس تعلیم سے مسلمانوں کی اجنبیت کا یہاں تک درجہ پہنچ چکا ہے کہ اس کو دوسروں کی چیز بتلانے لگے۔ افسوس صد افسوس اور محض عدم علم ہی تک بس نہیں اس تعلیم کی ضد کو عملی جامہ پہنا کر دکھا دیا۔

میں سیوہارہ میں ٹھہرا ہوا تھا شب کو ذرا بے آرام رہا تھا' صبح کے وقت ذرا لیٹ گیا۔ ایک صاحب حج کو جا رہے تھے غالباً سات آٹھ بجے صبح کا وقت ہوگا کہ وہ صاحب مصافحہ کی غرض سے آئے' اول تو آ کر بڑے زور سے سلام کیا آنکھ تو ان کے سلام ہی سے کھل گئی تھی مگر میں نے کہا کہ بچہ جی میں بھی ہرگز مصافحہ نہ کروں گا۔ غرضیکہ میں نہیں اُٹھا' جب ان کو مایوسی ہوگئی بس اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ لے کر اور کچھ گھس گھسا کر چلتے ہوئے یہ حالت تو ان کی ہے جو دیندار کہلاتے ہیں دنیا داروں کا اس سے خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دین و دنیا سب کچھ

سکھا دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب کو قبرستان میں تشریف لے جانے کے لیے آہستہ سے اُٹھے' آہستہ نعلین پہنے' آہستہ سے کواڑ کھولے' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال پر فرمایا کہ یہ میں نے اس لیے کیا کہ تم جاگ جاؤ اور تنہا گھبراؤ۔ لیجئے بیوی کا اس قدر خیال ہے جو ہر طرح تابع ہے اب باوا کا بھی وہ خیال نہیں جو ہر طرح متبوع ہے غرض یہ کہ کسی میں بھی یہ فکر نہیں کہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔

فضول خرچی بخل سے بری ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر آدمی فضول خرچی سے بچے تو بڑی برکت ہوتی ہے' فضول خرچی بڑی ہی مضر چیز ہے اس کی بدولت مسلمانوں کی جڑیں کھوکھلی ہوگئی ہیں۔ میں یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بدون تھوڑے سے بخل کے انتظام نہیں ہوسکتا اور وہ صورتاً بخل ہے حقیقی بخل نہیں اور اگر حقیقی بھی ہو وہ بھی اسراف کی طرح برا ہے مگر اسراف اس سے زیادہ برا ہے جس چیز کا انجام پریشانی ہو وہ اس سے بری ہے جس سے پریشانی نہ ہو جیسے ہی دونوں چیزیں ہیں بخل اور اسراف کہ ایک سے پریشانی ہوتی ہے ایک سے نہیں ہوتی اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ بخیل آدمی زیادہ حریص نہیں ہوتا اس پر ممکن ہے کہ کوئی صاحب شبہ کریں کہ حریص تو ہوتا ہے اور میں بھی مانتا ہوں کہ ہوتا ہے مگر ایسا حریص نہیں ہوتا کہ اپنے دین کو نثار کر دے اور مسرف سے اندیشہ ہے کہ کہیں دین نہ کھو بیٹھے ایسے واقعات کثرت سے موجود ہیں کہ اسراف کا نتیجہ کفر ہوگیا۔ وجہ یہ کہ مسرف کو حاجات میں اضطرار ہوتا ہے اور مال ہوتا نہیں اس لیے دین فروشی بھی کر لیتا ہے اور بخیل کو یہ اضطرار نہیں ہوتا اس کے ہاتھ میں ہر وقت پیسہ ہے گو وہ خرچ نہ کرے اور بڑا فرق ہے اضطرار اور عدم اضطرار میں۔

خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے حق دار خاں صاحب کو الٰہ آباد میں ایک

تدبیران کی شکایت تنگی پر بتلائی تھی کہ ایک صندوقچی میں کچھ ڈال دیا کرو اور اس کو بوقت ضرورت شدید کھولا کرو اس تدبیر کی بدولت وہ حج بھی کر آئے' فرمایا جی ہاں انتظام ہے ہی عجب برکت کی چیز اس سے بڑی برکت ہوتی ہے۔ تمت کراستہ حسن الانتظام۔

عین چلتے وقت تعویذ مانگنا

ایک صاحب نے جو کئی روز سے ٹھہرے ہوئے تھے عین چلنے کے وقت تعویذ مانگا' گاڑی کا وقت بھی قریب تھا' فرمایا کہ کئی روز سے قیام تھا جب سے کہاں چلے گئے تھے جو عین چلنے کے وقت تعویذ کی ضرورت ظاہر کی' لوگوں میں سلیقہ ہی نہیں رہا جس سے کام لینا ہو اس کی سہولت کی فکر کرنی چاہیے۔

(ملفوظات حکیم الامت جلد ۲ ص ۱۴۰)

رسالہ ملقب بہ

احتمال الافکار فی الاحتیال بالاقدار

(اختیاری وغیر اختیاری کا فرق اور تقدیر کا حیلہ)

ایک پرچہ کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ بہت احتیاط کر کے عرض کرتا ہوں کہ نصف سلوک ہے ورنہ کل ہی سلوک ہے اس مسئلہ کے نہ جاننے سے ایک عالم پریشانی میں ہے۔ اس کو میں نے ایک مولوی صاحب کے جواب میں ایک خاص عنوان سے لکھا تھا وہ عنوان یہ تھا کہ اس طریق میں افعال مقصود ہیں جو کہ اختیاری ہیں انفعالات مقصود نہیں جو کہ غیر اختیاری ہیں اور یہ سمجھ کر لکھا تھا کہ عالم ہیں جواب کی قدر کریں گے۔ انہوں نے قدر کی یہ لکھا کہ معلوم ہوا کہ یہ طریق بہت مشکل ہے حالانکہ اس خلاصہ سے زیادہ کیا آسان ہوگا مگر انہوں نے اس آسان کو مشکل سمجھا' اصل یہ کہ بہت سے لوگ اس کے منتظر ہیں کہ اول دلچسپی پیدا ہو تو کام شروع کریں اور کام اس کا منتظر ہے کہ مجھ کو شروع کریں تو میں دلچسپی کے آثار پیدا کروں' غرض اول دلچسپی پیدا ہو تو کام شروع ہو اور اوّل کام شروع ہو تو دلچسپی پیدا ہو یہ اس کا منتظر وہ اس کا منتظر۔ یہ تو ایک اچھا خاصہ دور ہو گیا جو کبھی ختم ہونے والا نظر نہیں آتا اس غلطی میں ایک عالم مبتلا ہے۔ یوں چاہتے ہیں کہ خود داعی ہی کی جانب سے فعل کو اضطراری ترجیح ہو جائے۔ سو اگر یہ عقیدہ ہے کہ داعیہ پیدا کرنے والا بھی چونکہ خدا تعالیٰ ہی ہے وہ اگر چاہیں گے داعیہ پیدا کر دیں گے نہ چاہیں گے نہیں پیدا کریں گے اس لیے خود کچھ ارادہ ہی نہیں کرتے سو یہ عقیدہ جبری ہوگا اس کا علاج وہی ہے جو

ایک حکایت میں مولانا رومیؒ نے جبری عقیدہ کے مقابلہ میں نقل فرمایا ہے کہ ایک شخص کسی باغ میں پہنچ گیا اور وہاں پہنچ کر اس باغ سے پھل توڑ کر کھانے شروع کر دیئے اتفاق سے مالک باغ بھی آ پہنچا اس نے دریافت کیا کہ کیوں صاحب اس باغ کا کوئی مالک بھی ہے اور آپ نے اس سے اجازت بھی لی ہے اس شخص نے کہا کہ بادا باغ کا مالک کون ہوتا خدا مالک ہے زمین خدا کی' درخت خدا کے' پانی خدا کا' ہوا خدا کی' پھل خدا کے' میں خدا کا' منہ خدا کا' بھوک خدا کی' پیٹ خدا کا............

لافاعل الا اللہ اور لا موجود الا اللہ

مالک نے کسی کو حکم دیا کہ ہمارا ڈنڈا اور رسی لاؤ اور ان صاحب کے ہاتھ پیر بندھوا کردہ ڈنڈا' دہ ڈنڈا' اب میاں صاحب نے غل مچانا شروع کیا' ہائے رے مرا مالک نے کہا کہ ہائے وائے کیا کرتا ہے میں خدا کا' تم خدا کے' رسی خدا کی' ڈنڈا خدا کا یہ مار پیٹ بھی خدا کی۔(**لافاعل الا اللہ لا موجود الا اللہ**)

دو ڈنڈے اور رسید کیے تب تو میاں صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور اس جبری عقیدہ سے توبہ کی۔ مولانا فرماتے ہیں:

گفت توبہ کردم از جرائے عیار اختیار است اختیار است اختیار

(سوائے خدا کے کوئی کرنے والا نہیں اور سوائے خدا کے کوئی موجود نہیں۔)

(کہنے لگا کہ عقیدہ جبر سے توبہ کرتا ہوں بے شک بندہ کو اختیار ہے۔)

کچھ نہیں یہ سب کم سمجھی اور بدفہمی کی باتیں ہیں۔ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ اختیار ہے جب اثبات اختیار میں نفس کی غرض ہو اور ایک طرف اختیار کی نفی کرتے ہیں جب نفی میں غرض ہو اس کا علمی جواب تو ہے مگر جہلی جواب زیادہ مناسب ہے جو حکایت بالا میں مذکور ہے اس میں کوئی حرج شبہ ہی نہیں رہتا' اول ہی بار میں صبح ہو جاتی ہے اور آدمی راستی میں آ جاتا ہے۔ شیطان نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میری تقدیر میں سجدہ تھا یا نہیں اگر ہوتا تو میں ضرور کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تھا تو پھر میں کیوں قصوروار ٹھہرا' جواب

ملا کہ اب باتیں بناتا ہے اس وقت تیری یہ نیت کب تھی کہ تقدیر کی موافقت کر رہا تھا اس وقت تو تکبر اور شرارت سبب تھا یہ تو اب معلوم ہوا کہ تقدیر میں تھا یا نہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ جو طرز آج کل ہے کہ شبہات کا جواب دیا جاتا ہے اس سے شبہات کا اسقاط نہیں ہوتا گو اسکات ہو جاتا ہے۔ معترض ساکت ہو جاتا ہے البتہ محبت ایک ایسی چیز ہے جو کافی طور پر کار آمد ہو سکتی ہے۔ اب صرف یہ سوال رہ گیا کہ محبت کے پیدا کرنے کا طریقہ کیا ہے سو وہ یہ ہے کہ جو اپنے اندر محبت پیدا کر چکے ہیں ان کی جوتیوں میں جا پڑے۔ جس کو مولانا فرماتے ہیں:

قال رابگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

(قال کو چھوڑ اور حال پیدا کر اور کسی کامل کے آگے اپنے کو پامال کر دے۔)

اگر ان کی صحبت میسر آجائے بڑی دولت ہے اس لیے کہ عشاق کے مجمع میں جا کر عاشق ہو جاتا ہے‘ نمازیوں کے مجمع میں جا کر خود بخود نمازی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح محبین کے مجمع میں جا کر محبّ ہو جاتا ہے اور اگر کسی عارض سے محبت پیدا نہ ہو تو ایک اور دوسرا طریق بھی ہے وہ خوف ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ اگر حاکم سے محبت نہ ہو تو خوف کے سبب اس کے احکام کے خلاف نہیں کر سکتا۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ خوف کس طرح پیدا کیا جائے؟

فرمایا یہ بھی کوئی مشکل بات نہیں جہاں مضرتوں کا مراقبہ کیا خوف پیدا ہو گیا وہ مضرتیں یہ ہیں مثلاً جہنم ہے قبر ہے محشر ہے موت ہے ان کے استحضار اور مراقبہ سے خوف پیدا ہو سکتا ہے بس اس کے لیے دو ہی طریقے ہوئے ایک محبت اور ایک خوف ایک کا حاصل ترغیب ہے اور ایک کا حاصل ترہیب۔

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۲، ص ۵۰۔ ۱۴۸)

رسالہ ملقب بہ

الاعظام للکرام

(بزرگوں کی تعظیم وتکریم)

ایک شخص آئے اور کھڑے رہے نہ کچھ بولے اور نہ بیٹھے' حضرت والا نے اس کی وجہ دریافت فرمائی کہ نہ تو تم کچھ بولے اور نہ بیٹھے اس میں کیا مصلحت تھی اور کیوں کھڑے رہے جس سے مجھ کو گرانی ہوئی' عرض کیا کہ مصافحہ کی غرض سے کھڑا تھا' فرمایا مجھ کو بغیر تمہارے کہے ہوئے کیسے معلوم ہوتا کہ تم کس غرض سے کھڑے ہو' عرض کیا اس ہی وجہ سے کھڑا تھا' فرمایا جو میں نے کہا ہے اس کو سمجھے نہیں سیدھی بات کو اُلجھاتے کیوں ہو' میری بات کو سمجھ کر جواب دینا سوال یہ ہے کہ بغیر تمہارے زبان سے کہے ہوئے مجھ کو کیسے معلوم ہوتا کہ تم کس غرض سے کھڑے ہو' عرض کیا غلطی ہوئی' فرمایا کہ یہ تو میری بات کا جواب نہ ہوا اور دوسرے تمہاری اس غلطی سے میں تو پریشان ہوا' عرض کیا کہ میں خود ہی پریشان ہو گیا۔ حضرت والا نے ان کے اس جواب پر کچھ تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ پھر میں نے تم کو پریشان کیا یا تم نے مجھ کو پریشان کیا' حرکت تو اپنی اور الزام مجھ پر فرمایا کہ خدا بھلا کرے ان رسمی پیروں کا انہوں نے ایسی تعظیم و تکریم کا مرض چلایا ہے کہ جس سے لوگوں کی عادتیں ہی خراب ہو گئیں' فرمایا یہاں تو ادب ہے عربی اور دوسرے پیروں کے یہاں ادب ہے ایشیائی عربی ادب سے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب مراد ہے جو صحابہ کو تعلیم فرمایا گیا تھا اس میں رسمی تعظیم وتکریم تو ہے نہیں مگر دوسروں کی راحت کا پورا سامان ہے یہ ہے ادب عربی اول مرتبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں نزول فرمایا ہے' لوگ خبر پا کر حضرت کی

زیارت کے لیے اطراف سے آنے شروع ہوگئے اور چونکہ کبھی زیارت نہیں ہوئی تھی حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو بوجہ اس کے کہ وہ دیکھنے میں زیادہ عمر کے معلوم ہوتے تھے حضور سمجھ کر لوگوں نے مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سمجھ کر کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ دے دیا تو اس ہجوم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی، خود برابر مصافحہ کرتے رہے۔

دیکھئے! یہ ہے ادب کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقایہ بن گئے پھر جب آپ پر دھوپ آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چادر سے آپ پر سایہ کر کے کھڑے ہوگئے۔ جب پتہ لگا کہ مخدوم کون ہیں اور خادم کون اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آتی تھی اور یہ جو مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر سر مبارک پر ابر رہتا تھا۔ یہ وجہ تھی سایہ نہ ہونے کی مگر وہ بھی دوامًا نہ تھا۔

غرضیکہ اب تو صرف تعظیم کا نام ادب ہے راحت کی پرواہ ہی نہیں، میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج کل جو تہذیب ہے محض تعذیب ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب درس کے لیے تشریف لاتے ہم لوگ حضرت کو آتے دیکھ کر کھڑے ہوجاتے۔ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ اس سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے اس کے بعد سے ہم لوگ کبھی کھڑے نہیں ہوئے اور یہی خیال کیا کہ نہ کھڑے ہونے میں تو ہم کو تکلیف ہوگی اور کھڑے ہونے میں مولانا کو تکلیف ہوگی لہٰذا اپنی تکلیف کو برداشت کیا اور مولانا کی تکلیف کو برداشت نہیں کیا۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو صحابہؓ کے کھڑے ہونے کو منع فرمایا ہے، فرمایا کہ وہ اس وجہ سے بھی تھا کہ ملوک عجم کے دربار میں یہ دستور تھا کہ سب لوگ ہاتھ باندھے دست بستہ کھڑے رہتے تھے باقی قدوم کے وقت کھڑا ہوجانا اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ ایک صاحب نے جن

کی رائے قیام قدوم کی بھی ممانعت کی تھی مجھ کو لکھا تھا کہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑا ہونے کو منع کیا ہے اور بھی اس میں چند سوالات علمی تھے میں نے لکھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائیں تو کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بیٹھے رہیں گے۔ اس پر انہوں نے بہت ہی اچھا جواب دیا کہ اس کو نہ پوچھو اس وقت تو شاید میں سجدہ میں گر جاؤں مگر کیا سجدہ میں گر جانا جائز ہو جائے گا۔ یہ عشق کے کرشمے ہیں یہاں پر ضابطہ سے کام نہیں چلتا' پھر آثار عشق کے سلسلہ میں ایک قصہ بیان فرمایا کہ حضرت سید احمد رفاعی معاصر ہیں حضرت جیلانیؒ کے بہت بڑے اولیاء کبار سے گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ روضۂ مبارک پر حاضر ہوئے اور عرض کیا السلام علیکم یا جدی جواب مسموع ہوا وعلیک السلام یا ولدی' اس پر ان کو وجد ہو گیا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہو گئے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها تقبلاً لارض عنی وھی نائبتی
فھذہ ذولة الا شباح قد حضرت فامدد یمینک کی تحظی بھاشفتی

ترجمہ: میں حالت بعد میں اپنی روح کو (روضہ شریف پر) بھیجا کرتا تھا کہ وہ میری طرف سے نائب بن کر زمین بوسی کیا کرتی تھی اور اب جسم کی باری ہے جو خود حاضر ہے سو اپنا ہاتھ بڑھا دیجئے تاکہ میرا لب اس سے بہرہ ور ہو جائے' فوراً ہی روضۂ مبارک سے ایک نہایت منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا ظاہر ہوا انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہیں گر گئے۔ ایک بزرگ جو اس واقعہ میں موجود تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اس وقت کچھ رشک ہوا تھا۔

فرمایا کہ ہم تو کیا چیز تھے اس وقت ملائکہ کو رشک تھا۔ جب حضرت رفاعیؒ نے دیکھا کہ لوگ مجھ کو نظر قبول و جاہ سے دیکھ رہے ہیں دروازہ پر جا لیٹے اور حاضرین سے کہا کہ سب آدمی میرے اوپر سے جائیں علاج تھا۔ سیوطی نے یہ حکایت لکھی ہے اس وقت نوے ہزار کا مجمع تھا لوگوں کا۔ (ملفوظات حکیم الامت، جلد ۲، ص ۵۳۔۱۵۱)

رسالہ ملقب بہ

التحذیر عن التحقیر

(لوگوں کی تحقیر سے بچنا واجب ہے)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب نیت خالص ہو اور محض حق کے واسطے کوئی کام ہوتا ہے حق تعالیٰ اس میں برکت و امداد فرماتے ہیں۔ مولوی رحم الٰہی صاحب منگوری مرحوم کا ایک عجیب واقعہ ہے یہ بات سب کو معلوم ہے کہ یہ سنت اللہ ہے کہ جہاں اللہ والے ہوتے ہیں وہاں ان کے مخالف بھی ہوتے ہیں لہٰذا مولوی صاحب کے پڑوس میں ان کے مخالف بھی رہتے تھے جہاں برہمن وہیں قصائی پھر مخالفین میں بھی بعض کی طبائع میں خبث ہوتا ہے ان کا جی اسی سے خوش ہوتا ہے کہ دوسروں کو تکلیف میں دیکھیں۔ ان اہل محلہ نے یہ شرارت کی کہ مولوی صاحب کے گھر سے مسجد جانے کا ایک چوک کی شکل میں جو راستہ تھا اس میں گانے بجانے کا انتظام کیا اور ایک طوائف کو بلا کر مجلس رقص قائم کی۔ مولوی صاحب گھر سے نماز کے لیے مسجد کو چلے تو راستہ میں یہ طوفان بے تمیزی برپا دیکھا چونکہ نماز کا وقت قریب تھا صبر کیے ہوئے مسجد پہنچ گئے بعد فراغ نماز گھر کو واپسی ہوئی' دوبارہ دیکھ کر صبر نہ ہو سکا۔ آخر صبر اور ضبط کی بھی تو کوئی حد ہے۔ اب مولوی صاحب نے سوچا کہ جڑ ہی کی خبر لینا چاہیے جوتا نکال کر مجمع سے پھاندتے ہوئے اور بیچ مجمع میں پہنچ کر جو جڑ اور بنا تھی اس کے سر پر جوتا بجانا شروع کر دیا مگر اہل مجلس میں سے کسی کی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ کوئی کچھ بولتا یہ ہیبت حق ہے جو اہل اللہ کو عطاء فرمائی جاتی ہے اور یہ مولوی صاحب کا جوش اور ہمت تمام تر محض حق کے واسطے تھی اس واقعہ کے بعد جلسہ تو ختم ہو گیا اور شریر لوگوں نے اس عورت سے کہا کہ ہم روپیہ صرف کریں گے اور گواہی دیں گے تو مولوی صاحب پر دعویٰ کر اس نے کہا کہ روپیہ تو میرے پاس بھی بہت ہے اور گواہ ہو ہی۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ جس شخص کا مقابلہ کرنے کی تیاری کا مجھ کو مشورہ دیا جارہا ہے وہ خالص اللہ والا ہے اس لیے کہ اگر اس شخص کے قلب میں دنیا کا ذرا برابر بھی شائبہ ہوتا تو مجھ پر اس کا ہاتھ ہرگز نہ اُٹھتا اس سے ثابت ہوا کہ یہ شخص محض اللہ والا ہے تو اس کا مقابلہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا مقابلہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مولوی صاحب کا تو کمال تھا ہی مگر اس عورت کا بھی معتقد ہونا پڑتا ہے۔ پھر اس ہی پر بس نہیں کیا وہ عورت مولوی صاحب کے مکان پر پہنچی اور معافی کی درخواست کی اور یہ کہا کہ مجھ کو اس فعل سے توبہ کرا دیجئے اور کسی نیک شخص سے میرا نکاح کرا دیجئے۔ مولوی صاحب نے توبہ کرا کر کسی بھلے آدمی سے نکاح کرا دیا' وہ پردہ میں بیٹھ گئی اور بھلی بی بی بن گئی۔

یہ سب حق تعالیٰ کا فضل اور مولوی صاحب کے خلوص اور جوتیوں کی برکت تھی۔ اگر ہر شخص خلوص سے ہمت کر کے دین کے کاموں کو انجام دے انشاء اللہ برکت ہو' کامیابی نصیب ہو۔ آج کل خلوص کا تو کہیں نام ونشان نہیں' محض فلوس کی فکر ہے۔ عجیب ہی حکایت ہے اس سے کام کرنے والوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اس واقعہ پر یہ تفریع بھی کیا کرتا ہوں کہ کسی کی تحقیر نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہر شخص کے متعلق بدرجہ احتمال یہ اعتقاد رہنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ اس میں خدا کے نزدیک کوئی بات ہم سے بہتر ہو۔ دیکھئے اس عورت کے اس فہم وخلوص کی کس کو خبر تھی پھر مولوی صاحب کی للّٰہیت کی برکت کے متعلق ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ برکت کا اثر بھی ہر شخص پر نہیں ہوتا۔ دیکھئے انبیاء کی برکت ابوجہل اور ابوطالب کے لیے کارگر نہ ہوئی اور تو کس کا منہ ہے کہ ایسی غیر مستخلف برکت کا دعویٰ کرے۔ پس برکت کی بھی ایک حد ہے اس کو بھی بلکہ ہر چیز کو اپنی حد پر رکھنا چاہیے' غلو ہر چیز میں برا ہے اس عورت کی حکایت کے مناسب ایک اور حکایت حضرت مولانا گنگوہی نے نقل فرمائی۔ گنگوہ میں ایک بے قید درویش آیا' شہرت ہوئی' ایک آوارہ عورت کو بھی معلوم ہوا اس نے اپنے آپ سے کہا کہ چلو ہم بھی اللہ والے کی زیارت کر آئیں' دونوں گئے' مرد تو جا کر شاہ صاحب کے پاس بیٹھ گیا اور عورت بوجہ شرمندگی ایک طرف بیٹھ گئی۔ شاہ صاحب نے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ بازاری عورت ہے آپ کی زیارت کو آئی ہے مگر بوجہ

اس پیشہ کے شرمندگی کے سبب پاس آنے سے رکتی ہے۔ وہ شاہ صاحب کیا کہتے ہیں کہ بی بی پاس آ جاؤ' شرمندگی کی کون سی بات ہے وہی کرتا ہے وہی کراتا ہے یہ الفاظ سن کر اس عورت کے سر سے پیر تک آگ لگ گئی اور کھڑی ہوگئی اور اس آشنا یعنی اپنے ساتھی سے کہا کہ بھڑوے تو تو اس کو بزرگ بتلاتا تھا یہ تو مسلمان بھی نہیں یہ کہہ کر وہاں سے چل دی۔ کہتا ہوں کہ ان الفاظ سے اس حقیقت تک کسی مفتی کا ذہن تو پہنچ سکتا تھا مگر بیچاری جاہل نے کیسا سمجھا' یہ فہم کی بات ہے اور اس میں فہم تو تھا ہی بغض فی اللہ کس درجہ تھا کہ بیٹھ نہ سکی' خاموش نہ رہ سکی چل دی۔

بھلا ان واقعات سے کیا کوئی کسی کی تحقیر کر سکتا ہے؟ اور حقیر سمجھ سکتا ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ میرے ایک دوست تھے قنوج میں وہ شاعر بھی تھے ان کا ایک ماہواری رسالہ بھی نکلتا تھا' اب انتقال ہوگیا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ آپ میرے نام پر ہنسیں گے میرا نام ہے بھگو خان۔ میں نے لکھا کہ میں ہنسوں گا نہیں یہ تو "ففروا الی اللّٰہ " کا ترجمہ ہے اللہ کی طرف بھاگنے والا اس پر خط آیا مسرت کا اظہار کیا' غرض کسی کے نام پر کسی کے اعمال پر کسی کے لقب پر کسی کی ظاہری حالت پر ہرگز تحقیر نہ کرنا چاہیے مگر اتنی بھی رعایت نہ چاہیے جیسے ان شاہ صاحب نے کی کہ اس کے فعل معصیت کو توحید میں داخل کیا۔ (نعوذ باللہ منہ) مگر اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ جیسے ان شاہ صاحب نے اس آوارہ اور بازاری عورت کی رعایت کی گو اس کی نظر میں شاہ صاحب مسلمان بھی نہ رہے۔ اسی طرح لوگ علماء کو مشورہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زمانہ کے اعتبار سے مسائل میں عوام کی رعایت کرنا چاہیے مگر معلوم بھی ہے کہ ایسا کرنے سے سب سے اول ہم ہی ان کی نظروں سے گریں گے۔ پس نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری نظر سے بھی گریں گے اور دین داروں کی نظر سے بھی۔ اب اہل حق کی نسبت کہتے ہیں کہ میاں یہ تو پرانے خرانٹ ہیں' پرانی لکیر کے فقیر ہیں ان سے تو زمانہ شناسی کی اُمید نہیں' یہ تو پک گئے اچھا صاحب ہم تو جیسے کچھ ہیں' تم اپنے بچوں کو روشن دماغ مولوی بناؤ' ہم خاک نشین سہی ذلیل سہی تم کو ہماری خیر خواہی کرنے کی کیا ضرورت تم اپنی فکر کرو۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۲، ص ۲۴۵)

رسالہ ملقب بہ

تدبیر الفلاح

(یعنی کامیابی کا راستہ)

ایک صاحب نو وارد متمول نے چند ضروری باتیں مسلمانوں کی دینوی فلاح و بہبود کے متعلق بصورت سوال حضرت والا کی خدمت میں برائے مشورہ پیش کیں وہ اور اس پر حضرت والا کا جواب حسب ذیل ملاحظہ ہو۔ ایک نو وارد متمول صاحب کلکتہ سے دیو بند اور دیو بند سے ایک مولوی صاحب کو ہمراہ لے کر تھانہ بھون حاضر ہوئے مولوی صاحب موصوف نے ان صاحب کی غیبت میں حضرت والا سے پیشتر ملاقات کی اور عرض کیا کہ یہ بہت بڑے شخص ہیں باعتبار تمول کے کلکتہ میں مسلمانوں کے اندر ان کی ایک ممتاز ہستی ہے حضرت والا سے بعض ضروری باتوں کے متعلق بہ غرض مشورہ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں اگر حضرت والا اجازت فرمائیں اور کوئی وقت گفتگو کو متعین فرمادیں تو میں ان سے کہہ دوں حضرت والا نے فرمایا کہ اس سے تو جب گفتگو ہوگی ان کو مشورہ دیا ہی جاوے گا مگر ان سے پہلے بغرض خیر خواہی آپ کو مشورہ دیتا ہوں۔

وہ یہ کہ آپ کو ان کے ہمراہ آنے کی کون سی ضرورت تھی جب کلکتہ سے دیو بند تک خود آ گئے تھانہ بھون آنا کونسا مشکل تھا میں اہل علم کے لئے ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا یہ اہل دنیا خصوص اہل مال، اہل دین، اور اہل علم کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں اس لئے اہل دین اہل علم کو ہرگز ان کی چاپلوسی نہیں کرنی چاہیئے منہ بھی نہ لگانا چاہیئے اب آپ کی ہمراہی کے سبب مجھ کو ان کی بعض مراعاتیں کرنی پڑیں گی آپ ہمراہ نہ ہوتے تو جو مصلحت وقت اور ضرورت سمجھتا وہ ان کے ساتھ برتاؤ کرتا آئندہ ایسی بات کا آپ کو

خیال رہنا چاہیے میں جو آپ کو مشورہ دے رہا ہوں اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے عرض کیا کہ میں بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں ان شاء اللہ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا اور اس میری کم فہمی اور غلطی کو حضرت والا معاف فرمائیں فرمایا کہ خدا نہ کرے کہ آپ کم فہم ہوں نہ میرا یہ مطلب ہے بلکہ بے فکری اس کا سبب ہے اگر کسی کام کرنے سے قبل اس میں فکر اور غور کر لیا جائے تو صدور غلطیوں کا تو پھر بھی ممکن ہے مگر شاذ و نادر جو النادر کالمعدوم کا مصداق ہوگا اور بدون فکر اور غور کے بکثرت صدور ہوتا ہے یہ فرما کر فرمایا کہ ان صاحب کو اسی وقت بلا لیا جائے تا کہ معلوم ہو جاوے کہ وہ کیا بات کہنا چاہتے ہیں میں ان کو اسی وقت فارغ کروں گا تا کہ انکا بھی کوئی حرج نہ ہو اور میں بھی یکسو ہو جاؤں بعد فراغ ان کو قیام کے متعلق اختیار رہوگا۔

چاہے واپس جائیں یا رہیں میری وجہ سے نہ انکا حرج ہو اور نہ کلفت ہو غرضیکہ ان صاحب کو مجلس میں بلا لیا گیا بعد سلام اور مصافحہ کے ان صاحب نے عرض کیا کہ کلکتہ سے دیوبند ہوتا ہوا حضرت والا کی خدمت میں چند ضروری باتیں بطور مشورہ عرض کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اگر اجازت فرمائی جائے تو عرض کروں۔

فرمایا سر آنکھوں پر شوق سے فرمایئے ان شاء اللہ تعالیٰ سن کر جو ذہن میں آئے گا میں بھی بے تکلف عرض کر دوں گا فرمائیں انہوں نے کہا:

(نمبر۱) مدرسہ دیوبند میں بقدر ضرورت تھوڑی سی انگریزی ہونی چاہیے۔

(نمبر۲) میرا خیال ہے کہ چند طلباء عربی کو کلکتہ لے جا کر انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دلواؤں تا کہ دوسرے ممالک میں جا کر تبلیغ کر سکیں۔

(نمبر۳) مسلمانوں کو تجارت کی سخت ضرورت ہے ان کو اس کی طرف رغبت دلائی جائے۔

(نمبر۴) مسلمان دوسری قوموں سے خرید و فروخت اور لین دین چھوڑ دیں اسکی تحریک علماء کو کرنا چاہیے یہ ہیں وہ باتیں جو مجھ کو حضرت والا سے عرض کرنا تھیں اب جو حضرت والا کا مشورہ ہو اس پر عمل کر لیا جاوے۔

حضرت والا کا جواب

آپ کے خیالات نیک نیتی پر مبنی ہیں آپ نے مسلمانوں کی تکلیف کا احساس کیا آپ کے دل میں ان کی طرف سے درد ہے جس کی مجھ کو بھی مسرت ہوئی اس لئے کہ اہل تمول مسلمانوں کو قطعاً اس طرف التفات نہیں کہ غریب مسلمانوں کی خبر گیری کریں میرے ذہن میں آپکی باتیں سن کر جو مفید اور کار آمد مشورہ آیا ہے وہ میں بے تکلف عرض کرتا ہوں امید ہے کہ خالی الذہن ہو کر آپ بغور سنیں گے اور جہاں میں بات پر شبہ ہو میری تقریر کے بعد اس کو ظاہر فرمائیں گے میں پھر اس کے متعلق عرض کروں گا تقریر کے درمیان میں بولنے سے ایک اُلجھن پیدا ہوگی۔

پہلے اور دوسرے سوال کا جواب آپ کا یہ فرمانا کہ مدرسہ دیوبند میں بقدر ضرورت تھوڑی سی انگریزی ہونی چاہیئے اور طلباء کو دوسری جگہ پر لے جا کر انگریزی تعلیم اس نیت سے دلوائی جائے کہ وہ دوسرے ممالک میں جا کر تبلیغ کرسکیں۔

اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ طریق مفید ثابت نہ ہوگا بلکہ مضر ہوگا مدرسہ میں انگریزی داخل ہونے سے خلط مبحث ہو جائے گا اب جو کام مدرسہ میں ہو رہا ہے یہ بھی نہ ہوگا مدرسہ ایک معجون مرکب ہو جائے گا اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ مدرسہ کو تو اپنی حالت پر رہنے دیجئے جو کام ہو رہا ہے ہونے دیجئے اور انگریزی کے متعلق ایک درس گاہ الگ تیار کرا دیجئے اس کا نظم ونسق انہی حضرات کے ہاتھ میں رہے جو عربی کا نظم و نسق فرما رہے ہیں اور صورت اس کی یہ ہو کہ عربی کے فارغ التحصیل طلباء انگریزی درس گاہ میں تعلیم پائیں اور جب تک طلبہ فارغ التحصیل نہ ہو جائیں ان کو انگریزی تعلیم پانے کی اجازت نہ ہو ہاں فراغت کے بعد کوئی حرج نہیں اس لئے کہ قبل فراغ اندیشہ ہے اس طرف کے جذبات کے غلبہ کا اور بعد فراغ یہ اندیشہ نہ رہے گا فراغ کے قبل اجازت نہ ہونیکی مصلحت یہ ہے کہ اکثر نقد غالب آ جاتا ہے ادھار پر اور اس صورت مجوزہ میں مدرسہ کا کوئی حرج نہ ہوگا ایک یہ بات بھی ضروری ہے کہ کتابیں ختم

کرنے کے بعد جب تک دو چار مرتبہ نہ پڑھا لے علم محفوظ نہیں رہ سکتا سو فارغین گھنٹوں کے حساب سے دنوں کام کر سکتے ہیں یعنی فارغ التحصیل طلبہ اس صورت میں عربی بھی پڑھا سکتے ہیں اور انگریزی بھی پڑھ سکتے ہیں اور دوسری جگہ پہنچ کر فارغ التحصیل طلباء کا بھی تعلیم انگریزی پانا مضرت سے خالی نہیں ان کا یہ رنگ رہ ہی نہیں سکتا اور نہ اس کام کے بن سکتے ہیں جو آپ کی غرض ہے اسکا بھی صحیح طریق یہ ہی ہے کہ اپنے ان ہی قدیم اساتذہ کی نگرانی میں تعلیم پائیں تا کہ ان کے جذبات پر برا اثر نہ پڑے یہاں سے الگ ہو کر ان جذبات کا محفوظ رہنا مشکل ہے جس کا نتیجہ بجائے ہدایت کے گمراہی ہوگا اور انگریزی کو خود مدرسہ میں داخل کر دینے سے عوام کے اوپر بھی برا اثر ہوگا وہ شروع ہی سے اپنے بچوں کو تعلیم انگریزی کے لئے بھیجنا شروع کر دیں گے انکے پاس اسکے سمجھنے کا کوئی معیار ہی نہیں کہ اس کو مدرسہ دینیہ ہی کی شاخ بنا کر رکھنا چاہیئے اور مدرسہ دینیہ ہی کے خدام اس انگریزی شاخ کے نگراں رہیں اور میری مجوزہ صورت میں ہر مصلحت محفوظ رہ سکتی ہے اور جیسے مبلغ آپ چاہتے ہیں ویسے تیار ہو سکتے ہیں اس لئے کہ جذبات وہی دین کے رہیں گے۔

غرضیکہ مدرسہ دینیہ کے ماتحت انگریزی درسگاہ کو رکھنا چاہیئے تا کہ انگریزی خانہ عربی خانہ سے زیادہ مقصود نہ ہو جاوے پھر اس اہتمام اور نگرانی کے بعد اگر کوئی بگڑے تو بگڑے ہم تو ذمہ دار نہ ہوں گے اور اسکے خلاف صورت میں ہم ذمہ دار ہوں گے یہ ہے فرق دونوں صورتوں میں اور میں اس سے آگے توسیع کر کے کہتا ہوں اور آپ کے درد کی قدر کرتا ہوں اور اس کے لئے میں یہاں تک تیار ہوں کہ مدرسہ دیوبند کو اسی موجودہ حالت پر رکھتے ہوئے اور جو کام وہاں پر ہو رہا ہے اس کا تحفظ کرتے ہوئے مشورہ دیتا ہوں آپ انگریزی تعلیم کے متعلق یہاں پر تھانہ بھون میں انتظام کر دیجئے میں ہر کام اپنی نگرانی میں رکھوں گا اور مدرسین کا انتخاب وغیرہ اپنی رائے سے کروں گا طلباء کی نگرانی اور انکے متعلق اصول و قواعد میں خود منضبط کروں گا۔ یہ سب سے بہتر اور

آسان صورت ہے جو میں نے بیان کی یہاں پر نہایت سہولت سے مکان کا بھی طلباء کی سکونت اور خورد و نوش کا بھی انتظام ہو جاوے گا جدید تعمیر کے انتظام کی فوری ضرورت نہ ہوگی اہل علم میں سے بعض ایسے لوگ میری نظر میں ہیں جو اس کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے کر سکتے ہیں اور انجام دے سکتے ہیں اور اس طریق کار میں کسی گڑ بڑ کا بھی اندیشہ نہیں غرض جملہ امور متعلقہ تعلیم و نگرانی کا کافی انتظام ہو جائے گا آپ کے ذمہ محض مالی اعانت کا بار رہے گا اس کا انتظام آپ کیجئے یہ ہمارے ذمہ نہیں پھر دیکھئے ان شاء اللہ تعالیٰ کیسے مبلغ پیدا ہوتے ہیں اس مشورہ کے سن لینے کے بعد اگر آپ کے ذہن میں کوئی مفید مشورہ اس کے علاوہ ہو وہ فرمایئے عرض کیا کہ اس جز کے متعلق تو عرض کرنے کی کوئی گنجائش ہی حضرت نے نہیں رکھی نہایت جامع اور مختصر مشورہ میں سب ہی کچھ بیان فرمایا اور میری جو رائے تھی اس میں واقعی خلط مبحث کا اندیشہ تھا جو سابقہ تعلیم عربی میں بھی گڑ بڑ کر دیتا اور طلبہ کا باہر جا کر تعلیم پانا بھی اس خطرہ سے خالی نہ ہوگا جو حضرت والا نے بیان فرمایا بس یہ ہی مفید مشورہ ہے جو حضرت والا نے فرمایا میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا انتظام کروں گا فرمایا اب آپ انتظام فرمائیں یا نہ فرمائیں مجھ کو انتظار نہ ہوگا اس لئے کہ جو چیز میرے اختیار سے خارج ہے اس کا میں کیوں انتظار کروں اور کیوں فکر کروں آپ جانیں آپ نے مشورہ دیا مسلمان کی فلاح اور بہبود کو جی میرا چاہتا ہے میں نے طریق کار بیان کر دیا۔

(تیسرے اور چوتھے سوال کا جواب) اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ اس کے لئے ایک کام کرنے والی جماعت کی ضرورت ہے جو محرک ہو اور عمل کرائے اس میں مسائل شرعیہ اور حدود کا تحفظ کرتے ہوئے تحریک کرنا چاہیے ایسا نہ ہو جیسا کہ زمانہ تحریک خلافت میں ہڑ بونگ مچا تھا کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کو تیار ہو گئے تھے ایسا کرنے کی بے برکتی بھی دیکھ لی مفتیوں نے فتویٰ دیا کہ ولایتی کپڑا پہننا حرام ہے اب وہی خود اس کو استعمال کر رہے ہیں کل تو حرام تھا آج حلال ہو گیا کیا لغو حرکت ہے ایسی

گڑ بڑ ہرگز منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتی اب رہا یہ کہ علماء اس کی تحریک کریں یہ بھی غلط اصول پر مبنی ہے صحیح طریق یہ ہے کہ ایک جماعت ہو مسلمانوں کی جو اندر خانہ مسلمانوں کو ترغیب دے اور تحریک کرے جتنی قوموں نے ان معاملات میں ترقی کی ہے انہوں نے اس کی یہی صورت اختیار کی کامیابی ہوئی وعظوں اور پمفلٹ اور اشتہاروں سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا میں ایک مقام پر مدعو کیا گیا تھا وہاں پر مجھے قبل وعظ فرمائش کی گئی کہ ہندوؤں کے بائیکاٹ کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے میرا ہمیشہ بیان کے متعلق یہ معمول رہا اور ہے کہ فرمائش پر بیان نہیں کرتا بلکہ ضرورت کو محسوس کر کے وقت پر جو اللہ نے دل میں ڈالا بیان کر دیا اور وہی اکثر مفید ثابت ہوا میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں یہ بیان نہ کروں گا گو تمہارے نزدیک یہ بیان مفید اور محمود ہو مگر میں اس طرز کو مضر سمجھتا ہوں ایسے طریق سے بیان کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ اعلان کر کے سو جاتے ہیں اور دوسرے لوگ جاگ جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہوتا ہوا کچھ بھی نہیں اور عمل نہ کرنے کے سبب اوپر سے ذات گلوگیر ہو جاتی ہے دوسری قومیں نظر تحقیر سے دیکھنے لگتی ہیں اس کی مفید صورت تو یہ ہے کہ ہم اپنے طریق سے دوکانیں کھلوائیں اس میں نہ فتوے کی ضرورت نہ اعلان کی ضرورت یہ نیا طرز نکالا ہے کہ فتویٰ ہوا اعلان ہو سو یہ طرز نہایت مضر اور خطرناک ہے۔

البتہ حدود شرعیہ کی حفاظت کی ہر حال میں ضرورت ہے غرض کام اس طریقہ سے ہونا چاہیے کہ جس میں شریعت کے حدود بھی محفوظ رہیں اور کام بھی ہو جائے ایسی صورت اختیار نہ کرنا چاہیئے جیسا کہ زمانہ خلافت میں کیا گیا تھا کہ میاں کام کرنے کا وقت ہے مسائل کا وقت نہیں لعنت ہے ایسے کام پر جو شریعت مقدسہ کے حدود سے تجاوز کر کے کیا جاوے اللہ جس کام سے راضی نہ ہو وہ کام مسلمان کا نہیں ہم جو مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہیں اب اسلام اور شریعت کا تحفظ نہ رہا یا نہ کیا تو کیسی ہمدردی اور خیر خواہی اور کیسا درد یوں تو فرعون نے ترقی کی

شداد نے ترقی کی نمرود نے ترقی کی قارون نے ترقی کی آخر ان کی ترقی بھی تو ترقی ہی تھی پھر قابل ملامت اور مذموم کیوں ہوئی اس ہی لئے کہ وہ حدود سے تجاویز کر کے ترقی کی گئی تھی جس کو اکبر الہ آبادی نے ایک شعر میں کہا ہے۔

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

یہ جو آجکل کے لیڈروں اور انکے ہم خیال مولویوں نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے متعلق طرز اختیار کیا ہے کہ انکی ہر بات کا اشتہار اور اخبارات میں اعلان کرایا جاتا ہے یہ طرز نہایت ہی غیر مفید ہے شور غل تو تمام دنیا میں اور عمل ندارد اور سب سے بڑی بات قابل ذکر بلکہ قابل شکایت یہ ہے کہ یہ لوگ دوسروں سے تو اسلام کی عزت کے خواہاں ہیں اور خود اسلام اور احکام اسلام کو پائمال کرتے ہیں۔

ایک زمانہ میں نمازوں کے وقت میں جلسے ہوتے رہے کچھ پروانہیں رمضان المبارک میں عام شاہراہوں پر میزوں پر کھانے چنے گئے اور کرسیوں پر کھائے گئے۔ یہ حرکات کہاں تک جائز ہیں نمازوں کے وقت میں جلسے ہوتے رہے کچھ پروانہیں رمضان المبارک میں عام شاہراہوں پر میزوں پر کھانے چنے گئے اور کرسیوں پر کھائے گئے یہ حرکات کہاں تک جائز ہیں نمازوں کے لئے مسجدوں میں نہ آنا گھروں پر جانمازیں بچھی ہیں یہ متکبروں کی ایک پہچان ہے کہ وہ مسجد میں آنا اور غربا کے ساتھ ملکر نماز پڑھنا کسر شان سمجھتے ہیں اور پھر بھی مسلمانوں کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے ان کی کشتی کے ناخدا بنے ہوئے ہیں شرم نہیں آتی اگر مسجد میں آئیں گے بھی تو جمعہ کے روز وہ بھی پیدل چل کر نہیں جب دیکھو فٹن میں دھرے ہیں اور دل میں فتن بھرے ہیں بندہ خدا مسجدوں میں آؤ غریب مسلمانوں کی ہر حالت کو دیکھ کر جو کام کرنے کے مفید طریقے ہیں ان میں سے ایک بھی نہیں سب زبانی جمع خرچ جب چاہو جس چیز کی چاہو اسکیم پوچھ لو جب چاہو اعلان کرا لو بس اسی کے مرد ہیں۔

ایک شخص نے کہا کہ اگر سب مسلمانوں سے ایک ایک پیسہ لیا جائے تو لاکھوں اور

کروڑوں کی تعداد میں روپیہ جمع ہو جائے پھر اور اس کو قومی کاموں میں صرف کیا جائے دوسرے نے جواب دیا کہ اگر سورۃ بقرہ ایک منٹ میں سات مرتبہ پڑھ لو تو ہفت اقلیم کے بادشاہ ہو جاؤ بس مسلمانوں سے تو یہ کاغذی حساب پوچھ لو کرنے کرانے کے نام صفر ایک بنئے کی حکایت یاد آئی کہ کنبہ کو لیکر سفر میں چلے راستہ میں ایک دریا آ گیا آپ نے پانی کا حساب لگایا کہیں تو ٹخنوں تک کہیں گھٹنوں تک کہیں ناف تک کہیں سینے تک کہیں گلے تک کہیں سر سے اوپر اپنے کاغذ پر اوسط لگایا تو گھٹنوں تک اوسط نکلا گاڑی ڈالدی اب لگے ڈوبنے تو بنیا کہتا ہے کہ حساب جوں کا توں اور کنبہ ڈوبا کیوں بھائی وہ عملی حساب نہ تھا کاغذی حساب تھا اور اس کا یہ نتیجہ ہوا یہی حالت ان باتیں بنانے والوں کی ہے میاں صاحب عملی صورت میں تو اگر تھوڑے سے مسلمان بھی کام کرنے والے ہوں تو چند روز میں کچھ سے کچھ ہو جائے گاؤں کے اندر دس ہوں قصبہ کے اندر پچاس ہوں شہر کے اندر سو ہوں مگر مخلص کہ جان تک اڑا دیں پھر دیکھوں کیا ہوتا ہے سب باتوں کا انتظام بسہولت ہو سکتا ہے مگر جو کام کرنے کے ہیں انکی طرف تو کبھی التفات بھی نہیں ہوتا اور یہ بائیکاٹ وغیرہ ان سے کام چلتا ہے اگر انبیاء علیہم السلام نرے بائیکاٹ سے کام لیتے تو ہرگز دین کی اشاعت نہ ہوتی کام تو کام کے طریقہ اور ہر موقع پر اس کے مناسب عمل سے ہوتا ہے۔

دیکھ لیجئے جب تک قوت جمع نہ ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے صبر اور حلم سے کام لیا جہاد کی بھی اجازت نہ ہوئی جب قوت جمع ہو گئی جہاد بھی فرض ہو گیا اور تلوار سے کام لیا گیا پھر اتنا بڑا کام کہ اظہر من الشمس ہے یہ سب برکت مناسب طریقہ پر عمل کرنے کی تھی۔ اس مناسب عمل پر یاد آیا کہ ایک صاحب پنجاب سے آئے تھے انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ اس تحریک خلافت میں کیوں نہیں شریک ہوئے میں نے کہا کہ ایسے عظیم الشان مقاصد کے لئے ضرورت ہے قوت کی اور قوت موقوف ہے اتفاق پر اور اس کے دو درجے ہیں ایک حدوث اور ایک بقاء سو اول تو اسوقت تک

حدوث بھی نہیں ہوا لیکن اگر اس کو تسلیم بھی لیا جاوے تو بقا کا کوئی سامان نہیں کہنے لگے بقاء کیسے ہو میں نے کہا اس کے لئے ضرورت ہے امیر المومنین کی کہ وہ اپنے قہر سے اتفاق کو باقی رکھ سکتا ہے کیونکہ خروج عن الجماعۃ پر سزا دے سکتا ہے اور یہاں کوئی امیر المومنین نہیں کہنے لگے ہم آپ کو امیر بناتے ہیں میں نے کہا کہ میں بننے کو تیار ہوں مگر اس کے کچھ شرائط ہیں ایک یہ کہ تمام مشاہیر علماء اور لیڈروں کے دستخط میرے امیر تسلیم کر لینے پر کرا کر لاؤ اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو میں امیر نہیں بنتا اس کے بعد اگر پھر کوئی کسی قسم کی گڑ بڑ کرے گا اس کو درست کر دیا جاوے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں شخصی سلطان بنوں گا جمہوری نہ بنوں گا۔ دوسروں کی رائے کا منتظر نہ رہوں گا تیسرے یہ کہ ہندوستان کے سب مسلمان اپنا سرمایہ چاہے وہ کسی قسم کا ہو نقد زیورات جائیداد مکانات باغات سب میرے نام ھبہ کر دیں میں بھیک مانگنے والا امیر نہ بنوں گا کہ ضرورت تو ہے اس وقت اب چندہ کرتے پھرواتے چندہ ہو وہاں سب کام درہم برہم اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس ہبہ کے بعد جس کی جس طرح پر گذر ہو رہی ہے اس سے بھی اچھی طرح پر گذر کا انتظام کر دوں گا تکلیف کسی کو کسی قسم کی نہ ہونے دوں گا مجھ سے اس کا اقرار نامہ لکھوا لیا جاوے جب یہ سب ہو جائے گا اس کے ضروری سامان مہیا کر دوں گا اور سب سے پہلے جو امیر المومنین ہو کر حکم دوں گا وہ یہ ہوگا کہ دس برس تک سب تحریک اور شور وغل بند ان دس سال میں مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی جب یہ قابل اطمینان ہو جائیں گے تب مناسب حکم دوں گا باقی جب تک قوت نہ ہو کفار سے بھی نہایت لطف اور حسن سے کام لینا چاہیئے اور اگر یہ شرائط پورے نہیں ہو سکے اور محض کاغذی امیر المومنین بناتے ہو تو آج امیر المومنین ہوں گا اور کل کو اسیر الکافرین کہنے لگے یہ تو بہت مشکل کام ہے میں نے کہا بس تو کامیابی بھی مشکل ہے بس یہ سن کر رہ گئے بیچارے۔

تو محض زبانی جمع خرچ سے کیا ہوتا ہے یہ جمع خرچ اور حساب تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ

میں بنئے کی حکایت بیان کر چکا ہوں کاغذی حساب تھا عملی نہ تھا اس کا نتیجہ تو یہی ہوتا کہ حساب جوں کا توں اور کنبہ ڈوبا کیوں لوگوں کے ان خیالات کی اس سے زیادہ وقعت نہیں جیسے شیخ چلی کے گھڑے کے گر کر پھوٹ جانے پر سارا گھر بار ہی برباد ہوگیا تھا کام جو کرنے کے ہیں وہ کرو جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ بدوں باشوکت امیر و سردار کے کام چلنا نہایت دشوار بلکہ محال ہے اور سب سے بڑی ضرورت تو اس کی یہ ہے کہ بدون امیر کے حدود شریعت کا کون تحفظ کرائے گا اور عدم تحفظ حدود شرعیہ پر اگر کامیابی ہو بھی گئی تو یہ خود ایک مسلمان کے لئے نہایت زبردست ناکامیابی ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ یہ حجروں میں رہنے اور بیٹھنے کا وقت نہیں میدان میں آنے کا وقت ہے اگر طریقے سے کام ہو تو میدان میں آنا بھی کوئی مشکل کام نہیں مگر بے طریقہ کام کرنے سے حجرہ بھی ہاتھ سے جاوے گا اور میدان بھی نہ ادھر کے نہ ادھر کے رہے پھر ان نو وارد صاحب کے طرف مخاطب ہو کر حضرت والا نے فرمایا کہ جو میں نے عرض کیا آپ کی سمجھ میں آیا عرض کیا کہ جو حضرت فرما رہے ہیں میں بغور سن رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں مگر یہ کام بھی حضرت ہی کے کرنے کا ہے فرمایا مجھے انکار کب ہے میں تو مسلمانوں کا ایک ادنیٰ خادم ہوں مگر جماعت بنانا آپ کا کام ہے ایسی جماعت آپ پیدا کریں جو دل سے اور خلوص نیت سے لوگوں کو عملی صورت پر آمادہ کریں احکام ہم سے پوچھئے مشورہ لیجئے جو طریقہ ہے کام کرنے کا اس طرح کیجئے۔

بہرحال صورت یہ ہے کہ آپ ایسی جماعت پیدا کریں اور ہم سے مشورہ لیں یہ ہے طریقہ کام کرنے کا اور یہ طریقہ آسان بھی ہے اس پر عمل کیجئے ان شاء اللہ بہت جلد کامیابی ہوگی ایک بات ضروری ہے کہ عمل کرنے کی صورت میں کسی پر جبر نہ کیا جاوے جیسے آجکل بعضوں نے وطیرہ اختیار کیا ہے کہ جو شخص ان کے ساتھ شرکت نہ کرے اس کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں جبر سے قلوب میں بددلی ہوتی ہے جو کام خوشی سے ہوتا ہے اس میں مداومت ہوتی ہے آپ اس مجموعی طریق کو عملی جامعہ پہنائیں۔ یہ

سب صورتیں تجربہ کی بناء پر میں نے بیان کی ہیں میری تو دل سے تمنا ہے کہ دین کے ساتھ مسلمانوں کی دنیا کی بھی فلاح ہو مگر طریقہ کے ساتھ یوں ہی اڑنگ بڑنگ کرنے سے کام نہیں چلا کرتا نہ اس میں برکت ہوتی ہے میرا تجربہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کا کام جوش کے ماتحت ہوتا ہے اسی لئے اس میں استقلال نہیں ہوتا اگر ہوش کے ماتحت ہوتو دنیا کی تمام قومیں بیٹھی دیکھا کریں۔

ایک یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جو شخص جس کام کا اہل ہے وہی کام اس سے لیا جاوے اسمیں گڑبڑ نہ کی جاوے اس کے خلاف کرنا اصول کے خلاف کرنا ہے جو بظاہر سبب ہوتا ہے عدم کامیابی کا یعنی جو کام لیڈروں کا ہے وہ کریں جو کام علماء کا ہے وہ کریں جو کام عوام کا ہے وہ کریں پھر عوام میں بھی دو طبقے ہیں ایک اہل مال ایک اہل جان اہل مال کا جو کام ہے وہ کریں اہل جان کا جو کام ہے وہ کریں تقسیم عمل سے بڑی سہولتیں پیدا ہوتی ہیں علماء سے دوسرے کام کی توقع ایسی ہے جیسے کوئی شخص حکیم محمود خاں کے پاس جا کر ٹوٹے ہوئے جوتہ کے سینے کی ترکیب ان سے پوچھے وہ کہیں گے کہ دہلیز پر باہر چمار بیٹھا ہے یہ کام اس کے سپرد کرو ہمارا یہ کام نہیں یا حکیم صاحب سے کوئی کہے کہ طبی کانفرنس میں جوتے گانٹھنے کا منافع بیان کرو یہ سخت توہین ہوگی حکیم محمود خان کی اور فن طب کی بھی ایسے ہی یہاں سمجھ لو علماء سے مسائل پوچھو دینا کے حصول کی تدابیر انہیں کیا معلوم خوب سمجھ لیجئے پھر ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ دنیا کہ ترقی اور اس کے حصول کے بھی تو کچھ شرائط اور حدود ہوں گے یہ تو نہیں کہ اس کے لئے جو جی میں آیا کر لیا جو جی میں آیا کہہ دیا جب دنیا کی ترقی کی بھی ایک حد ہے تو اس سے آگے بڑھنا وبال جان بلکہ مضر ایمان ہوگا میں نے لکھنو ایک وعظ میں بیان کیا تھا اس وعظ میں تو تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ زیادہ تھے۔

بڑے بڑے بیرسٹر اور وکلا کا مجمع تھا میں نے کہا تھا کہ ترقی ترقی گاتے پھرتے ہو آخر اس کے کچھ حدود بھی ہیں اگر ہر ترقی مطلوب ہے تو انسان کے بدن پر کبھی ورم آ

جاتا ہے جس سے اس کے جسم کی ترقی ہو جاتی ہے تو پھر اس کے ازالہ کی تدابیر طبیب یا ڈاکٹر سے کیوں پوچھتے ہو اور اس کو مذموم کیوں سمجھتے ہو اگر حدود سے گزر کر ترقی کی جاوے تو وہ ایسے ہوگی جیسے فرعون نے ترقی کی تھی۔

تو ایسی ترقی سے ایک مسلمان ایمان والے کو کیا فائدہ ایسی ترقی مسلمان کی ترقی کہلانے کی قابل کب ہوگی یقیناً کفار کی ترقی کہلائے گی اور اس کے حصول کی فکر بھی بے ضرورت ہی ہوگی اس لئے کہ کفار کی ترقی تو ہو ہی رہی ہے پھر مسلمانوں کے لئے ایسی ترقی میں کونسی خوبی ہوگی انکی خوبی تو اسی ترقی میں ہے کہ حدود کا تحفظ ہوا اور پھر ترقی ہو یہ ہے خوبی کی بات اور ایسی ترقی غیر ممکن نہیں محال نہیں سلف کے کارنامے تمہارے سامنے ہیں کہ شرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک اعلاء کلمۃ الحق کر گئے ان کی کامیابی اور ترقی میں جو بڑی بات ہے۔

وہ یہ ہے کہ حدود کا تحفظ رکھا اور اس کے ماتحت کامیابی اور ترقی کی نکاح کا نتیجہ جب ہی برآمد ہو سکتا ہے کہ میاں بھی صحیح المزاج ہو اور بیوی میں بھی کوئی نقص نہ ہو تب ہی اولاد پیدا ہوگی اسی طرح اگر علماء بھی متدین اہل تقوی واہل فتویٰ ہوں اور عوام بھی اونکے مطیع وفرمانبردار ہوں اس صورت میں ان شاء اللہ تعالیٰ نتیجہ بہتر سے بہتر برآمد ہوگا غرض کام کے انجام دینے کے لئے ایک مخلص جماعت چاہئے جس کا شب وروز یہ ہی کام ہو پھر اس جماعت میں دو قسم کے لوگوں کی ضرورت ہے۔

ایک وہ لوگ جو دنیا کی وجاہت رکھتے ہوں دوسرے وہ جو دین کی وجاہت رکھتے ہوں اگر دنیا کے متعلق کوئی شبہ ہو تو پہلا طبقہ جواب دے گا اور اگر دین کے متعلق کوئی شبہ ہو تو دوسرا طبقہ جواب دے گا۔ رہا میری شرکت کے متعلق سو یہ عرض ہے کہ غیب کی خبر نہ مجھ کو نہ آپ کو اس لئے پہلے سے کیسے جازم فیصلہ کرلوں بس معلقاً اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اگر شریعت کے موافق طریق کار ہو میں شریک ہوں مجھ کو انکار نہیں اصرار نہیں ضد نہیں جو بات تھی میں نے صاف صاف ظاہر کر دی تا کہ کسی قسم کی آپ کو الجھن نہ ہو

دھوکہ نہ ہو نہایت احسن طریق سے کام شروع کیا جاوے اور اگر اس میں کوئی مخالفت کرے اس کے ساتھ نرمی سے کام لیا جاوے جبر اور تشدد کو پاس نہ آنے دیا جائے ان شاء اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ سب شریک ہو جائیں گے سب سے اوّل ضرورت خلوص کی ہے پھر فلوس والے خود آ شریک ہوں گے آپ دیکھیں کہ شیعوں کا مذہب نہایت لچر ہے مگر ظاہراً ان کے نرم ہونے کی وجہ سے بہت لوگ اس طرف مائل ہیں۔

نرمی وہ چیز ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی نے وعظ میں دیکھا کہ ایک شخص ٹخنے سے نیچے پاجامہ پہنے ہوئے ہے آپ نے ختم وعظ پر فرمایا کہ میاں ذرا تم ٹھہرے رہنا تم سے کچھ کام ہے سب لوگ چلے گئے وہ شخص ٹھہرا رہا تنہائی میں اس سے کہا کہ ذرا دیکھنا میرا وہم ہے یا سچ مچ کچھ میں ہی غلطی پر ہوں میرا پاجامہ ٹخنے سے نیچا ہو جاتا ہے چونکہ اس پر ایسی ایسی وعید ہے اس لئے دیکھ کر بتلا دو تا کہ زیادہ احتیاط کروں اور یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے کہ بھائی اچھی طرح دیکھ لو اس شخص نے نہایت محجوبا لہجہ میں عرض کیا کہ حضرت خدا نہ کرے آپ کا تو کیوں ہوتا البتہ میرا ہی پاجامہ ٹخنے سے نیچے ہے میں توبہ کرتا ہوں مولانا محمد قاسم صاحب کا ایک واقعہ ہے کہ ایک خان صاحب مولانا کے بڑے دوست تھے مگر لباس انکا خلاف شریعت تھا اور وہ جمعہ کے روز مولانا ہی کہ پاس آ کر غسل کرتے کپڑے بدلتے اور جمعہ پڑھتے اور انداز سے یہ معلوم تھا کہ پکے آدمی ہیں کہنے سے نہ مانیں گے۔

مولانا نے ایک جمعہ کو ان سے فرمایا کہ میاں آج دو جوڑے لیتے آیئے ہم بھی آج تمھاری وضع کا لباس پہنیں گے وہ صاحب بے حد متاثر ہوئے اور عرض کیا کہ خدا نہ کرے آپ مجھ جیسے خبیث کی وضع پر رہیں آپ ہی مجھ کو ایک جوڑا دیجئے میں اس کو پہنوں گا اور ہمیشہ کے لئے اس لباس سے توبہ کر لی حق تعالیٰ نے نرمی میں خاصہ رکھا ہے جذب کا پس آپ ان اصول پر کام

شروع کریں اگر شریعت کے موافق تحریک نافذ ہوگئی میں دل و جان سے شریک ہوں پھر فرمایا کہ تجارت کے متعلق ایک اور بات کام کی یاد آئی وہ یہ کہ امراء کو یہ رائے دی جائے کہ گراں قیمت کی چیزیں خرید کر غربا کو سستی دیں تا کہ تجارت میں مسلمان دوسری قوموں کا مقابلہ کرسکیں یہ دوسری قومیں مسلمانوں کو اپنی چالوں اور تدابیر سے تجارت میں چلنے نہیں دیتے۔اوراس کی چند روز ضرورت ہوگی پھر کام چل نکلنے پر کچھ ضرورت نہ ہوگی وجہ یہ کہ لوگ بھی اصول تجارت سے واقف ہو جائیں گے اور ان تدابیر سے یہ مقصود نہیں کہ مسلمان اہل ثروت ہوں امیر ہوں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کی حوائج ضروریہ چلتی رہیں اور کم از کم ہم دوسری قوموں سے مستغنی ہو جائیں یہ ہیں چند باتیں جو تجربات کی بناء پر میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیں مجھ کو مسلمانوں کی طرف سے جو زیادہ قلق ہے اس وجہ سے ہے کہ انکی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک مریض کسی طبیب کے پاس جائے مگر وہ طبیب خود ہی بیمار ہو وہ کیا خاک علاج کرے گا تو حضرت ہمارے طبیب ہی بیمار ہیں کیا علاج کریں گے رہنما ہی غلط راستہ پر ہیں کیا رہبری کریں گے۔الا ماشاءاللہ

(ملفوظات حکیم الامت، جلد۳،ص:۶۵۔۷۵)

رسالہ ملقب بہ حقوق الانفاق

(خرچ کی حدود اور انعامات الٰہیہ کا احترام)

ایک نو وارد صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں ایک پرچہ پیش کیا جو کسی دوسرے صاحب نے ان کے ہاتھ بھیجا تھا۔ ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں لکھی۔ جس کے لئے آدمی کو بھیجنے کی اور اتنا خرچ کرنے کی زحمت گوارا کی۔ خیر اگر آپ کو معلوم ہو تو آپ ہی کوئی بات بتلائیں۔ اس میں تو بالکل گول مول بات لکھی ہے۔ وہ صاحب خاموش رہے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ وہ کاتب صاحب سامنے نہیں خط کا مضمون کافی نہیں۔ آپ بولتے نہیں۔ اب کام کیسے چلے فرمایا بعضے لوگ ذرا سی بات پر پیسہ کو نہایت بے دردی سے صرف کرتے ہیں۔ خدا کی نعمت کی قدر نہیں کرتے۔ بھلا آدمی کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک کارڈ سے جو کام ہو سکتا ہے اس کے لئے اتنا صرف اگر موقع محل اور ضرورت میں ہزار بھی صرف ہو جائیں تو دل کو قلق نہیں ہوتا فرمایا کہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ مثلاً دونوں گھروں میں ضرورت کے موقع پر ایک ایک ہزار روپیہ دینے کا ارادہ کر لیا تو قلب میں تقاضا ہوتا ہے۔ کہ جلد سے جلد یہ کام کر دینا چاہیے۔ مالکی محبت صرف کرنے سے مانع نہیں ہوتی۔ اور بے موقع اور بلا ضرورت ایک پیسہ صرف کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ ایک پیسہ گم ہو گیا دیر تک اس کو تلاش کیا نہیں ملا پھر نیاز سے کہا کہ تم بھی ڈھونڈھنا اب اس کو چاہے کوئی بخل ہی سے تعبیر کرے جب تک مل نہ گیا۔ چین نہیں آئی کیونکہ وہ گم ہو جانا کسی مد میں شمار نہ تھا۔ فضول جانے کا قلق تھا اور اگر باوجود

تلاش کے بھی نہ ملتا تو اس کا بھی ایک مدسمجھ رکھا ہے۔ وہ یہ کہ نہ ملنے پر صبر کا ثواب ملے گا۔ بہرحال کچھ تو ملا قلب کو سمجھانے کے لئے یہ بھی ایک خاص مد ہے۔ کہ اگر وہ نہیں ملا تو ثواب تو ملا۔ ایک ریاست سے ایک شخص کو محض اجوائن سیاہ مرچ پڑھوانے کے واسطے بھیجا گیا۔ سو جو کام ایک روپیہ میں ہوسکتا تھا۔ ڈاک کے ذریعہ سے اس میں اتنا صرف کیا فائدہ ایک شخص مجھ سے بیان کرتے تھے کہ فلاں نواب صاحب کا ایک چھوٹا سا لڑکا بیمار ہوگیا تھا تو اسی تیمارداری میں روزانہ چارسو پانچ سو روپیہ صرف ہوتا تھا۔

یعنی ڈاکٹروں میں طبیبوں میں جھاڑ پھونک والوں میں شائد اتنا وزن لڑکے میں بھی نہ ہوگا جتنے وزن کی چاندی صرف ہوگئی ہوگی۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ صرف نہ کیا جائے یا پیسہ اولاد سے زیادہ عزیز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جیسے اولاد خدا کی نعمت ہے۔ پیسہ بھی ان ہی کی نعمت ہے اس کو بھی طریقہ سے ہی صرف کرنا چاہیے اور اس موقع پر بہت سا فضول بھی صرف ہورہا تھا۔ ان نواب صاحب نے یہاں آدمی بھیجا دعاء کے لئے اور دس روپیہ بھیجے کہ ختم میں دعا کردیجائے میں نے مزاحاً کہا کہ وہ چیز تو اس قدر صرف کررہے ہیں اور یہاں پر دس روپے بھیجے کم از کم پچاس تو بھیجے ہوتے اور یہ کہہ کر میں نے دو روپیہ رکھ لئے اور آٹھ واپس کردیئے اور لکھ دیا کہ دو روپیہ میں ایک مہینہ تک دعاء ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ اس مدت میں اس کو آرام ہوجائے گا۔ ایک مرتبہ میں بمبئی گیا۔ چھوٹے گھر سے حج کو جارہی تھی۔ ان کو جہاز میں سوار کرنے گیا تھا۔ وہاں پر حکیم محمد سعید صاحب نے ہم لوگوں کیلئے ایک مکان کرایہ پر لیا تھا۔ بڑا مکان تھا کرایہ وہاں عموماً بہت زیادہ ہوتا ہے۔ غالباً تین سو روپیہ میں لیا گیا تھا۔

حکیم صاحب کے یہاں سے کھانا وہاں ہی آجاتا تھا۔ اس میں غسل خانہ کے نام سے ایک حصہ تھا۔ مگر چونکہ وہ مکان نیا بنا تھا۔ اس میں غسل وغیرہ کرنا شروع نہ ہوا تھا کھانا جو آتا تھا اس غسل خانے میں رکھ دیا جاتا اور کھانا خرچ سے بہت زائد آتا تھا اور

کھا کر بچ جاتا تھا۔ تو کھانا لانے والے نوکر یہ حرکت کرتے کہ بچا ہوا کھانا اس غسل خانہ کی کھڑکی سے باہر نالی میں پھینک دیتے۔ اس نالی میں گندہ پانی بہتا تھا۔ پھر علاوہ رزق کے احترام کے وہ کھانا صورۃً بھی نہایت عمدہ ہوتا تھا۔ پلاؤ، زردہ، قورمہ، مزعفر مگر وہ نامعقول اس کے نہ معنیٰ کا ادب کرتے نہ صورت کا احترام مجھ کو ایک روز معلوم ہوا کہ کھانا اسطرح پھینک دیا جاتا ہے۔ مجھ کو اس قدر رنج اور صدمہ ہوا کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ میں نے ان لوگوں کو ڈانٹا کہ خدا کی نعمت کی یہ بے قدری کرتے ہو اور پھر میں نے حکیم صاحب سے شکایت کی کہنے لگے کہ یہ ایسے ہی نالائق ہیں۔

ممکن ہے کہ بعد میں زیادہ ڈانٹ ڈپٹ کی ہو پھر بعد میں سمجھ میں آیا کہ وہاں کی فضا اور ماحول میں یہ اثر ہے کہ نعمت کی قدر نہیں کی جاتی۔ اور یہ ملازم گو بمبئی کے رہنے والے نہ تھے۔ ہندوستانی ہی تھے مگر وہاں کے برتاؤ کو دیکھتے دیکھتے ان میں بھی بے حسی پیدا ہوگئی۔ اتفاق سے وہاں پر لوگوں کی درخواست پر ایک بیان ہوا۔ میں نے سوچا اگر اختلافی مسائل کا بیان کرتا ہوں تو فتنہ کا اندیشہ ہے۔ یہ وہاں پر بڑی آفت ہے۔ قتل تک کی سازشیں شروع ہوجاتی ہیں اور اگر نماز روزہ کا بیان کرتا ہوں تو اسکو سب جانتے ہیں۔ اس لئے چنداں نفع نہیں ایسا بیان ہو کہ یہ جانتے بھی نہ ہوں اور اس میں نزاع بھی نہ ہو۔ اسلئے میں نے نعمت الٰہیہ کی قدر کے متعلق اس آیت کا بیان کیا۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ کہ تم خدا کی نعمت کی قدر نہیں کرتے۔

اب اس بے قدری کا نتیجہ چند ہی روز میں برآمد ہوا۔ واقف لوگوں سے معلوم ہوا کہ جن کی کئی کئی کروڑ کی حیثیت تھی۔ اب وہ سڑکوں پر رات بسر کرتے ہیں۔ خدا کی نعمت کی بے قدری کرنا۔ بڑی خطرناک بات ہے۔ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا۔ ہمراہیوں میں خواجہ صاحب بھی تھے اور ایک صاحب رئیس تھے۔ قنوج کے جو

بہت دیندار آدمی تھے۔ کھانا ساتھ تھا۔ جب کھانا شروع کیا۔ اتفاق سے ایک بوٹی ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے کے تختے پر گر گئی۔ ان صاحب نے یہ کیا کہ اس کو جوتہ سے تختے کے نیچے سرکا دیا۔ مجھ کو انکی یہ حرکت بے حد ناگوار ہوئی۔

اب سوچا کہ اگر کچھ کہتا ہوں تو نیک آدمی اور رئیس پھر بوڑھے بھی ان کو کیا کہوں مگر تنبیہ ضرور تھی۔ یہ سمجھ میں آیا کہ ان کو عملی تبلیغ کرنا چاہئے میں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ یہ خدا کی نعمت ہے۔ اس کو اٹھا کر اور دھو کر مجھ کو دی جائے۔ میں اس کو کھاؤں گا خواجہ صاحب بے حد نفیس آدمی ہیں۔

انہوں نے کہا اگر کوئی اور کھالے تو کیا اس کو اجازت ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا اجازت ہے۔ بشرطیکہ طبیعت گوارا کرے۔ مقصود تو خدا کی نعمت کا احترام ہے خواجہ صاحب نے اٹھا کر دھو کر صاف کر کے اس بوٹی کو کھالیا۔ وہ صاحب اس وقت تو کچھ نہیں بولے مگر میری غیبت میں کہا کہ اگر پچاس جوتے مار لئے جاتے مجھ اسقدر شرمندگی نہ ہوتی۔ جتنی اس صورت میں ہوئی ہے۔ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہیں ہو سکتی۔ میں گھر جاتا ہوں کہ کہیں پر روٹی کا ٹکڑا یا اناج کا دانہ کہیں پڑا دیکھتا ہوں کانپ جاتا ہوں۔ فوراً اس کو اٹھاتا ہوں اور احترام سے اسکو حفاظت کی جگہ رکھ دیتا ہوں۔ بعض مرتبہ چنے وغیرہ گھونگنی کھانے کا اتفاق ہوتا ہے اور اچٹ کر کوئی دانہ گر جاتا ہے اگر شب کا وقت ہوتا ہے تو اس کو لالٹین سے ڈھونڈتا ہوں جب تک پا نہیں جاتا اور اس کو صاف کر کے کھا نہیں لیتا۔ قلب کو چین نہیں آتا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ " یا عائشہ اکرمی الخبز" یعنی اے عائشہ! رزق کا احترام کرنا چاہئے۔ یہ جس گھر سے نکل جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا۔ یہ بڑے خوف اور عبرت کا مقام ہے۔ یعنی رزق کا گھر سے نکل جانا اس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے پھر کیا نوبت ہوتی ہے۔ اگر آئے گا بھی تو شاید کسی آئندہ نسل میں آئے گا اس کو میسر ہونا

مشکل ہے۔ غالب یہی ہے حق تعالیٰ کی نعمتوں کی بے قدری کرنا اور ان کا قلب میں احترام نہ ہونا صاف کفرانِ نعمت ہے وہ عطا فرمائیں اور یہ قدر نہ کرے اس کا جو کچھ انجام ہوگا ظاہر ہے۔ ایک صحابی ہیں حضرت حذیفہ وہ فارس کی کسی مقام پر بطور دورہ حکام کے تشریف لے گئے بڑے بڑے رئیس کفار ملاقات کے لئے آئے۔ آپ اس وقت کھانا کھا رہے تھے اور وہ تمام کفار بھی پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے ہاتھ سے لقمہ چھوٹ گیا۔ آپ نے اٹھا کر صاف کر کے کھالیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں آپ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ وہ کوئی خاص اور ممتاز جگہ نہ تھی یعنی وہاں قالین گدے نہ تھے ورنہ لقمے کو لگتا ہی کیا زمین میں بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے۔ جبھی تو صاف کرنے کی نوبت آئی۔ مٹی میں ملوث ہو گیا ہوگا۔ ایک خادم نے چپکے سے عرض کیا کہ حضرت اس وقت یہاں پر بڑے بڑے دنیا دار کفار کا مجمع ہے۔ اور یہ ایسی بات کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے تو پست آواز سے کہا تھا مگر انہوں نے بلند آواز سے فرمایا کہ کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے اپنے خلیل اور اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو چھوڑ دونگا۔ کیا ٹھکانا ہے ان حضرات کے ایمان کا ایمان قلب میں رچا ہوا تھا۔ جو بات آجکل ریاضتوں، مجاہدوں، مراقبوں، مکاشفوں سے پیدا کی جاتی ہے۔ وہ ان حضرات کو ویسے ہی حاصل تھی۔ حاصل یہ ہے کہ خدا کی نعمتوں کی قدر کرنا چاہئے۔ اسراف سے بچنا بھی اسی قدر میں داخل ہے اور اسراف کا سہل علاج یہ ہے کہ جب خرچ کرو سوچ کر خرچ کرو کہ ضرورت ہے یا نہیں۔ یونہی مت اڑا دو۔ اس کے متعلق تو نص ہے۔ فضول مال اُڑانے والوں کی نسبت حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ فضول مال اڑانے والوں کو شیطان کا بھائی فرمایا اس سے بڑھ کر کیا وعید ہو سکتی ہے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ ان الله لا یحب المسرفین. غرض جہاں صرف ہو حدود کے اندر ہو۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۳ ص: ۱۸۶)

العَونُ النَّفِیسُ فِی الصَّونِ عَنِ التَّلبِیسِ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا بجز اسلام کے آج کل ہر مذہب میں تلبیس سے کام لیا جارہا ہے ایک ہندونومسلم جو پہلے مستقل مہنت تھا کانپور میں میرے پاس آیا اور یہ کہا کہ میں دنیا میں خدا کا دیدار کرنا چاہتا ہوں اور اس کی تلاش میں میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کردیا مگر ناکام رہا ہندو ہونے کے زمانہ میں ایک پوجاری نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھ کو پرمیشور کی جوت دکھلا دوں گا مگر اس نے چالاکی یہ کی کہ شب کے وقت ایک کچھوے کی پشت پر بہت سا گارا رکھ کر جما کر اس پر ایک چراغ جلا کر مجھ کو اس سے ذرا فاصلہ پر لے گیا اور اس طرف اشارہ کیا سو وہ چل رہا تھا دور سے کہا کہ دیکھ وہ ہے پرمیشور کی جوت میں نے جو اس کو دیکھا تو اس کی حرکت سے شبہ ہوا کہ اس میں وقار کیوں نہیں جب اطمینان نہ ہوا تو میں پاس پہنچا اس پوجاری نے ہر چند مجھ کو روکا ہاتھ بھی پکڑ لیا کہ بچہ وہاں مت جا جل جائے گا مگر میں نہ رُکا پہنچ ہی گیا جا کر دیکھا تو یہ کارروائی ہے میں نے اس سے کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہا کہ بس میرے پاس تو یہی ہے باقی پوری حلوے کی کمی نہیں اگر دل چاہے رہو اور عیش کرو میں نے کہا یہ چیزیں تو میں خود چھوڑ کر آیا ہوں پھر خیال ہوا کہ مسلمان ہونا چاہئے شاید وہاں یہ چیز نصیب ہو جائے یہ سب سن کر میں نے اس شخص سے کہا کہ تم دھوکے میں ہو اور تمہارے اسلام لانے کی یہ بناء ہے تو ہم صاف کہے دیتے ہیں کہ اسلام میں بھی دنیا میں خدا کا دیدار نہیں ہوسکتا ہاں آخرت میں وعدہ ہے پھر میں نے کہا کہ جب تم اس میں ناکام رہو گے اور تمہارے اسلام کی یہ ہی بناء ہے تو شبہ ہوتا ہے کہ تم اسلام کو بھی چھوڑ دو گے کہنے

لگا کہ اسلام کو تو ہرگز نہ چھوڑوں گا میں نے کہا کہ تمہارا کچھ اعتبار نہیں آخر ہم کیسے اطمینان کریں کہنے لگا کہ اسلام میں توحید ایسی کامل ہے کہ کہیں اور کسی مذہب میں نہیں اس لئے اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا میں نے کہا کہ اسلام میں کیا توحید کامل ہے مجھ کو یہ انتظار تھا کہ دیکھو کیا دلیل بیان کرتا ہے جس پر اس کو اطمینان ہے کہنے لگا کہ اگر کوئی مسلمان ہو جاتا ہے اس کو سب مسلمان اپنے برابر سمجھنے لگتے ہیں یہ دلیل تھی اس کے پاس اسلام میں توحید کامل ہونے کی جو ظاہرا کوئی بڑی برہانی بات نہیں مگر حق تعالیٰ کا جس پر فضل ہوتا ہے اور اس کو رحمت سے نوازتے ہیں وہاں کسی مانع کا دخل نہیں ہوتا ظاہراً تو جب وہ اسلام لاکر بھی اپنے مقصد میں ناکام ہوا تو جو اسلام کا داعی تھا وہ رخصت ہو جانا چاہئے تھا مگر یہ برکت اس کے خلوص نیت کی تھی چونکہ وہ ان کی ملاقات کا متلاشی تھا اس پر یہ فضل ہوا کہ اس کو اسلام لانے کی توفیق نصیب فرما دی ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ. وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ اس قصہ میں جو اس نو مسلم سے بلا تلبیس حق بات صاف کہہ دی تھی۔

اس پر ایک دوسرا قصہ بیان کیا کہ ایک ہندو جلال آباد میں تھا معزز رئیس تھا اس نے اتفاق سے ایک وعظ میں شرکت کی تھی اس کے سننے کے بعد اس نے چاہا تھا کہ میں اس کو تصوف کی تعلیم دوں کئی بار رقعے پرچے چلے اور میں نے اس کو خاص خاص عنوانات سے حق کی دعوت دی مگر وہ سمجھا نہیں ایک رقعہ میں میں نے اس کو صاف لکھ دیا کہ اگر ہم سے تصوف لینا ہے تو ایک شرط کی ضرورت ہے ہر طریق میں کچھ شرائط ہوتے ہیں جو تصوف ہم کو پہنچا ہے اس میں اسلام شرط ہے بس مایوس ہو کر بیٹھ گیا اسی عدم تلبیس کے سلسلہ میں فرمایا کہ جیسے میرے یہاں اپنے نقائص کے اخفا کا اہتمام نہیں ایسے ہی اپنے محاسن کے اخفا کا بھی اہتمام نہیں جو بھی حالت ہے کھلی ہوئی ہے اب خواہ کوئی نقائص سے غیر معتقد ہو جائے خواہ محاسن پر معتقد مجموعہ پر نظر کر کے اعتقاد میں بھی کسی کو غلو نہ ہو گا وہ وسط رہے گا پالیسی بمعنی فریب اور پالیسی بمعنی خوشامد دونوں

سے بحمد اللہ مجھ کو ہمیشہ سے نفرت ہے میں تو کہا کرتا ہوں کہ انگریزی کی پالیسی اور فارسی کی پالیسی دونوں قابل نفرت ہیں اور بناوٹ پر معتقد ہونے والے کا اعتبار ہی کیا آخر انسان ہے کہاں تک بنے گا ہمیشہ بنتے رہنا بڑا مشکل کام ہے اور جس طرح مصلح کو ضرورت ہے طالبین کو تلبیس سے بچاوے اسی طرح طالبین کو بھی سخت ضرورت ہے کہ تعیین مصلح میں نہایت احتیاط سے کام لیں اور تلبیس سے بچیں اور یہ سب احتیاطیں حالت موجودہ کے متعلق ہوسکتی ہیں باقی انجام کے متعلق جو کہ اس وقت محض مخفی ہے کوئی انتظام نہیں ہوسکتا بجز اس کے کہ جس وقت اس کا ظہور ہواس سے قطع تعلق کر دے کسی کو دلائل صحیحہ سے صاحب کمال سمجھا گیا مگر باوجود اس کے پھر اس کو رجعت ہوئی تو اس وقت یہی حکم کیا جائے گا کہ سمجھنے میں غلطی ہوئی وہ پہلی ظاہری حالت واقع میں ولایت ہی نہ تھی جیسے طب کا مسئلہ ہے کہ دق کا مریض اگر اچھا ہوگیا تو کہا جاتا ہے کہ وہ دق ہی نہ تھی طبیب کی تشخیص میں غلطی ہوئی ایسے ہی ایسی حالت میں کسی کو صاحب کمال سمجھنے میں غلطی ہوئی وہ پہلے ہی سے صاحب کمال نہ تھا بعض صورتیں اشتباہ کی ایسی بھی ہوتی ہیں کہ غیر حقائق پر حقائق کا دھوکہ ہوجاتا ہے جیسے صبح کاذب پر صبح صادق کا دھوکہ ہوجاتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

اے شدہ تو صبح کاذب رار ہیں   صبح صادق راز کاذب ہم بہیں

(تو جو صبح کاذب کا متبع ہو رہا ہے، صبح صادق اور صبح کاذب میں امتیاز کر۔۱۲)

دیکھئے ابلیس کو اپنے متعلق ہی دھوکہ ہوا اور نہ واقع میں اس کو کبھی نسبت اور قرب میسر نہیں ہوا اور آسمان پر چلا جانا یہ کسی دلیل سے علامت مقبولیت کی نہیں البتہ مکان کو مطہر کہیں گے اس سے آگے کوئی بات اس کے کامل ہونے کی دلیل نہیں باقی یہ جو اعمال صالحہ ابلیس کے تھے وہ محض صورۃً تھے حقیقۃً نہ تھے گو فتوے کے درجہ میں حقیقت فقہی تھی مگر فی علم اللہ میں نہ تھی اور جو چیز فی علم اللہ نہ ہو وہ حقیقت معتبر نہیں اس لئے کبھی کسی آدمی کو بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کہ میری حالت اخیر تک مامون ہی رہے گی

میرے ابتدائی عربی کتابوں کے استاد نے جو مکہ کے ایک ثقہ عالم تھے ایک حکایت بیان فرمائی کہ اتفاق سے مکہ میں سیلاب آیا جس سے ایک عالم کی قبر کھل گئی مگر دیکھا کہ بجائے اس میت کے ایک عورت نہایت حسین اس قبر میں ہے تعجب ہوا کہ وہ شخص جو اس قبر میں دفن ہوا تھا اس کے بجائے یہ عورت قبر میں کیسے ہے ایک آفاقی حاجی شخص نے بیان کیا کہ میں اس کو پہچانتا ہوں یہ ایک لندن کے انگریز کی بیٹی ہے جو مجھ سے تعلیم حاصل کرتی تھی اور خفیہ مسلمان ہو کر مرگئی لوگوں نے یہ انتظام کیا کہ اس شخص کو مع دو مکی لوگوں کے لندن بھیجا کہ وہاں اس کی قبر کھول کر دیکھو۔

چنانچہ اس قبر میں اس مکی عالم کی میت کی نعش دیکھی گئی جس کو ان دو مکی ہمراہیوں نے پہچانا یہ سب واپس آئے اور بیان کیا اور حیرت بڑھی لوگوں نے اُس مکی شخص کے مکان پر پہنچ کر اس کی بیوی سے پوچھا کہ یہ شخص ایسا کیا بُرا عمل کرتا تھا جس کی یہ سزا دی گئی بیوی نے کہا کہ یہ جب مجھ سے مقاربت کرتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ جنابت کے مسئلہ میں عیسائیت کا مذہب بڑے آرام کا ہے کہ جنابت کا غسل نہیں ایسی حالت میں اپنی حالت پر کیا ناز کرے کسی کو کیا حقیر سمجھے اس لئے کہ کیا خبر ہے کسی کو کہ خدا کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے بعض فساق فجار میں بھی خود فسق و فجور کے زمانہ میں ایسی بات ہوتی ہے کہ وہ بیڑا پار کر دیتی ہے لکھنؤ میں ایک خان صاحب تھے رند مشرب بڑے آزاد دنیا بھر کے عیوب ان میں تھے عمر ڈھل چلی تھی اہل محلہ سمجھاتے کہ میاں ضعیفی کا زمانہ ہے اب تو توبہ کرلو نماز شروع کر دو وہ کہتے کہ اس سے کیا ملے گا لوگ کہتے کہ جنت ملے گی وہ کہتے کہ میاں جنت کے واسطے اس قدر محنت اور مشقت کون کرے جنت کا لینا کیا مشکل ہے ایک ہاتھ ادھر اور ایک ہاتھ اُدھر بس سامنے سے کائی سی پھٹی چلی جائے گی اور جنت میں جا کھڑے ہوں گے جس وقت مولانا امیر علی صاحب نے ہنومان گڈھی پر بت پرستوں کے مقابلہ میں جہاد شروع کیا خان صاحب کو معلوم ہوا مولانا کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ مولانا کیا ہم جیسے گنہگاروں کو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرما

لیں گے مولانا نے فرمایا کہ کون سا امر مانع ہے خان صاحب ہاتھ میں تلوار لے کر میدان میں پہنچ گئے واقعی ایک ہاتھ ادھر اور ایک ہاتھ ادھر سامنے سے کائی سی پھٹ گئی بڑی تعداد کفار کو ختم کر کے ایک کافر کے ہاتھ سے خان صاحب شہید ہو گئے اور جنت میں داخل ہو گئے تو یہ بات دین کی حمیت خان صاحب میں عین جہاد کے وقت تھوڑا ہی پیدا ہوئی تھی یہ پہلے ہی سے قلب میں تھی جس کی کسی کو خبر بھی نہ تھی۔

اور بات یہ ہے کہ جل علیٰ شانہٗ کے ساتھ تعلق اور محبت یہ بھی ایک عمل مخفی ہے جس کی بدولت خان صاحب کو یہ دولت نصیب ہوئی، ایک شخص مارہرہ میں تھا نہایت ہی او باش لاابالی لوگ کہتے کہ میاں خدا کو بھی منہ دکھلانا ہے ان حرکات سے توبہ کرلو جواب میں کہتا کہ میاں ہم جانیں ہمارے اللہ میاں تم کون ہو دخل دینے والے ایک دن دفعۃً بیٹھے بیٹھے بیساختہ اس کے منہ سے نکلا کہ میاں میرا کیا حال ہوگا پھر اور کوئی کلمہ دنیا کا زبان سے نہیں نکلا اور رونا شروع کیا اسی حالت میں دو تین روز کے بعد اسی پر ختم ہو گیا اور جان دیدی اب یہ شخص قتیل محبت و ہیبت ہونے کی وجہ سے شہداء میں سے ہے تو کیا کسی کو حقیر اور ذلیل سمجھا جا سکتا ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

گناہ آئینہ عفو و رحمت ست اے شیخ مبیں بچشم حقارت گناہ گاران را

(اے شیخ گناہ (جس کے بعد توبہ نصیب ہو جاوے) عفو و رحمت کا آئینہ ہے (کیونکہ اگر گناہ نہ ہوتا تو توبہ کس چیز سے ہوتی اور توبہ نہ ہوتی تو عفو و رحمت کا ظہور کیسے ہوتا) لہٰذا گناہگاروں کو (اس حیثیت سے کہ وہ مظہر نہیں رحمت و عفو الٰہی کے) چشم حقارت سے مت دیکھو۔۱۲)

(ملفوظات حکیم الامت جلد۴ ص ۱۰۵)

احکامُ التبرکات

ایک سلسلہ گفتگو میں ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس جبہ کے متعلق جو کہ جلال آباد میں ہے اصل چیز جو قابل تحقیق اور قابل غور ہے دو امر ہیں ایک تو یہ کہ اس کے ثبوت کا درجہ کیا ہے اور ایک یہ کہ اس کے ساتھ معاملہ کیا کرنا چاہئے سو اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے جیسے ایک سید ہو اور اس کے سید ہونے میں اختلاف ہو تو اس کا درجہ ثبوت تو محض احتمال ہے اور اس کے ساتھ معاملہ ہر شق میں احتیاط کا کیا جاوے گا مثلاً اس کا احترام بھی کیا جاوے گا اور اس کو زکوٰۃ بھی نہ دی جاوے گی اور جو شخص یہ احتیاط نہ کرے اس سے نزاع بھی نہ کیا جاوے گا۔ دیکھئے سعد بن وقاص کے بھائی عتبہ نے حضرت سعد کو زمعہ کی لونڈی سے جوان کا لڑکا پیدا ہوا تھا وصیت کی تھی کہ اس پر قبضہ کر لینا وہ میرے نطفہ سے ہے۔

مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الولد للفراش کے قاعدہ سے وہ لڑکا ان کو نہیں دیا لیکن اشتباہ کے سبب حضرت سودہ کو اس لڑکے سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ سو اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قدر ضعیف احتمال پر احتجاب کا وہ معاملہ کیا جیسا کہ اصل کے ساتھ یعنی عتبہ سے اس لڑکے کا نسب ثابت ہوتا معاملہ کیا جاتا آج سمجھ میں آیا یہ دونوں باتیں آج ہی سمجھ میں آئیں آپ نے سو سمار نہیں کھایا اس احتمال پر کہ یہ کوئی امت مسوخہ نہ ہو مگر چونکہ اس وقت تک یہ محض احتمال کے درجہ میں تھا اس لئے دوسروں کو منع بھی نہیں کیا دیکھئے آپ نے اپنی ذات کے لئے احتمال کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو حقیقت کے ساتھ کیا جاتا مگر دوسروں کو مجبور نہیں کیا اسی طرح یہاں پر بھی دوسروں کو اُس جبہ سے برکت حاصل کرنے پر مجبور نہ کیا

جاوے اور خود اگر چاہے برکت حاصل کرے اور میں نے ایک اور صاحب کے سوال کے جواب میں یہ بھی لکھا ہے کہ تعزیوں کو اس پر قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہاں مانع شرعی موجود ہے کہ یہ آلہ ہے شرک اور کفر کا ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح خواب میں دیکھا کہ حضرت جلال آباد کا یہی جبہ پہنے ہوئے ہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تعبیر فرمائی کہ حضرت سنت کے متبع ہیں تو حضرت کے ارشاد سے اس کو صحیح سمجھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے میرے خط کے جواب میں اس کے متعلق تحریر فرمایا تھا کہ اگر منکرات سے خالی موقع مل جائے تو زیارت سے ہرگز ہرگز دریغ نہ کریں میں نے اس میں ایک مقدمہ اور ملایا ہے کہ شرعی محذور بھی نہ ہو زیارت کرنے میں اس مقدمہ کو ملانے کے بعد مطلق زیارت کرنے میں جبکہ منکرات سے پاک ہو کوئی قباحت نہیں رہتی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی چیزوں کے متعلق کسی تحریر میں جس کی تعیین یاد نہیں فرمایا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام آ گیا تو ہمیں احترام ہی کرنا چاہئے اور اس جُبہ کے متعلق بعض اوقات اس کے خدام میں مشہور ہیں مثلاً کوئی شخص زیارت کو آیا اور مخلص نہ ہو تو قفل نہیں کھلتا دوسرے وقت کھل جاتا ہے اور ایک برکت تو خاص معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کے جو خدام ہیں وہ لالچی نہیں اگر کوئی کچھ بھی نہ دے تو غریب زیارت کرا کر چلے جاتے ہیں جو کھانے کو دیا کھا لیتے ہیں خود وہ بھی طلب نہیں کرتے۔

ایک شخص تھے حاجی عبدالرحیم میرے بھائی کے کارندہ وہ بیان کرتے تھے کہ ایک شخص غریب آدمی تھا اس کو کچھ ضرورت ہوئی کہیں سے اُدھار نہیں ملا تو اس نے قرآن شریف لے جا کر ایک ہندو سے کہا کہ اس کو رکھ لو اور دو روپیہ دیدو اس نے بڑے ادب واہتمام سے لے لیا اور دو روپیہ دے دیئے جب اس شخص میں وسعت ہوئی تو یہ اُس ہندو کے پاس گیا اور کہا کہ یہ روپیہ لیلو اور قرآن شریف دیدو اس ہندو نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اگر لیجاؤ تو تمہارا قرآن ہے لیکن اگر چھوڑ دو تو بڑا احسان ہوگا جس روز سے یہ قرآن دکان میں آیا ہے بڑی برکت معلوم ہوتی ہے اور اس جبہ میں اور تعزیوں میں

فرق بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ تو تعزیوں کا حکم اصلی ہے باقی بعض عوارض کی وجہ سے یہ بدل بھی جاتا ہے اس کے متعلق ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک گاؤں ہے کانپور کے ضلع میں گجنیر پورب میں وہاں کے لوگوں کے متعلق شدھی ہونے کی خبر سنی تھی میں اس گاؤں میں ایک مجمع کے ساتھ گیا اور اس باب میں ان لوگوں سے گفتگو کی ان میں ایک شخص تھا جو ذرا چودھری سمجھا جاتا تھا میں نے اس کو بلا کر دریافت کیا کہ سنا ہے کہ تم شدھی ہونے کو تیار ہو تو اگر تم کو اسلام میں کچھ شک ہو ہم سے تحقیق کر لو اس نے کہا کہ میرے یہاں تعزیہ بنت ہے (بنتا ہے) پھر ہم ہندو کا ہے کو ہونے لگے میں نے اس کو تعزیہ کی اجازت دیدی کیونکہ یہاں عارض کے سبب یہ بدعت وقایہ تھی کفر کی اور میری اس اجازت کا ماخذ ایک دوسرا واقعہ تھا کہ اجمیر میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اہل تعزیہ کی نصرت کا فتویٰ دیدیا تھا قصہ یہ تھا کہ مولانا ایک زمانہ میں اجمیر تشریف رکھتے تھے عشرہ محرم کا زمانہ آیا اور غالباً ایک درخت کے نیچے سے تعزیہ کے گذرنے پر شیعی صاحبان اور ہندوؤں میں جھگڑا ہوا۔

اب صورت یہ تھی کہ اگر تنہا شیعی صاحبان مقابلہ کریں تو غلبہ کی امید نہ تھی اس لئے کہ اُن کی جماعت قلیل تھی اور ہندوؤں کی کثیر اس بناء پر شہر اجمیر کے عمائد مسلمان سنیوں نے مقامی علماء سے استفتا کیا کہ یہ صورت ہے ہم کو کیا کرنا چاہئے وہاں کے علماء نے جواب دیا کہ بدعت اور کفر کی باہم لڑائی ہے تم کو الگ رہنا چاہئے پھر اہل شہر جمع ہو کر مولانا کے پاس آئے اور کل واقعہ عرض کیا اور علماء کا قول بھی نقل کیا، حضرت مولانا نے سن کر فرمایا کہ جواب تو ٹھیک ہے کہ بدعت اور کفر کی لڑائی ہے مگر یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ کیا ہندو اس کو بدعت سمجھ کر مقابلہ کر رہے ہیں یا اسلام سمجھ کر مقابلہ کر رہے ہیں سو یہ بدعت اور کفر کی لڑائی نہیں بلکہ اسلام اور کفر کی لڑائی ہے یہ شیعی صاحبان کی شکست نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی شکست ہے لہٰذا اہل تعزیہ کی نصرت کرنا چاہئے اسی طرح تعزیہ بدعت ضرور ہے لیکن وہاں میں نے اس کو وقایہ کفر سمجھ کر اجازت دیدی ہمارے بزرگ بحمد اللہ جامع بین الاضداد تھے جو محقق کی شان ہوتی ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۱۴ ص ۱۶۴)

آدابُ الفَقِیر

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر انسان میں عبدیت پیدا ہو جائے تو وہ انسان ہے ورنہ حیوان سے بھی بدتر ہے، بل ھم اضل (بلکہ وہ زیادہ گمراہ ہیں) میں اس کی تصریح ہے اسی کے متعلق مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر بصورت آدمی انسان بدے   احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

(اگر ظاہری صورت سے آدمی انسان بن جاتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوجہل یکساں ہوتے۔۱۲)

انسانیت حقیقی یہی ہے کہ عبدیت ہو فنا ہو افتقار ہو انکسار ہو عجز ہو کیونکہ یہ سب علامت ہیں عبد کامل کی اگر اس راہ میں چل کر بھی یہ باتیں نہ پیدا ہوئیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بالکل محروم اور ناکام ہے کیونکہ محض ظاہری صورت اور لحم و پوست کو آدمیت سے کیا تعلق اس کے متعلق بھی مولانا رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست   آدمیت جز رضائے دوست نیست

(انسانیت گوشت اور چربی کا نام نہیں ہے، انسانیت کی حقیقت یہ ہے اسکو حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔۱۲)

غرض عبدیت بڑی چیز ہے جس میں بعض آثار یہ ہیں کہ بعض مرتبہ جس وقت عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے اس وقت کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے بھی غیرت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اس نسبت میں ظاہر ادعوے کی سی شان معلوم ہوتی ہے اسی عبدیت کی بدولت فنا و افتقار و انکسار و عجز پیدا ہوتا ہے اور ہر وقت اس کے اندر ایک

احتیاج کی سی کیفیت غالب رہتی ہے جو عین مقصود اور مطلوب ہے شیخ اسی کیفیت کے پیدا کرنے کی طالب کے اندر کوشش کرتا ہے تا کہ اس کے اندر سے دعوے کی سی شان جاتی رہے کیونکہ تجربہ ہے کہ بدوں مؤثر کے اثر میں استحکام نہیں ہوتا جس کی ایک نظیر یاد آئی کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ حضرت میرا ارادہ ہے کہ میں نوکری چھوڑ دوں اگر اجازت ہو حاصل یہ تھا کہ توکل اختیار کروں اس وقت حضرت مولانا مطبع مجتبائی میرٹھ میں دس روپیہ کے ملازم تھے اب دیکھئے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کیا جواب فرماتے ہیں کہ مولانا یہ پوچھنا خود دلیل ہے تردد کی اور تردد دلیل ہے خامی کی اور خامی کی حالت میں ترک اسباب کرنا موجب تشویش ہوگا اور جب پختگی کی حالت پیدا ہو جائیگی تو اس وقت پوچھنا تو درکنار اگر کوئی تم کو روکے گا بھی تب بھی رسے توڑا کر بھاگو گے اسی طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ شیخ اسی استحکام آثار کے لئے عبدیت کے راسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ اس سے آثار میں استحکام ہو ورنہ بدوں کیفیت کے رسوخ کے گاڑی چلنا مشکل ہوتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ انجن کے ذریعہ سے گاڑی چلتی ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ کبھی اسٹیشن پر دیکھا ہو کہ مال وغیرہ کے ڈبوں کو مزدور لائن پر دھکیلتے ہیں تو فقدان کیفیت کی مثال مزدوروں جیسی اور کیفیت پیدا ہو جانے کی مثال انجن جیسی ہے۔

بس شیخ اسی کی کوشش کرتا ہے اور شیخ کی خدمات میں سب سے صعب (سخت) خدمت یہی ہے کیونکہ اس کی تکمیل کے لئے شرط ہے شیخ و طالب میں مناسبت کی اور مناسبت کی عقلا دو صورتیں ہو سکتی ہے۔ ایک شیخ کو طالب کے مقام پر تنزل کرنا دوسرے طالب کو اپنے مقام پر لے جانا اول میں شیخ کو مشقت ہوتی ہے اور طالب کو سہولت اور ثانی میں بالعکس مگر شیخ کی شفقت و کمال کا مقتضا پہلی صورت ہے اس لئے وہ اس کو اختیار کرتا ہے پس شیخ کے لئے وہ وقت جبکہ وہ طالب کے مقام کی طرف

نزول کرتا ہے بہت سخت ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا نزول اس سے بھی سخت ہوتا ہے کیونکہ بوجہ بون بعید (بہت زیادہ فرق ہونے) کے ان کو زیادہ تنزل کرنا پڑتا ہے خصوص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نزول) پھر جبکہ مخاطب اس نزول کی قدر بھی نہ کرے تو وہ اس عارض کی وجہ سے اور بھی سخت ہو جاتا ہے۔

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ کو سب انبیاء سے زائد اذیت ہوئی ہے اور یہ مشقت اس پر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا فطری امر تھا تسہیل الصعاب (دشواریوں کو آسان کر دینا) ورنہ دشواری کی کوئی حد ہی نہ رہتی، تو شیخ کا بڑا ہی کمال ہے کہ طالب کے مقام پر نزول کر کے آتا ہے طالب کو اپنے درجہ پر نہیں لے جاتا جیسے ایک طالبعلم میزان پڑھتا ہے اور ایک بہت بڑا علامہ اس کو پڑھاتا ہے تو وہ علامہ اس کے مقام کی طرف نزول کرے گا تب اس کو نفع ہوگا طالب علم کو اپنے مقام کی طرف نہ لیجائے گا اس کے مناسب ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ مجلس میں یہ فرما رہے تھے کہ بلاء بھی نعمت ہے اور لوگ اُس تقریر سے متاثر ہو رہے تھے عین اس وقت میں ایک شخص آیا جس کے ہاتھ میں کسی دوسرے شخص نے لڑائی کے وقت کاٹ لیا تھا اور اس کی وجہ سے تمام ہاتھ ورم کر آیا تھا اور اس کو سخت تکلیف تھی اس نے آ کر حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت دُعاء فرما دیجئے کہ میری تکلیف جاتی رہے میں بھی اس مجلس میں موجود تھا اب مجھ کو طالب علمانہ شبہ ہوا کہ حضرت ابھی ثابت فرما چکے ہیں کہ ہر مصیبت اور بلاء و تکلیف خدا کی نعمت ہیں اب اس درخواست کے بعد دو ہی صورتیں ہیں اگر اس کی صحت کے لئے دُعاء کی تو وہ نعمت کے دفع ہونے کی دُعاء ہوگی اور اگر دُعاء نہ کی تو یہ منصب شیخ کے خلاف ہوگا کہ حضرت اس کو مقام تلذذ بالنعمت پر لے گئے جس سے اس کو ذرا بھی مناسبت نہیں تو اس صورت میں حضرت عام مخلوق کے کام نہ آئے حضرت نے معمول کے خلاف اعلان کے ساتھ فرمایا کہ سب اس شخص کے لئے دُعاء کریں اور باآواز بلند دُعاء فرمانا شروع کی اے اللہ

یہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بلاء بھی نعمت ہے مگر ہم لوگ اپنے ضعف تحمل کے سبب اس نعمت کی برداشت نہیں کر سکتے اس لئے آپ اپنی رحمت سے اس نعمت بلا کو نعمت صحت سے مبدل فرما دیجئے مجھ کو اس وقت نہایت حیرت ہوئی۔

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شان تحقیق ہر امر میں عجیب وغریب تھی ایک مرتبہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے واپسی قسطنطنیہ کے بعد حضرت سے کہا کہ سلطان عبدالحمید خان صاحب میں ایسی ایسی خوبیاں ہیں اگر آپ کہیں تو سلطان سے آپ کا بھی تذکرہ کروں حضرت نے فرمایا کہ غایت مافی الباب اس تذکرہ سے وہ میرے معتقد ہو جائیں گے پھر اس اعتقاد کا کیا نتیجہ ہوگا صرف یہ ہوگا کہ وہ مجھ کو آپ کی طرح بلائیں گے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ بیت اللہ سے بُعد ہوگا اور بیت السلطان سے قرب مگر اس ارشاد میں بظاہر ایک دعویٰ اپنے بڑے اور سلطان کے چھوٹے ہونے کا معلوم ہوتا تھا ساتھ ہی اچھا تدارک فرمایا کہ آپ سلطان کو عادل بتلاتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ سلطان عادل کی دُعاء مستجاب ہوتی ہے سو اگر ممکن ہو میرے لئے ان سے دُعاء کرا دیجئے مگر اس کا یہ طریق تو عرفاً مناسب نہیں کہ ایک فقیر کے لئے سلطان سے دُعاء کو کہا جائے سو مناسب صورت یہ ہے کہ اُن سے میرا سلام کہہ دینا وہ اس کا جواب دینگے پس وہی جواب دُعاء ہو جائے گی۔

(ملفوظات حکیم الامت جلد ۴ ص ۱۴۱)

حق العمل ولومع الخلل

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے ایک گھڑی خریدی ہے اُس میں الارم ہے تہجد کے وقت اُس سے آنکھ کھلتی ہے اس کا افسوس ہے کہ اب تک کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی خارجی چیزوں کی حاجت ہے۔ میں نے جواب لکھا کہ افسوس کی کیا بات ہے خارجی چیزوں سے کہاں تک بچو گے ضروری چیزیں زیادہ تر خارجی ہیں چنانچہ روٹی بھی خارجی ہے پانی خارجی ہے ان سے کہاں تک بچو گے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں انہوں نے گھڑی ایجاد کرادی۔ تم کو اتنی وسعت دی کہ اس کو خرید سکے اُس میں الارم لگوادیا سو اُس سے استغناء کی فکر کیوں ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اُن کی رحمت کا اُن کی عطاء کا شکر ادا کرنا چاہئے اور خوش ہونا چاہئے نہ کہ افسوس! معلوم نہیں لوگ بننا کیا چاہتے ہیں بندہ بن کر رہنا تو لوگوں کو دوبھر ہو گیا کمال کے معنی گھڑ کر اُس معنی کے اعتبار سے اپنے کو کامل بنانا چاہتے ہیں۔ مگر حضرات انبیاء علیہم السلام کو دیکھئے جو ہر طرح کامل ہیں مگر اُن سے پوچھئے کہ وہ اپنی عبادتوں کو کیسا سمجھتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **لن یدخل الجنة احد بعمله** کہ جنت میں اپنے عمل کی وجہ سے کوئی داخل نہ ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ولا انت یا رسول اللہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ولا انا الا ان یتغمدنی الله برحمته** اگر آپ اپنے عمل کو کامل سمجھتے تو جنت میں جانے کو عمل کا ثمرہ کیوں نہ فرماتے حضرت وہاں تو

فضل ہی پر مدار ہے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش عذر بدرگاہِ خدا آورد

ورنہ سزا وار خداوندیش کس نتو اند کہ بجا آورد

جب انبیاء علیہم السلام کمال کا دعویٰ نہیں کرتے تو اور کس کا منہ ہے کہ وہ کامل ہونے کا یا بننے کا دعویٰ کرے بس عبدیت یہی ہے کہ کام میں لگے رہو اور آگے کو چلتے رہو اگر کوئی شخص چلنے کے وقت ہر قدم پر یہ دیکھے کہ رفتار سریع ہے یا بطی (ست) تو منزل ختم ہو چکی اور منزل مقصود پر پہنچ لیا ارے تیز ہے یا سست۔ چلا چل منزل سے قرب ہی بڑھے گا اور ایک روز پہنچ رہے گا۔

مجنوں کی حکایت ہے ایک مرتبہ اپنی محبوبہ لیلیٰ کی ملاقات کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر چلا جس کے ساتھ بچہ بھی تھا جو اونٹنی کے پیچھے آرہا تھا جب تک مجنوں کے ہوش حواس درست رہتے اور مہار ہاتھ میں رہتی اونٹنی چلتی رہتی اور جب اس پر محبت کا غلبہ ہوتا تو بے ہوش ہو جاتا۔ مہار ہاتھ سے چھوٹی جاتی اونٹنی محسوس کر لیتی کہ اب سوار غافل ہے وہ پیچھے لوٹ کر بچے کے پاس جا پہنچتی پھر مجنوں کو جب ہوش آتا دوبارہ پھر مہار سنبھال کر بیٹھتا اور لے کر چلتا پھر اسی مدہوشی کی کیفیت کا غلبہ ہوتا اونٹنی پھر اسی طرح پیچھے لوٹتی ہوش آیا تو دیکھا کہ ابھی وہیں ہوں جہاں سے چلا تھا تب مجنوں نے یہ شعر پڑھا:

هوى ناقتي خلفي وقدامي الهوىٰ فاني وايا ها لمختلفان

یعنی میرا محبوب تو آگے ہے اور اس اونٹنی کا محبوب پیچھے۔ میرا اس کا نباہ نہیں ہوسکتا اور ساتھ ہی اوپر سے کود پڑا چوٹ بھی لگی اسی لئے کہ بے تکے پن سے کودا چلنے کی بھی قوت نہ رہی تو زمین پر لیٹے ہی لیٹے لڑھکنا شروع کر دیا تو مجنوں نے تو لیلیٰ کے عشق میں یہاں تک گوارا کیا اور تم خدا کے عشق کا اور محبت کا دعویٰ کرتے ہو پھر انتظار کس بات کا ہے جس طرح بھی اور جیسے بھی تیزی سے سستی سے چل پڑو کیا خدا کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہے خوب فرماتے ہیں:

عشق مولیٰ کے کم از لیلےٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

اورتم تو رجسٹری شدہ محبّ ہو فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کو سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہے اس لئے محبّ ہونے سے انکار بھی نہیں کر سکتے جب تمہاری محبت اور عشق نص سے ثابت ہو گیا تو عشق تو ایسی چیز ہے کہ سوائے محبوب کے کسی کو نہیں چھوڑتا پھر موانع پر نظر کیسی خوب فرمایا ہے:

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغ لا در قتل غیر حق بر اند مرحبا اے عشق شرکت سوررفت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب یہ بھڑکا تو محبوب کے سوا اور سب کو جلا دیتا ہے۔ غیر حق کو فنا کرنے کے لئے جب لا کی تلوار کھینچی تو پھر دیکھو آگے کیا رہ گیا۔ (ظاہر ہے کہ) الا اللہ رہ گیا۔ مبارک ہے وہ عشق جو غیرِ حق کی شرکت کو بالکل فنا کر دینے والا ہے)

حضرت عشق کے تو کاروبار ہی نرالے ہیں یہ چیز ہی ایسی ہے کہ بجز محبوب کے قاعدوں کے کوئی قاعدہ قانون ہی باقی نہیں رہتا۔ بلکہ کوئی چیز بھی باقی نہیں رہتی سوائے محبوب کے یہ خدا سے کیسی محبت اور کیسا عشق ہے کہ جس میں ایسی باتوں پر نظر ہے جو محبوب کی راہ میں سدراہ ہیں محبّ کو کسی طرح بھی چین نہ آنا چاہئے اگر چین ہے تو اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے عاشق نہیں۔

خاتم مثنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی کہ ایک عورت چلی جا رہی تھی اُس نے دیکھا کہ میرے پیچھے ایک مرد آ رہا ہے اُس عورت نے کہا کہ تو میرے پیچھے کیسے آ رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں اُس عورت نے کہا کہ میری بہن مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے میرے پیچھے آ رہی ہے مجھ جیسی بدصورت پر کیا عاشق ہوتے ہو وہ زیادہ حسین ہے اس پر عاشق ہو یہ سن کر اس شخص نے منہ موڑ کر دیکھا اُس عورت نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا اور کہا ۔

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی دربیان دعویٰ خود صادقی

پس چرا بر غیر افگندی نظر　　این بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

(اُس عورت نے کہا کہ ارے بیوقوف اگر تو میرا عاشق صادق ہوتا تو میرے سوا دوسری پر کیوں نظر ڈالتا۔ کیا عشق کا دعویٰ ایسا ہی ہوتا ہے)

اسی طرح وہ شخص کذاب ہے جو خدا کی محبت اور عشق کا دعویٰ کرے اور اُس کے احکام اور اس کے نام لئے بغیر اُس کو چین ہو اسی کو فرماتے ہیں:

اے کہ صبرت نیست از فرزند و زن　　صبر چوں داری زرب ذوالمنن

اے کہ صبرت نیست از دنیائے دُوں　　صبر چوں داری زنعم الماہدوں

(تجھ کو بیوی بچوں بغیر اور کمینی دنیا کے بغیر تو صبر نہیں آتا۔ تعجب ہے کہ حق تعالیٰ کے بغیر کس طرح صبر آجاتا ہے) ارے چلو تو چلنے میں بے ڈھنگا پن ہی سہی عشق میں عرفی حدود و شرائط بھی کہاں وہ عاشق کیسا جس کو یہ خیال ہو کہ ہائے فلاں حال نہیں ہوا فلاں کمال نہیں ہوا فرماتے ہیں:

دوست دارد دوست ایں آشفتگی　　کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی

(محبوب کو یہ پریشان حالی محبوب ہے۔ تو ہماری ناکام کوشش بےکار رہے تو بہتر ہی ہے۔۱۲)

اگر آدمی اسی میں رہے کہ میں کامل بنوں جنید بغدادی بنوں تو میں بتلائے دیتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں بنے گا بس کام میں لگو سعی اور کوشش کرو وہ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں فرماتے اور بدوں کام میں لگے یہ تمنائیں پکانا یہ شیطان کی راہ زنی ہے ہمارا مذہب تو یہ ہے جیسے ایک شخص کا مقولہ ہے کہ وہ دربار ایسا ہے کہ کئے جاؤ اور لئے جاؤ کیسی کام کی بات ہے ایسے ہی قافیہ وار اور مفید بات ایک مرتبہ ریل میں ایک گاؤں کا شخص کہہ رہا تھا کہ نیک رہو اور ایک رہو کتنے عالی مضمون کو دو مختصر جملوں میں بیان کر دیا۔ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ غرض یہ شیطان کی راہ زنی ہے کہ کھاؤں گا گھی سے ورنہ جاؤں گا جی سے۔ ایک شخص نے یہ سن کر **لاصلوٰۃ الا بحضور**

القلب نماز چھوڑ دی تھی ایک صاحب یہاں پر آئے تھے کسی حاجت کے لئے مجھ سے دعا کو کہا کہ دعا کر دیجئے میں نے کہا تم بھی کرو اور میں بھی کرتا ہوں کہتے ہیں کہ جی ہماری کیا دعاء ہماری زبان ایسی کہاں۔ میں نے کہا کہ اسی زبان سے کلمہ شریف پڑھتے ہو جب ایسی زبان نہیں تو اس سے کلمہ شریف بھی نہ پڑھو یہ شیطان نے راہ مار رکھی ہے مثلاً اسی شخص کو برکاتِ دعا سے محروم کر رکھا ہے۔

صاحبو! جتنا عمل بھی ہو رہا ہے وہ ناقص ہی سہی کیا ہم اس کے مستحق تھے ظاہر ہے ہمارا کیا استحقاق ہوتا کیا استحقاق استحقاق لئے پھرتے ہیں یہ سب ان کا فضل اور عطاء ہے اور استحقاق تو کیا ہوتا ہم نے تو کچھ مانگا بھی نہ تھا خود فضل فرمادیا اسی کو کہتے ہیں:

ما نبودیم و تقاضا ماں نبود لطف تو ناگفتہ نامی شنود

(ہم موجود نہیں تھے اور نہ ہمارے وجود کا کوئی تقاضا تھا مگر اس وقت بھی حق تعالیٰ کا لطف ہماری التجاؤں کو ہماری درخواست کے سن رہا تھا)

بس جتنا دیا غنیمت ہے ہمارا حق ہی کیا تھا ارے کمال نہیں تو ناقص نماز کی تو توفیق دیدی دوسروں کو تو ناقص کی بھی توفیق نہیں اُن سے تو پھر اچھے حال میں رکھا اب رہ گیا نقص سو اس کا علاج اللھم اغفرلی ہے۔

الحمدللہ! کامل تعلیم پیش کر دی گئی اور یہ طفیل اس کا ہے کہ ہم سب خادمانِ دین کے خادم ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری نظر فقہ اور تصوف دونوں پر ہے دونوں کو ملا کر عمل اور تعلیم کرتے ہیں اسی لئے کسی جگہ پریشانی نہیں دشواری نہیں۔ جو لوگ کمال کی فکر میں پڑ جاتے ہیں اُن کو بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے پھر اُس ناقص سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اس کامل یا ناقص پر ایک واقعہ یاد آیا۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے پاس کہیں سے کھانا آیا آپ نے اپنے ایک خلیفہ کے پاس بھیج دیا اُنہوں نے عرض کیا حضرت تحقیق بھی فرمالیا ہے حرام و مشتبہ تو نہیں فرمایا کہ جا بڑا نکلا ہے حلال و حرام والا۔ بھوکا مر جائے گا کھالیا کر جو خدا دیا

کرے۔ مطلب یہ کہ بلا وجہ اتنی تفتیش اور تحقیق کے پیچھے نہ پڑے۔

ایک شخص تھے یہاں پر اُن کی ایک شخص نے دعوت کی جب کھانے بیٹھے تب تفتیش شروع کی کہ یہ چیز کہاں سے آئی یہ برتن کیسی کمائی کے ہیں۔

وہ بے چارا پریشان بھلا پہلے ہی کیوں نہیں تحقیق فرمالی تھی کچھ نہیں یہ بھی ایک مرض ہے جو تکبر سے ناشی ہے ایسے ہی ایک مرتبہ ایک شخص نے میری دعوت کی مجھ کو شبہ تھا حرام کا۔ میں نے تنہائی میں لطف کے ساتھ صاف کہہ دیا کہ اس شبہ کی وجہ سے مجھ کو عذر ہے اس شخص نے کہا کہ میں نے اس کا کافی انتظام کرلیا ہے مجھ کو اس کا خود خیال تھا۔

بس قصہ ختم ہوا اور ہر چیز اپنے موقع پر اور حد پر اچھی معلوم ہوتی ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جن دو چیزوں کا آپ کو اختیار دیا جاتا تھا تو سہل کو اختیار فرماتے تھے تو پھر دوسرے کا کیا منہ ہے کہ اعمال میں کمال مزعوم کے درپے ہو۔ **انتہت رسالہ حق العمل ولو مع الخلا** ۔

(ملفوظات حکیم الامت جلد ۴ ص ۳۲۷)

اَدَبُ الخِطَاب

(ملقب بہ ادب الخطاب)..... ایک مولوی صاحب نو وارد تشریف لائے حضرت والا کے اس دریافت فرمانے پر کہ کہاں سے تشریف لائے نہایت آہستہ سے جواب دیا جس کو حضرت والا نہ سن سکے فرمایا کہ مجھے آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ نے ایسی پست آواز سے جواب دیا جس کو میں نہیں سن سکا کیا اس سے دوسرے کو اذیت نہیں پہنچتی اس پر انہوں نے بلند آواز سے عرض کیا کہ فلاں مقام سے آیا ہوں فرمایا کہ اب یہ دوسری اذیت آپ نے پہنچائی کہ جو سوال میں نے کیا تھا اس کا جواب نہیں دیا کیا یہ سوال میرا لغو تھا یا قابل جواب نہیں سمجھا گیا۔

اب یہ دوسرا سوال پیدا ہو گیا اس کا جواب دیجئے عرض کیا کہ قصور ہوا فرمایا اس کو قصور نہیں کہتے اس کو بے فکری کہتے ہیں اس کی فکر ہی نہیں کہ ہماری کسی بات سے دوسرے کو اذیت تو نہ پہنچے گی میں نہیں کہتا کہ اذیت پہنچانے کا قصد ہے شکایت اس کی ہے کہ اس کا قصد نہیں کہ دوسرے کو اذیت نہ پہنچے حالانکہ یہ قصد ضروری ہے عرض کیا کہ مجھ کو یہاں کے اصول اور قواعد معلوم نہیں فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے مگر بعض باتیں اور بعض اصول خاص ہوتے ہیں خاص خاص مقام کے لئے ان میں تو جہل عذر ہے لیکن یہ مبہم بولنا اور آہستہ سے بولنا یہ تو سب جگہ کیلئے طبعاً اذیت کا سبب ہیں اس میں غلطی کرنا بے فکری سے ہے جہل سے نہیں۔

غرض قسم اوّل میں تو ایک درجہ میں معذور ہو سکتے تھے کہ قواعد نہ معلوم ہونے کی وجہ

سے کسی قاعدہ کے خلاف ہوجاتا مگر اس طرح بولنا جیسے نواب صاحب بولتے ہیں کہ دوسرا سمجھ ہی نہ سکے اس میں کیا معذوری سمجھی جائے دوسرے آپ عالم ہیں آپ بتائیں کہ کیا اس کا تعلق قواعد سے ہے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ پھر یہ میرے سوال کا جواب آپ کے نزدیک کس طرح ہوگیا اس پر یہ صاحب خاموش رہے فرمایا کہ یہ تیسری اذیت پہنچائی کہ سوال کا جواب ہی ندارد کیا ہوگیا آپ لوگوں کو آخر لکھ پڑھ کر کہاں کا بدلہ لیا لاعلمی سے اقرار میں ہیٹی ہوتی ہے کیا تم لوگوں کے دماغوں میں خناس بھرا ہے۔

بس واقعی بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں کہ اس کا اہتمام ہی نہیں کہ دوسرے کو کلفت نہ ہو گو اذیت کا قصد نہیں ہوتا مگر اس کا بھی قصد نہیں کہ دوسرے کو اذیت نہ پہنچے آخر ایسے کان کہاں سے لاؤں کہ بے بولے ہی سن لیا کروں اس پر وہ صاحب کچھ بولے مگر اسی آہستہ آواز سے فرمایا کہ پھر وہی حرکت ہوئی باوجود اتنی تقریر کے اور سمجھانے کے اب میں اخیر بات کہتا ہوں کہ آپ یہ فرض کر لیجئے کہ میں بہرا ہوں اس فرض کے بعد اول میری شکایت کا جواب دیجئے آپ کے نزدیک تو وہ چیز ادنیٰ ہے جس کے متعلق میں سوال کر رہا ہوں مگر میں بے اصول گفتگو سے گھبراتا ہوں یہ بھی ایک وجہ ہے میرے مناظرہ کو پسند نہ کرنے کی آجکل بے اصول گفتگو ہوتی ہے اس سے مجھ کو وحشت ہوتی ہے ہاں اگر اصول کے ماتحت گفتگو ہو تو اپنی ساری عمر اس کے لئے وقف کرنے کو تیار ہوں میں تو اچھے خاصے لکھے پڑھوں کو رات دن دیکھتا ہوں ان سے سابقہ پڑتا رہتا ہے کہ ان کی ایک بات بھی الا ماشاء اللہ اصول کی نہیں ہوتی حالانکہ ادیب بھی ہیں عالم بھی ہیں فاضل بھی ہیں مناظر بھی ہیں منطقی فلسفی بھی ہیں مگر ایک بات بھی اصول کی نہیں بس وہی پڑھنے اور گننے کا فرق ہے جو اکثر کہا کرتا ہوں پھر ان صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ جواب دیں میں صبر کئے بیٹھا ہوں آخر بشر ہوں کیوں ستاتے ہو اسی بل بوتے پر محبت کا دعویٰ کر کے آئے تھے کہ بات کا جواب تک بھی ندارد اس پر وہ صاحب کچھ بولے مگر وہی آہستہ آواز سے فرمایا کہ

اب حد ہوگئی میں نے یہاں تک کہہ دیا ابھی کہ آپ فرض کر لیجئے کہ میں بہرا ہوں باوجود اس کہہ دینے کے اور اتنی لمبی چوڑی تقریر کے نہ آواز بلند ہے اور نہ مضمون صاف اور پورا ہے پھر فرمایا کہ اب میرے قلب میں سوزش پیدا ہوگئی بوجہ تحمل کے آپ مسجد میں تشریف رکھیں مجھ کو تکلیف ہونے لگی وہ صاحب مسجد میں تشریف لے گئے۔

حضرت والا نے اہل مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب بتلایئے کہاں تک تغیر نہ ہو آخر بشر ہوں جس چیز کو بار بار تصریحاً کہہ چکا پھر لوٹ کر وہی حرکت البتہ اگر میں بالکل بے حس ہو جاؤں تب ان کا کام بنے ایسے ایسے بدفہم لوگ آتے ہیں جن سے تکلیف ہوتی ہے پھر فرمایا کہ میں دعوی سے کہہ سکتا ہوں کہ میں بہت ہی صبر اور تحمل سے کام لیتا ہوں آپ حضرات نے اسی واقعہ میں دیکھا کہ میں تحمل کرتا ہوں یا سختی کرتا ہوں یہ ہیں وہ باتیں جن پر باہر جا کر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے اب بدنامی کو دیکھوں یا آنیوالے کی مصلحت اور اپنی تکلیف کو دیکھوں اور مجھ کو تو اس بدنامی سے خوشی ہوتی ہے کہ بدفہموں کی بدفہمیوں سے تو نجات ملے گی اس لیے ایسی بدنامی میں بھی لذت ہے خوب کہا گیا ہے

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں مانمی خواہیم ننگ ونام را

انتھی جزوادب الخطاب

(ملفوظات حکیم الامت جلد۴، ص ۲۱۸)

الحمدللہ! مقالات حکیم الامت جلد نمبر 78 مکمل ہوئی۔

مزاحیات لطائف و ظرائف ڈپریشن کا بہترین علاج

لطائف و ظرائف

مع مزاحیہ حکایات

علمی ادبی رموز و لطائف
جن کا مطالعہ طبیعت میں
سکون و نشاط پیدا کرنے
کیساتھ اکابر مشائخ کے
ذوق کو بھی اجاگر کرتا ہے
کہ اللہ والوں کے حُسنِ
مزاح میں بھی کس قدر
نورانیت ہے

حکیم الامت مجدد الملت
حضرۃ مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ
و دیگر اکابر کی پُرلطف باتیں

پسند فرمودہ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اضافہ و جدید ترتیب
صوفی محمد راشد صاحب
(ڈیرہ اسماعیل خان)

جمع و ترتیب
محمد اسحٰق ملتانی
مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240